اولیأ اور علمأ کی تصدیقات
اور
چند اہم اضافوں کے ساتھ

امام حسین رضی اللہ عنہ
اور
واقعۂ کربلا

قرآن، حدیث تاریخ اور دانش کی روشنی میں

حافظ ظفر اللہ شفیق

تاقیامت قطعِ استبداد کرد
موجِ خونِ اُو چمن ایجاد کرد

امام حسین رضی اللہ عنہ
اور
واقعۂ کربلا

قرآن، حدیث، تاریخ اور دانش کی روشنی میں

امام حسینؓ کے سوانحی نقوش، خاندانی خصوصیات، ولولہ انگیز قیادت کا تذکرہ، واقعۂ کربلا کی بے غبار تفصیلات، کربلا کے اسرار و معارف، شبہات کے جوابات، کربلا کی جغرافیائی اور عمرانی تاریخ

—— تالیف ——
حافظ ظفر اللہ شفیق

ادارہ صراط مستقیم
شالامار لنک روڈ، باغبان پورہ، لاہور

کتاب : —— امام حسین ؓ اور واقعہء کربلا
قرآن، حدیث، تاریخ اور دانش کی روشنی میں

تصنیف: —— حافظ ظفر اللہ شفیق
Mob:0300-4186759

ناشر:
ادارہ صراط مستقیم
سٹریٹ #9/c-s مسلم کالونی شالامار لنک روڈ، باغبانپورہ، لاہور

ملنے کے چند مقامات

- مسجد خالد، کیولری گراؤنڈ لاہور کینٹ
- مکتبہ سید احمد شہیدؒ الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
- ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور
- مکتبہ سلطان عالمگیر 5 لوئر مال لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آئینۂ مضامین

دیباچہ بارِ دوم

نہ تنہا من........

اتنا جانتا ہوں کہ میں کچھ نہیں، میرے پاس کچھ نہیں۔ علم و عمل سے تہی دامن، فن روابط سے نا آشنا، ذوقِ تشہیر سے محروم، لیکن یہ "مودت نامہ" کیا چھپا، ہزاروں چاہنے والے مل گئے، اولیاؑ نے دعاؤں سے نہال کر دیا، علماؑ نے، مسلکی عصبیتوں اور ذاتی مصلحتوں سے بالا ہو کر، تصویب و تحسین سے نوازا، اہل دانش نے وقت کی ضرورت قرار دیا، علمی مجالس اور جمعہ کے خطبات میں اس کا تذکرہ ہوا، رسائل و جرائد میں تبصرہ ہوا، کئی مقامات پر اجتماعی مطالعہ ہوا، اہل علم نے اپنی تحقیقی کتب اور مضامین میں اس کا حوالہ دیا، اور پہلا ایڈیشن دو ماہ کے قلیل عرصے میں، کسی تشہیری مہم کے بغیر، ہاتھوں ہاتھ نکل گیا، اس سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آئی کہ مودت اہل بیتؓ تمام مسالک اور ارباب فکر و نظر کے درمیان قدر مشترک اور نقطۂ اتحاد ہے۔

ان مہربانیوں کو میں اُنہی کا لطف و کرم یقین کرتا ہوں، جن کی مودت اس کاوش کی جان اور ہمارا سرمایۂ ایمان ہے، شکر ہے اُس ذات کا جس نے نور مودت عطا فرمایا!

سب نہیں، چند آرا اور ان کی بھی تلخیص نذر قارئین ہے، صرف اس حقیقت اور مسرت کے اظہار کے لیے کہ:

نہ تنہا من دریں مے خانہ مستم

جنیدؒ و شبلیؒ و عطارؒ ہم مست!

تمام عنایتوں اور محبتوں کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ۔ مفصل آرا انشاء اللہ الگ شائع کی جائیں گی۔

حضرت سید نفیس الحسینی حفظہ اللہ (کریم پارک، لاہور)

''گذشتہ صدی کے نصف اول میں کراچی سے ناصبی دجل وتلبیس کا طوفان اٹھا اور بڑے سازوسامان سے اٹھا، اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ اس کے لپیٹ میں آئے اور آرہے ہیں، اہل حق نے اس فتنے کے سدباب کے لیے بہت سی کتابیں لکھیں، حال ہی میں حافظ ظفر اللہ شفیق نے زیرنظر کتاب لکھی ہے، جس نے ناصبی دجل وفریب کے تاروپود بکھیر دیے ہیں، میں نے یہ کتاب ازاول تا آخر پڑھوا کر سنی ہے، مباحث میں تحقیق اور تحریر میں اعتدال ہے، میں نہایت مسرت کے ساتھ اس کتاب کی تصدیق وتائید کرتا ہوں، اہل حق کا موقف سمجھنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے،،

حضرت مولانا ظفر احمد قادری ؒ (رائے ونڈ)

''کتاب پڑھی اور پھر پڑھ رہا ہوں، کیا عرض کروں دوران مطالعہ میں کیا کیفیت ہوتی ہے، ماشاءاللہ احقاق حق خوب ہوا ہے۔''

حضرت ڈاکٹر عبدالمقیم حفظہ اللہ

خلیفۂ راشد حضرت مولانا حکیم محمد اختر دامت برکاتہم

''کسی بھی قوم کی زندگی اس کے رہنما اور ہیرو سے ہوتی ہے، قائداعظم محمد علی جناح کی کردار کشی پاکستان کے استحکام کے خلاف ہے تو جن ہستیوں کو خود اللہ تعالی نے پاک صاف کر کے امت کا امام بنایا، ان کی کردارکشی سے اُمت کا وجود کیسے برقرار رہ سکتا ہے؟ اس کتاب کے مطالعہ سے مقام اہل بیتؓ سے آگاہی حاصل ہوتی ہے، اور بہت سی الجھنیں حل ہوجاتی ہیں۔ جی چاہا وہ ہاتھ چوم لوں جن سے مودت والفت میں ڈوبی ہوئی ایسی کتاب لکھی گئی۔''

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید حفظہ اللہ (جامعہ باب العلوم، کہروڑپکا)

رسول اکرم ﷺ نے جو فرمایا تھا کہ ایک زمانہ آئے گا جب فتنے یوں برپا ہوں گے جیسے

دھاگا ٹوٹنے سے موتی گرتے ہیں، اپنے زمانے میں فتنوں کی کثرت کو دیکھتے ہوئے ذہن میں یہ خیال غالب ہے کہ وہ زمانہ آچکا اور فتنوں کی کثرت کی وجہ وہی ہے جس کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ فرمایا گیا: دھاگا ٹوٹنا۔ یہ دھاگا درحقیقت رشتہ اور تعلق ہے رسول اکرم ﷺ سے اور آپؐ کے اہل تعلق سے، جو دین کی لڑی میں پروئے ہوئے تھے۔ یہ رشتہ جب کمزور پڑتا ہے اور یہ دھاگا جب ٹوٹتا ہے تو فتنوں میں ابتلا اور وقوع ہوتا ہے، کہیں الحاد وتشکیک کا فتنہ، کہیں رافضیت کا فتنہ، کہیں خارجیت اور ناصبیت کا فتنہ، کہیں بدعات کا فتنہ، ان میں کئی فتنے چھوٹے ہیں، کئی بڑے، کچھ ظاہری ہیں کچھ باطنی اور ان تمام فتنوں سے بچاؤ کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور جن جن کا آپ ﷺ سے محبت، عقیدت اور وفا کا تعلق ہے، اُن سے اپنے تعلق کو مضبوط کیا جائے، حضور ﷺ کے پیاروں سے پیار کیا جائے۔

عصر حاضر میں اہل علم میں ایک فتنہ بڑی تیزی سے پھیلا، فتنۂ ناصبیت، اور اس کا بنیادی سبب یہ ہوا کہ رافضیت کے رد میں لوگوں نے مقام اہل بیتؓ سے ناآشنائی اور ان کے موقف سے لاعلمی گوارا کیے رکھی۔

اس فتنے کی ایک مدت سے مؤثر تردید کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی، حافظ ظفر اللہ شفیق کی تالیف ''امام حسینؓ اور واقعہ کربلا'' ملی، اول سے آخر تک ایک ایک لفظ پڑھا اور بامعان نظر پڑھا، دل نے گواہی دی کہ ناصبیت کے زہر کا تریاق یہ کتاب ہے۔

استدلال صحیح، استنباط قوی، انداز دلکش، لفظ لفظ میں محبت کی خوشبو، مجھے اس کتاب پر اعتماد ہے اور میں احباب سے اس کے مطالعے کی سفارش کرتا ہوں۔ اللہ تعالی ہمارے دلوں کو حب آل محمد ﷺ کے نور سے منور فرمائے اور اس محبت کی برکت سے ہمارا خاتمہ ایمان پر ہو۔

داعی الی اللہ حضرت مولانا طارق جمیل حفظہ اللہ

''میں نے آپ کی کتاب پڑھی اور بالاستیعاب پڑھی، مجھے کتب ملتی رہتی ہیں، لیکن مجھے کسی ہدیے سے اتنی مسرت نہیں ہوئی، جتنی آپ کے اس ہدیے سے ہوئی، واللہ میرے پاس الفاظ نہیں کہ اپنی قلبی مسرت کا اظہار کرسکوں۔ اس میں آپ نے جتنی جان کھپائی ہے، دکھائی دے رہی ہے، اتنی محنت ہو نہیں سکتی، جب تک دل جذبۂ مودت سے لبریز نہ ہو۔

اس کتاب کا اسلوب انوکھا، زبان سادہ اور شگفتہ اور مباحث نہایت عمدہ ہیں، اس میں حکمت اور استدلال کے ساتھ دعوت اور نصیحت ہے، اپنے تعلیمی اور تدریسی دور میں، نصاب میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے، مجھے مناقب اہل بیتؓ پڑھنے کا موقعہ نہیں ملا، لیکن دعوت وتبلیغ کے نبوی کام سے جڑنے کے بعد جب مطالعہ کیا تو یہ حقیقت کھلی کہ اہل بیتؓ صرف ہماری عقیدت نہیں، ہمارا عقیدہ ہیں، جس دل میں اُن کی مودت نہیں، اُس میں ایمان نہیں، اس معرفت کے بعد میں نے غفلت میں بیتے ہوئے ایام کے لیے استغفار کیا اور ذکر اہل بیتؓ کا اہتمام کیا۔

زیر نظر کتاب کے مطالعہ سے مقام اہل بیتؓ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور قلوب میں ان کی مودت پیدا ہوتی ہے۔ غور کیجیے تو اس سلسلے میں تمام فتنوں کا تریاق یہی معرفت اور مودت ہے، اس لیے میری رائے میں ہر شخص کو اس کتاب کا مطالعہ کرتے رہنا چاہیے، خود مجھے اس کتاب کے مضامین سے بہت تقویت ملی۔"

حضرت مولانا حافظ عبدالرشید ارشدؒ (مکتبہ رشیدیہ، لاہور)

"مشفق محترم مولانا حافظ ظفر اللہ شفیق نے زیر نظر کتاب لکھ کر باطل کو بے نقاب کیا ہے اور فرض کفایہ ادا کیا ہے انداز تحریر شستہ اور شائستہ ہے، میں نے کئی مقامات سے کتاب سنی، سچی بات ہے مجھے رشک آیا،،

ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی حفظہ اللہ

(سابق پروفیسر بن غازی یونیورسٹی، لیبیا۔ امام ابن سعود اسلامک یونیورسٹی، ریاض، کراچی یونیورسٹی)

"ایک عمدہ تصنیف جس کے بعض مقامات پڑھ کر میری آنکھیں نمناک ہوگئیں۔ آپ نے جو کچھ لکھا ہے بڑے خلوص قلب اور جذبۂ صادق سے لکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو واقعی نسبت اہل بیتؓ عطا فرمائی ہے، آپ کی کتاب کی امتیازی صفت میرے نزدیک یہی ہے کہ اس کے مطالعہ سے اہل بیت اطہارؓ کے ساتھ جذبۂ محبت بیدار ہوتا ہے۔ آپ کے مصادر بہت کافی اور خوب ہیں۔"

حضرت مولانا زاہد الراشدی حفظہ اللہ

(جنرل سیکرٹری پاکستان شریعت کونسل، گوجرانوالا)

"اہل بیتؓ سے مودت ہمارا ایمان ہے بلکہ ہماری شان ہے۔ حافظ ظفر اللہ شفیق ہمارے فاضل دوست ہیں اور اس حوالہ سے بہت حساس مزاج رکھتے ہیں۔ افراط وتفریط کے ماحول میں انہوں نے قرآن، حدیث، تاریخ اور دانش کی روشنی میں اہل بیتؓ کا مقام بیان کرتے ہوئے اہل حق کا موقف اور اپنے جذبات کا نہایت خوبی ساتھ اظہار کیا ہے۔"

حضرت مولانا محمد انور اوکاڑوی حفظہ اللہ (جامعہ خیر المدارس، ملتان)

"زیر نظر کتاب میں دور حاضر کے ناصبیوں کے تمام وسوسوں کا حل صرف قرآن وحدیث سے نہیں بلکہ تاریخ کی معتمد علیہ روایات سے پیش کیا گیا ہے اور پھر عقل ودانش سے اور قرآن مجید کے علاوہ کتب سماویہ سے بھی اکابر کے مسلک کے حق ہونے اور نواصب کے شبہات کے باطل ہونے کو اجاگر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب زہر ناصبیت کے لیے تریاق ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ اس کتاب کے مطالعہ سے نہ صرف خود مطمئن ہوں گے بلکہ باطل کا مقابلہ کر سکیں گے۔"

حضرت مولانا محمد اسحاق سلفی حفظہ اللہ (فیصل آباد)

"واللہ میں دل سے آپ کے لیے دعا کرتا ہوں، شکر ہے اہل حق میں سے کوئی تو امام مظلومؓ کی نصرت کے لیے اٹھا۔ ہمارے اسلاف ہمیشہ یزید کو پلید کے لقب سے یاد کرتے تھے، ہائے کم بختی کہ ہمارے اخلاف جادۂ حق سے بھٹک گئے، نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول، علیہم الصلوۃ والسلام، کا دامن چھوڑ کر ظالموں کے ساتھ مل گئے، انہیں دنیا کی رسوائی کا ڈر ہے نہ آخرت کی رو سیاہی کا، صم بکم عمی فھم لا یعقلون۔"

ڈاکٹر مفتی ضیاء الحبیب کاظمی صابری حفظہ اللہ

(اتفاق ٹاؤن، ملتان روڈ، لاہور)

"اس عاجز مسکین کی دل کی گہرائی سے آرزو ہے کہ میری ذریت کا ہر فرد، عورت ہو یا مرد، اس کتاب کا گہرا مطالعہ کرے بلکہ مطالعہ کرتا رہے۔" (مزید کچھ آراء کتاب کے آخر میں)

حرفِ دل

کامیاب وہ ہے، جو سیدھی راہ پالے۔
لیکن سیدھی راہ کون سی ہے؟
ہر شخص اپنی اپنی سوچ کے مطابق اس کا معیار تراشتا ہے۔
ایک معیار ہمیں قرآن مجید نے عطا فرمایا ہے، اور یہی حق ہے، کہ صراط مستقیم نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور نیکوں کی راہ ہے۔
یہ صراط مستقیم دکھلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے ساتھ اپنا رسول بھیجا، رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت سے صراط مستقیم واضح کر دی۔
لیکن رسول اللہ ﷺ کو بالآخر اس دنیا سے تشریف لے جانا تھا اور انسانی حیات کے مسائل یقیناً آپؐ کے بعد بھی رونما ہونے تھے۔
ان نئی پیچیدگیوں اور تازہ فتنوں میں صراط مستقیم کیا ہوگی؟
رسول اللہ ﷺ نے، قرآن ہی کی روشنی میں، دو طبقوں کی نشاندہی فرمائی:

اہل بیت عظام
اور
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کہ فتنوں کے دور میں یہ حضرات جس راہ پر چلیں گے، وہی صراط مستقیم ہوگی۔
اہل بیتؓ کے بارے میں فرمایا:
''میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں:

کتاب اللہ
اور
اپنی عترت، اپنے اہل بیت

یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے"۔

نیز فرمایا:

"تمہارے اندر میرے اہل بیت سفینۂ نوحؑ کی مانند ہیں، جو اس سفینے میں سوار ہو گیا، بچ گیا اور جو پیچھے رہا، ہلاک ہوا"۔

اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی بھی اقتدا کرو گے، راہ پا جاؤ گے"۔

نیز فرمایا:

"تم پر لازم ہے کہ میری سنت کی پیروی کرو اور میرے خلفاء کی سنت کی، جو سراپا رُشد و ہدایت ہیں"۔

اس لیے اہل بیت اور صحابہ رضی اللہ عنہم دونوں سے محبت اور دونوں کا احترام ہی صراط مستقیم اور راہ نجات ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے ہاں، دوسرے بہت سے مسائل کی طرح، اس بارے میں بھی لوگ افراط و تفریط کا شکار ہو گئے، کچھ لوگوں نے اہل بیتؓ پر سبّ و شتم کیا تو کچھ لوگوں نے اُن کے جواب میں صحابہ کرامؓ پر تبرا بھیجا.......... حالانکہ خود اہل بیتؓ اور صحابہؓ کا باہم سلوک رحمت و مودّت اور تعظیم و تکریم کا تھا، توہین و تنقیص کا نہ تھا......

ثانی الذکر طبقے کا حال تو مشہور و معروف ہے،

اوّل الذکر فتنے کی سنگینی کا مجھے چند برس پیشتر احساس ہوا، میں لاہور میں ایک اجتماع میں خطاب کے لیے مدعو تھا، میرے بعد جو صاحب آئے، انہوں نے بڑی ادا سے سیدنا صدیق اکبرؓ اور (نام لیے بغیر) سیدنا علیؓ کے قبول اسلام کا واقعہ بیان کیا اور موازنہ کرتے ہوئے سیدنا علیؓ کے قبول اسلام کا مضحکہ اڑایا۔ مجھے تعجب ہوا

جب اِس پر عظمتِ صدیقؓ کے نعرے بلند ہوئے۔

میں نے اُن کے بعد آنے والے ایک نامور خطیب کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ اپنے خطاب میں اس کی تردید کریں، لیکن انہیں علم ہی نہ تھا کہ کیا سانحہ ہوگیا ہے!

میں نے اُسی مجلس میں عہد کیا کہ اہل بیتؓ کی شخصیات اور خدمات کی مقدور بھر اشاعت کروں گا اور رسول اللہ ﷺ کی رضا حاصل کروں گا۔

اس حوالے سے مطالعہ شروع کیا تو اہل بیتؓ سے بغض وعداوت رکھنے والوں کا نام تاریخ میں کہیں ناصبی، کہیں خارجی اور کہیں یزیدی پایا۔ اپنے ماحول کا جائزہ لیا تو حیرت ہوئی کہ عوام لاعلمی میں انہیں اہل حق سمجھتے ہیں، شاید کسی ایک طبقے کی تردید میں!

مطالعہ میں کچھ اور وسعت پیدا ہوئی تو معتبر اور نامور شخصیتوں کی تحریروں اور تقریروں میں ناصبی جراثیم پائے، حسن ظن ہے کہ یہ لاشعوری طور پر در آئے۔ چند اقتباسات سپردِ قلم ہیں، جن سے اس فتنے کی سنگینی اور گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔

واقعۂ مباہلہ تاریخ اسلام میں جہاں حق وصداقت کی برہان ہے وہاں اہل بیتؓ کی عظمت وفضیلت کا بھی نشان ہے، بس یہی چیز ایک صاحب کو گوارا نہ ہوئی، چنانچہ لکھتے ہیں:

"اور یہ واقعۂ مباہلہ تو کوئی ایسا بڑا واقعہ بھی نہیں"

جس واقعہ کا قرآن اہتمام سے ذکر فرمائے، اس کے اہم ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے، لیکن لکھتے ہیں:

"اب بتایئے اس واقعہ میں غیر معمولی اہمیت کیا ہے؟"

پھر کوشش کی ہے کہ یہ شرف اور فضیلت اہل بیتؓ کے لیے خاص نہ رہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"رسول خدا ﷺ اس مباہلہ کے لیے بالکل تیار ہو گئے تھے، یہاں تک کہ قبل از وقت آپؐ نے حضرات حسنینؓ اور جناب سیدہ فاطمہ زہراؓ کو مباہلہ میں

شریک کرنے کے لیے بلا لیا تھا، بلکہ بعض روایات میں ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ بھی اپنی اولاد کو لے کر آ گئے تھے...... چنانچہ روح المعانی کی روایت میں ہے کہ "آپؐ نے ابوبکرؓ کو اُن کی اولاد کے ساتھ، عمرؓ کو اُن کی اولاد کے ساتھ، عثمانؓ کو اُن کی اولاد کے ساتھ اور علیؓ کو اُن کی اولاد کے ساتھ بلا لیا تھا"۔

میں نے روح المعانی کھولی تو بھونچکا رہ گیا، جب یہ پڑھا:

"وهذا خلاف ماروه الجمهور" (۱۹۰/۳)

اور جس روایت میں صرف علیؓ و فاطمہؓ اور حسنینؓ کو ساتھ لے کر مقابلے میں آنے کا ذکر ہے، اُس کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"یہ روایت محدثین کے ہاں قابل اعتماد ہے" (۱۹۰/۳)

اب اسے کیا کہیے کہ جمہور کے خلاف روایت تو ذکر کی لیکن اس پر علامہ محمود آلوسیؒ کا تبصرہ نقل نہیں کیا اور محدثین کے یہاں قابل اعتماد روایت کو معمولی اور غیر اہم بنا کر پیش کیا۔

مزید کوشش کرتے ہیں کہ اہل بیتؓ کی فضیلت کا دائرہ تنگ ہو جائے، لکھتے ہیں:

"حضرت فاطمہؓ اور حسنینؓ کا بلانا تو بلا اختلاف صحیح روایات میں مذکور ہے مگر حضرت علی مرتضیٰؓ کا بلانا اکثر صحیح روایات میں نہیں ہے"۔

اس کے بعد جو روایات ذکر کیں، اُن میں راوی کا اُموی تعصب واضح طور پر جھلک رہا ہے، لیکن انہیں صحیح روایات کے رنگ میں پیش کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے بارے میں فرمایا:

"یہ دونوں میرے بیٹے ہیں، میری بیٹی کے بیٹے ہیں"۔ (ترمذی)

آیت مباہلہ نازل ہوئی تو آپؐ نے "ابناء نا" کی تعمیل میں حسنینؓ ہی کو ساتھ لیا، لیکن لکھا جا رہا ہے:

"ابناء نا سے حضرات حسنینؓ مراد لینا لغت عرب اور محاورۂ قرآنی

کے خلاف ہے۔''

آیۂ تطھیر نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی تفسیر میں علیؓ و فاطمہؓ اور حسنینؓ کریمین کو اہل بیت میں داخل قرار دیا، لیکن لکھتے ہیں:

''اہل بیت زبان عرب میں زوجہ کو کہتے ہیں، اور آیۂ تطھیر میں لفظ اہل بیت سے ازواج نبی ﷺ مراد الٰہی ہیں، ان کے سوا نہ کوئی مراد ہے نہ ہوسکتا ہے''!

لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

ایک صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت علیؓ داخلِ اہل عبا نہیں ہیں اور علوی کو سید نہیں کہہ سکتے......''

امام حسینؓ ۸ ذی الحجہ کو، جب لوگ حج کے لیے منیٰ روانہ ہو رہے تھے، مکہ سے کوفہ کی جانب روانہ ہوئے، ایک صاحب اس سفر کی حقیقت کو سمجھ نہ سکے اور دلخراش انداز میں لکھا: ''ان سے تو فلاں حکمران کا رویہ بہتر تھا، جو مشکل گھڑی میں مکہ چلا جاتا تھا''۔

ایک اور صاحب لکھتے ہیں:

''میرے خیال میں فضائلِ اہل بیتؓ کی عوام کو قطعاً ضرورت نہیں''

''ائمہ اہل بیتؓ کے تذکرے کو میں مفاسد کثیرہ، قبیحہ، بدیہہ کی وجہ سے ناجائز سمجھتا ہوں''۔

حالانکہ یہ فضائل قرآن وحدیث میں مذکور ہیں۔

حدیث ثقلین میں اہل بیتؓ کی عظیم منقبت ہے، لیکن عصر حاضر کے ایک علامہ حدیثِ مذکور کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''انی تارک فیکم الثقلین میں چونکہ آپؐ نے صحابہ کرامؓ 'کو' وصیت فرمائی ہے، اس لیے وصیِ رسول صحابہ ہیں نہ کہ اہل بیت''!

''یہ حدیث پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ حضور ﷺ کے نزدیک جانشینی رسول

کا مقام صرف صحابہ کرام کے لیے تھا''۔

''یہ پیرایۂ بیان بتلا رہا ہے کہ جانشین رسول صحابہ ہی میں سے ہونا تھا، اہل بیت میں سے نہیں۔''

''رہی وصیت، تو وہ یہ تھی کہ قرآن کریم اور اہل بیت تمہارے لیے ماخذ علم ہیں۔ قرآن کریم کا ماخذ علم ہونا ظاہر ہے، اہل بیت کو دوسرے درجے میں رکھا گیا، معلوم ہوا کہ یہ بھی ماخذ علم ہیں نہ کہ ایوان اقتدار''!

دیکھیے کتنی چابکدستی سے حضرت علیؓ کی خلافت کو وصیت نبوی کے خلاف قرار دے کر انہیں خلافت کے لیے نااہل ثابت کیا گیا ہے۔

چنانچہ اسی حوالے سے مزید لکھتے ہیں:

''حضرت عمرؓ نے جو خلافت کمیٹی بنائی، اُس میں سعیدؓ بن زید کو عشرۂ مبشرہ میں داخل ہونے کے باوجود شامل نہیں فرمایا، اس لیے کہ یہ حضرت عمرؓ کے چچازاد بھائی تھے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچازاد بھائی کو خلیفہ نہیں بنایا، تو آپؓ کے پیش نظر سنت نبوی کی پیروی تھی''۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

ایک اور صاحب حضرت علیؓ کی سیرت اور فضیلت بیان کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں:

''اگرچہ آپؓ اپنی ذاتی حیثیت میں خلیفۂ راشد تھے، لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ آپؓ کے عہد خلافت میں باہم اختلاف رہا، امت آپؓ کی خلافت پر مجتمع نہ ہو سکی۔''

ایک اور صاحب بھی یہی بات لکھتے ہیں:

''چوتھے خلیفہ بلاشک خلیفۂ راشد تھے، لیکن وہ امت کی قیادت بلااختلاف نہ کر سکے''۔

یعنی پوری کوشش ہے کہ کسی طرح حضرت علیؓ اور اہل بیتؓ کی شخصیات کو گہنایا

جائے اور انہیں اُن کے مقام سے گرایا جائے۔

یہ تو تحریریں ہیں، تقریروں کا حال اس سے بھی بدتر دیکھا، تقریروں میں پہلے تینوں خلفاء راشدینؓ کا ذکر بڑے احترام اور بہت جوش سے، پھر حضرت علیؓ کا ذکر محض برائے وزنِ بیت، اور وہ بھی جھگڑوں کا حوالہ، فوراً بعد حضرت معاویہؓ کی خلافت کا تذکرہ اِس زوردار انداز سے کہ خلافتِ راشدہ کا دور بھی اس کے سامنے ماندنظر آئے۔

ایک مرتبہ تو غضب ہی ہو گیا، ایک مذہبی انجمن کے رفاہی منصوبے کی تقریب اساسی تھی، بڑے بڑے علماء سٹیج پر موجود تھے، ایک عالم، جو پیر طریقت بھی ہیں، آخری خطاب کے لیے تشریف لائے اور موجودہ سیاسی حالات کے پس منظر میں ظالم کے خلاف جدوجہد کے حوالے سے اپنے خطاب کا اختتام اس لطیفے پر کیا:

ایک شاہ جی کے بیٹے نے کسی غریب کے بیٹے کو بری طرح مارا، بیٹے نے باپ کو شکایت کی، اس نے صبر کی تلقین کی، اُس نے دوسرے دن، تیسرے دن پھر مارا، لیکن وہ غریب صبر کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔

کچھ عرصے کے بعد شاہ جی زیارات کے لئے روانہ ہونے لگے تو محلے کے دوسرے لوگوں کے ساتھ اس غریب سے بھی ملنے آئے، اخلاقاً پوچھا: تمہارے لیے کیا تحفہ لاؤں؟

اُس غریب نے کہا: یزید کا کوئی بیٹا مل جائے تو لے آیئے، باقی کام میں خود کرلوں گا!

مجھے حیرانی ہوئی کہ سب علماء اس 'لطیفے' سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور داد دے رہے تھے، کسی نے نہ سوچا کہ اس لطیفے میں امام حسینؓ کی کیا توہین کی گئی ہے؟ کس طرح ظالم کو مظلوم اور مظلوم کو ظالم بنا کر پیش کیا گیا ہے؟

غضب یہ کہ تقریب کے اختتام پر اس لطیفے کی ریکارڈنگ دوبارہ، سہ بارہ سنوائی گئی۔

اس پر میں نے اُن صاحب سے عرض کیا: آپ نے لطیفے کے رنگ میں ناصبی اور یزیدی جراثیم پھیلائے، نہایت افسوس!

اور اِن علماء پر بھی افسوس جو خاموشی سے بیٹھے سنتے رہے!

فرض کیجئے آج یہود کے ظلم وستم سے مسلمان پریشان ہیں، کوئی ستم رسیدہ یہ کہے: فرعون کا کوئی بیٹا تلاش کرو، جو اِن کا دماغ درست کرے۔ یقیناً آپ اُس کے خلاف توہین انبیاء علیہم السلام کا فتویٰ صادر کریں گے۔

کسی شخص کو کسی کے پیر و مرشد کے خاندان کے کسی فرد سے تکلیف پہنچے اور وہ یہ کہے: اُس انگریز کا کوئی بیٹا تلاش کرو جس نے آپ کے پیر کو برف کی سلوں پر لٹایا تھا، اُس پولیس افسر کا بیٹا ڈھونڈ کر لاؤ جس نے مرشد پر تشدد کیا تھا۔

مجھے یقین ہے یہ بات سن کر پورے حلقۂ صوفیاً میں کھلبلی مچ جائے گی اور اُسے توہینِ اولیاً کا مرتکب قرار دیا جائے گا۔

لیکن امام الاولیاً امام حسینؓ کی آپ توہین کرتے ہیں، سنتے ہیں، امام حسینؓ کی عظیم قربانی کو آپ لطیفوں میں اڑاتے ہیں، لیکن کوئی تڑپ، کوئی کسک دکھائی نہیں دیتی، کسی جبین پر شکن نہیں پڑتی...... وجہ یہ ہے کہ ہماری جماعت میں یزیدی جراثیم بہت گہرے سرایت کیے ہوئے ہیں، صحابہ کرامؓ کی توہین کے بارے میں تو ہم بہت حساس ہیں، لیکن اہل بیتؓ کی توہین کی ہمیں خبر تک نہیں ہوتی۔

☆ اہل بیتؓ کی خدمت اور نصرت کا آغاز امام حسینؓ کی شخصیت اور واقعۂ کربلا کے تذکرے سے کر رہا ہوں کہ حال ہی میں اس بارے میں کچھ کتابیں شائع ہوئیں، جن سے بہت گمراہی پھیلی۔

ابتدا میں میرا ارادہ واقعہ کربلا کے حوالے سے اکابر علما اور اہل دانش کے بہترین مقالات اور خیالات جمع کرنے کا تھا، چنانچہ جمع کر لیے گئے، کمپوزنگ بھی ہوگئی، خیال آیا کہ دس پندرہ صفحات کا ایک مقالہ خود بھی لکھوں کہ انصار میں شمار ہو جاؤں۔

لکھنا شروع کیا تو امام حسینؓ اور کربلا کی نئی نئی جہات روشن ہوتی گئیں، حقائق بولنے لگے، وثائق دمکنے لگے، شبہات کے جوابات آنے لگے اور یوں یہ سلسلہ دراز ہوتا گیا، اب ضخامت اتنی ہو چکی تھی کہ اسے ایک جلد بنانا دشوار تھا، مشورہ ہوا کہ یہ تمام مواد دو مستقل ناموں سے شائع ہو، چنانچہ مجموعۂ مقالات انشاء اللہ ''معارف کربلا'' کے نام سے شائع ہوگا۔

☆ زیرِ نظر کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے:

(۱) واقعۂ کربلا

(۲) اسرارِ کربلا

(۳) تاریخِ کربلا

ان ابواب کے بارے میں کچھ باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) مقتل الحسینؓ کے عنوان سے قدیم و جدید بہت سی کتابیں موجود ہیں، جن میں راویوں نے اس واقعۂ ہائلہ کو ایسے انداز میں بیان کیا ہے اور ایسی ایسی باتیں اس میں شامل کر دی ہیں، جن سے اس عظیم الشان قربانی کا اصل مقصود دب گیا اور غیر مقصود میں لوگ الجھ گئے۔

حال ہی میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے ''تحریفات واقعۂ کربلا''، یہ دراصل مشہور ایرانی عالم استاد شہید مرتضٰی مطہری کی چند مجالس ہیں، جو ''ادارہ احیاء تراث اسلامی، کراچی'' نے غضنفر حسین بخاری کے اردو ترجمے میں شائع کی ہیں،

اس میں استاد مرتضٰی فرماتے ہیں:

''آج اگر کوئی مصائب امام مظلومؓ بیان کرنا چاہے تو اُسے چاہیے کہ اُن جدید مصائب کا ذکر کرے اور اُس ظلم پر آنسو بہائے جو غلط اور جھوٹی روایات آپ سے منسوب کر کے خود آپ کے منبر سے آپ پر ہو رہا ہے، کیونکہ یہ کربلا میں آپ پر ہونے والے یزیدی مظالم سے کہیں بڑا ہے''۔(ص:۲۵)

''حادثۂ کربلا میں جو کچھ بھی تحریف ہوئی ہے، بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دوستوں ہی کے ہاتھوں ہوئی ہے۔'' (ص:۳۸)

''عاشوراً کے تاریخی حادثے میں، جس کے قوی محرکات بھی ہیں اور بلند اہداف بھی، ہم مسلمانوں نے، شیعانِ حسینؓ ابن علیؓ نے جی بھر کر تحریفیں کی ہیں''۔ (ص:۷۶)

''ہمارے اس طرز فکر اور انداز استدلال نے واقعۂ کربلا کی افادیت کھودی'' (ص:۸۶)

اس المناک صورت حال کی وجہ سے اس کتاب میں واقعۂ کربلا کے لیے **عمار الدهنی** کی روایت سے امام باقرؒ کا بیان شامل کیا جا رہا ہے:

- ایک تو اس لیے کہ یہ روایت مختصر ہے اور ہمارے پیش نظر اس کتاب میں واقعۂ کربلا کی تفصیلات نہیں، بلکہ معارف و اسرار کا اظہار اور شبہات کا ازالہ ہے۔
- دوسرے اس لیے کہ یہ روایت مستند بھی ہے۔ بیان **امام ابو جعفر محمد الباقرؒ** کا، جن کے گھر یہ سانحہ رونما ہوا، اور ان سے روایت کر رہے ہیں **ابو معاویہ عمار بن معاویہ الدهنی البجلی الکوفی**، طبقہ خامسہ کے محدث ہیں، اور بخاری کے علاوہ صحاح خمسہ کے راویوں میں سے ہیں۔ (تقریب التهذیب:۱۵۲)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں: "**صدوق یتشیع**" یعنی بہت سچا راوی تھا اور شیعی تھا۔ (تقریب:۱۵۲)

آپ کے تشیع کا اعتدال اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن معاویہ بھی ہیں اور ابو معاویہ بھی! اس لیے آپ کی روایت معتمد ہونے کے ساتھ قابل وقعت بھی ہے۔

عمار الدهنی کی یہ روایت ابن جریر طبریؒ نے اپنی تاریخ میں بیان کی ہے، اور انداز یہ ہے کہ روایت کے اجزا مختلف صفحات میں بکھرے ہوئے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے **الاصابة فی تمییز الصحابة** میں ان اجزا کو جمع کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے:

ترجمہ: "متقدمین کی ایک جماعت نے مقتل حسینؓ کے بارے میں کئی کتابیں لکھی ہیں، جن میں رطب ویابس بھرا ہوا ہے، لیکن یہ روایت جو میں نے بیان کی ہے، ان تصانیف سے بے نیاز کر دیتی ہے"۔ (الاصابہ:۲/۱۷)

ہم نے روایت اصل ماخذ تاریخ طبری سے لی ہے اور ترجمہ، ایک خاص مصلحت سے، پروفیسر سید ابوبکر غزنویؒ، سابق وائس چانسلر، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، کا لیا ہے، ترجمے کو اصل ماخذ کی روشنی میں دقت نظر سے پڑھا، کہیں کہیں ترمیم وتصحیح کی ضرورت محسوس ہوئی، کچھ عنوانات بڑھائے اور چند وضاحتی قوسین لکھے۔

(۲) اسرارِ کربلا کچھ مختصر اور کچھ مفصل مقالات کا مجموعہ ہے، ان مقالات میں اہل بیتؓ کا مقام، واقعۂ کربلا کے اسرار ومقاصد اجاگر کیے گئے ہیں اور اعتراضات کے جوابات دیے ہیں۔

ان مقالات کے لیے میں نے اصل مآخذ کو کھنگالا، واقعات کے اسباب وعلل پر طویل غور وفکر کیا اور نتائج تک پہنچا، بہت دفعہ ایسا بھی ہوا کہ میں ایک رائے قائم کر لیتا، بعد میں مجھے سید محمود آلوسیؒ، ملا علی قاریؒ، ابن حجر عسقلانیؒ، جلال الدین سیوطیؒ جیسے جلیل القدر علماء سے اس کی تائید ملتی تو مجھے انتہائی قلبی مسرت ہوتی کہ میں ٹھیک راہ پر چل رہا ہوں اور میں سراپا تشکر بن کر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جاتا ان تائیدات کو میں مودّتِ اہل بیتؓ کا فیض سمجھتا ہوں!

ان مقالات میں میں نے جن لوگوں کی فکری غلطی کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے، اُن کی کتابوں کے حوالوں سے قصداً گریز کیا ہے...... اگرچہ میرے پاس ان حوالوں کا تمام ریکارڈ محفوظ ہے...... اس لیے کہ میرا مقصد مناظرہ ومجادلہ نہیں، اصلاح اور نصیحت ہے۔ نام لینے سے کچھ لوگ شخصیت میں الجھ جاتے ہیں، چنانچہ بات بے اثر اور سعی بے ثمر رہ جاتی ہے۔ اس لیے میں نے صرف شبہات کا ذکر کیا ہے، شخص اور

کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔

(۳) تاریخ کربلا میں کربلا کی جغرافیائی اور عمرانی تاریخ بیان کی گئی ہے، کربلا کی وجوہِ تسمیہ ذکر کی گئی ہیں اور تغیراتِ زمانہ کا تذکرہ ہے۔

☆ واقعۂ کربلا کو سمجھنے میں جن لوگوں نے ٹھوکر کھائی اور شبہات کی دلدل میں دھنسے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہوئی کہ ان لوگوں نے امام حسینؓ اور ان کے موقف اور واقعۂ کربلا کو، قرآن وحدیث چھوڑ کر، صرف تاریخ کی نگاہ سے پڑھا۔

اگر قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی روشنی میں اہل بیتؓ کا مقام ذہن میں رکھ کر اس واقعہ کا مطالعہ کیا جائے تو کوئی الجھن پیدا نہیں ہوتی۔

☆ کسی بھی کتاب کا مقصد اُس کے مجموعی تاثر سے واضح ہوتا ہے، جس کتاب کے مطالعہ سے امام حسینؓ اور اہل بیتؓ کے بارے میں ذہن میں شکوک کلبلانے لگیں، دل شبہات کی آماجگاہ بن جائے اور اہل بیتؓ کا مقام ہلکا نظر آئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب امام حسینؓ کو دوبارہ قتل کرنے کے لیے لکھی گئی ہے، خواہ اس میں احترام کے کتنے ہی الفاظ استعمال کیے گئے ہوں۔

اس موضوع پر لکھی گئی اکثر کتابوں کا معاملہ یہی ہے۔ کسی مصنف کا دل بغض وعناد سے لبریز ہوتا ہے، کوئی ماڈرن اور روشن خیال کہلوانے کے جنون میں مبتلا ہوتا ہے، عوامی ردعمل کی وجہ سے کھل کر اس کا اظہار تو کر نہیں سکتے، اس لیے حروف شرط وتعوذ کے پردے میں کردارکشی کرتے ہیں۔

ایسے مصنفین اور ایسی کتابوں کے ناشرین قیامت کے دن قاتلینِ امام حسینؓ میں شمار ہوں گے اور رسول اللہ ﷺ کے مدّعا علیہ ہوں گے۔

☆ زیرِنظر موضوع پر میں نے بہت سال پہلے کام شروع کیا تھا، لیکن کیا کیجیے ملازمت اور تحقیق وتخلیق کے مزاج میں ہم آہنگی نہیں ہے، اس کے ساتھ رہین ستم

ہائے روزگار بھی رہا، اس لیے تاخیر ہوئی اور بہت ہوئی۔ لیکن جو لکھا، یقین سے لکھا، شرح صدر سے لکھا، اس اطمینان کے مقابلے میں تاخیر کا مجھے کوئی افسوس نہیں......
تاخیر کے حوالے سے احباب کی محبت بھری باتیں بھی سنتا رہا اور انہیں دعا دیتا رہا کہ ان باتوں سے مجھے اپنی منزل یاد رہی۔

☆ میں نے یہ تمام کاوش ایک امید میں اور ایک مقصد کے لیے کی ہے۔

امید تو یہ کہ اس خدمت کے صدقے میں میرا خاتمہ ایمان پر ہو اور مجھے اللہ کی رحمت یہ بھی امید ہے کہ جو بھی حسن نیت سے یہ کتاب پڑھے، سنے گا، اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔

حدیث شریف ہے کہ "اس دنیا میں جس سے محبت ہوگی، آخرت میں انسان اُسی کے ساتھ ہوگا۔"

اور مقصد یہ کہ قبول حق کا جوہر اگر ابھی فنا نہیں ہوا، دل کی زمین ابھی نرم ہے تو یہ داستانِ حق شاید بھٹکے ہوؤں کو صراط مستقیم پر لے آئے اور جو صراط مستقیم پر چل رہے ہیں، وہ شرح صدر کے ساتھ چلتے رہیں۔

☆ میری زندگی کی کتنی راتیں کربلا کو سمجھنے میں بسر ہوئیں
کتنی صبحیں اسی پر غور و فکر کرتے گذریں
کتنی شامیں نورِ مودّت سے روشن ہوئیں
کچھ معلوم نہیں
محبت کے شب و روز کا حساب کون رکھ سکتا ہے!
اور رکھنا بھی نہیں چاہیے کہ یہی حاصل زندگی ہیں!
اس دوران میں خود میں کتنے ہی مصائب سے گذرا
اپنوں کے ہاتھوں کتنی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا
ایسے دل شکن حالات میں جانتے ہو

کس نے میری دلداری کی؟
کس نے میری ڈھارس بندھائی؟
کربلا نے!
میں جتنا سوچتا گیا، کربلا کا افق وسیع ہوتا گیا
کوئی سا انفرادی یا اجتماعی مسئلہ درپیش ہوا، کربلا سے رہنمائی ملی
حقیقت یہ ہے کہ میدانِ کربلا اب صرف ایک میدان نہیں ہے
درسگاہ حیات ہے
واقعۂ کربلا ایک واقعہ نہیں، انقلاب ہے
اور حسینؓ امام انقلاب ہیں۔

☆ اس اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں کہ یہ کتاب تقریباً حالت اعتکاف میں لکھی گئی اور اُس ڈیسک پر لکھی گئی، جس پر چالیس سال قرآن مجید کی تلاوت ہوتی رہی۔ یہ توفیق بھی اہل قرآنؓ سے مودّت کا عطیہ ہے!

☆ یہاں ایک خبر کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے:

''عاشوراء پر کربلا اور بغداد میں بم دھماکوں میں اسرائیلی انٹیلی جنس موساد کا ہاتھ ہے، مقصد شیعہ، سنی فسادات بھڑکانا اور عراق کی سیاسی واقتصادی طاقت کا خاتمہ ہے..... فرقہ وارانہ فسادات اسرائیل اور امریکہ منصوبے کا حصہ ہیں، جن سے امریکہ اور اسرائیل اپنے مفادات حاصل کرنا چاہتے ہیں''۔

(نوائے وقت، لاہور، ۸ مارچ ۲۰۰۴ء، سوموار، عرب اخبارات کے حوالے سے)

اِس وقت پاکستان میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ بھی اسی منصوبے کا حصہ ہے۔ سورۃ آل عمران سے واضح ہوتا ہے کہ یہود کی یہ سازشیں حضور اکرم ﷺ کے دور ہی میں شروع ہو گئی تھیں، اور آج تک جاری ہیں، اور اِس فساد کا فائدہ سنی کو ہو رہا ہے نہ شیعہ کو، صرف لادینی عناصر اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

کاش اہل بیتؓ اور صحابہ کرامؓ کے نام لیوا اس حقیقت کو سمجھ جائیں اور اس مبارک ہستیوں کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں الفت ومحبت کا نور پھیلائیں!

☆ اُن تمام بزرگوں اور دوستوں کا صمیمِ قلب سے شکریہ، جن کی دعائیں میری حوصلہ افزائی کرتی رہیں اور جن کے مشورے مجھے آسانی اور آسودگی بخشتے رہے۔

بالخصوص حضرت مولانا ظفر احمد قادری اور مولانا حافظ عبدالرشید ارشد کے لیے سپاس گزار ہوں کہ انہوں نے تحریراً اِس خدمت کی تقریظ وتحسین فرمائی۔

اور اپنی بیٹیوں عافیہ اور عائشہ کے لیے دعاے مودّت کہ وہ مجھے اِس کام کی تکمیل کے لیے اُکساتی رہیں۔

حافظ ظفر اللہ شفیق
شعبۂ اسلامیات، ایچی سن کالج، لاہور
خطیب مسجد خالد، کیولری گراؤنڈ، لاہور
مدیر ادارہ صراط مستقیم
رکن رابطہ ادب اسلامی عالمی، پاکستان

۸ر رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ
۲۳ر اکتوبر ۲۰۰۴ء، ہفتہ

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ
خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ

واقعہ کربلا

ایک قیامتِ صغریٰ

اِس واقعہ نے کتنوں کو پست اور کتنوں کو سربلند کیا!

بیان

امام ابو جعفر محمد الباقر بن امام علی زین العابدین
بن امام حسین سلام اللہ ورضوانہ علیہم

روایت

عمّار الدهنی

محمد بن جریر طبریؒ کہتے ہیں کہ مجھے زکریا بن یحییٰ الضریر نے بیان کیا،
انہوں نے کہا: ہمیں احمد بن جناب المَصِیصی نے بیان کیا،
انہوں نے کہا: ہمیں خالد بن یزید بن اسد بن عبداللہ القسری نے بیان کیا،
انہوں نے کہا: ہمیں عمار الدہنی نے بیان کیا کہ میں نے (امام حسینؓ کے پوتے) ابو جعفرؒ (محمد الباقرؒ) کی خدمت میں عرض کی کہ آپ شہادتِ حسینؓ کا نقشہ میرے سامنے اس طرح کھینچیے گویا میں خود وہاں موجود تھا!

امام حسینؓ سے بیعت کا مطالبہ ہوتا ہے اور آپؓ مکہ کی جانب ہجرت کرتے ہیں

ابو جعفرؒ نے فرمایا:
''معاویہؓ فوت ہو گئے، مدینہ کا والی اُس وقت ولید بن عتبہ بن ابو سفیانؓ (امیر معاویہؓ کا بھتیجا اور یزید کا چچا زاد بھائی) تھا، اس نے حسینؓ بن علیؓ کی طرف بیعت لینے کی غرض سے قاصد بھیجا،
آپؓ نے فرمایا: ''مجھے سوچنے کی مہلت دو اور جلدی نہ کرو''
ولید نے ان کو مہلت دے دی، اسی اثنا میں آپؓ مکہ تشریف لے آئے،

اہل کوفہ پیام بھیجتے ہیں

کوفہ والے ان کے پاس آئے اور بعض نے قاصدوں کے ہاتھ پیغامات بھیجے کہ ''ہم نے آپ کی خاطر اپنے آپ کو بیعت سے روک رکھا ہے، ہم یزید کے والی

کے پیچھے جمعہ نہیں پڑھتے ہیں، آپ ہمارے پاس تشریف لے آیئے"۔

کوفہ کے والی اُس وقت نعمانؓ بن بشیر انصاری تھے۔

مسلمؒ کوفہ روانہ ہوتے ہیں

حسینؓ نے اپنے چچازاد بھائی مسلمؒ بن عقیل بن ابی طالب سے فرمایا کہ: "تم کوفہ جاؤ اور حالات کا جائزہ لو، اگر ان کے بیانات سچے ہیں تو ہم کوفہ جائیں گے"

مسلمؒ روانہ ہوئے اور مدینہ پہنچے، وہاں سے دو راہبر ساتھ لیے جو انہیں ریگستانی علاقہ سے لے گئے، راستے میں انہیں پیاس لگی اور راہبروں میں سے ایک پیاس کی وجہ سے جان بحق ہو گیا، مسلمؒ نے حسینؓ کو خط لکھا کہ مجھے اس خدمت سے سبکدوش کر دیا جائے، مگر حسینؓ نے انہیں جواب دیا کہ آپ کوفہ جایئے۔

مسلمؒ کوفہ روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر اہل کوفہ میں سے ایک شخص کے ہاں قیام کیا جس کا نام (مسلم) ابن عوسجہ (اسدی) تھا۔

باشندگان کوفہ کی بیعت

باشندگان کوفہ کو جب ان کی آمد کی خبر ملی تو وہ ان کے پاس چوری چھپے آتے اور ان کے ہاتھ پر (امام حسینؓ کے لیے) بیعت کرتے حتیٰ کہ کوفہ کے بارہ ہزار باشندوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

نعمانؓ بن بشیر کی حق گوئی و معزولی

یزید کے ہوا خواہوں میں سے ایک شخص (عبید اللہ بن مسلم بن شعبہ الحضرمی۔تہذیب التہذیب: ۳۴۹/۲) نعمانؓ بن بشیر کے پاس گیا اور کہا: یا تو تُو سچ مچ کمزور ہے یا بن رہا ہے، ملک میں فساد پھیلا ہوا ہے"!

نعمانؓ نے اس سے کہا: اُس قوت سے جس میں خدا سے سرکشی ہو، مجھے وہ کمزوری عزیز تر ہے جو مجھے خدا کے حلقۂ اطاعت سے باہر نہیں کرتی اور میں ایسا نہیں

کہ جس کا اللہ نے پردہ رکھا ہے میں اس کا راز افشا کروں"۔

اس شخص نے نعمانؓ کی یہ بات یزید کو لکھ بھیجی۔ یزید نے اپنے آزاد کردہ (مسیحی) غلام سرجون کو بلایا، جس سے وہ مشورہ لیا کرتا تھا، اسے حالات سے آگاہ کیا۔

سرجون نے کہا: اگر معاویہؓ زندہ ہوتے تو کیا آپ اُن کا مشورہ قبول کرتے؟

یزید نے کہا: ہاں!

اس نے کہا: تو میرا یہ مشورہ قبول کیجیے کہ کوفہ کا والی بھی ابن زیاد کو بنا دیجیے، کوفہ کے لیے ابن زیاد ہی موزوں ہے"۔

یزید ان دنوں ابن زیاد سے خفا تھا اور بصرہ کی گورنری سے بھی اسے معزول کرنے کا قصد کر رہا تھا...... (لیکن اِس مسیحی مشورے کے بعد) یزید نے ابن زیاد کو خط لکھا جس میں اُس سے خوشنودی کا اظہار کیا اور اسے لکھا کہ "ہم بصرہ کے ساتھ کوفہ کا بھی تجھے والی بناتے ہیں، مسلم بن عقیلؒ کو تلاش کرو، اگر وہ مل جائے تو اسے قتل کردو"

ابن زیاد کی کوفہ میں آمد

ابن زیاد بصرہ کے کچھ سرداروں کی معیت میں کوفہ آیا، اس نے ڈھاٹا باندھ رکھا تھا، وہ جس مجلس کے پاس سے بھی گزرتا، سلام کرتا تو لوگ اسے جواب میں کہتے: "علیک السلام یا ابن بنت رسول اللہ" اے دختر رسولؐ کے فرزند تجھ پر سلام ہو!......وہ سمجھ رہے تھے کہ حسین بن علیؓ تشریف لے آئے ہیں......حتیٰ کہ ابن زیاد قصر امارت میں پہنچ گیا۔

مسلم بن عقیلؒ کی تلاش

اس نے اپنے ایک آزاد کردہ غلام (معقل۔طبری: ۳۶۲/۵) کو تین ہزار درہم دیے اور اس سے کہا: جاؤ اور اس شخص کو دریافت کرو جس کے ہاتھ پر کوفہ والے بیعت کر رہے ہیں اور اس پر یہ ظاہر کرو کہ تم حمص کے باشندے ہو اور بیعت کی غرض سے

حاضر ہوئے ہو اور یہ رقم دے کر اس کی مالی حالت بھی مضبوط کرنا چاہتے ہو"۔

وہ غلام بڑی احتیاط سے کھوج میں لگا رہا حتیٰ کہ وہ کوفہ کے اُس بوڑھے آدمی (مسلم ابن عوسجہ، طبری: ۳۶۲/۵) کے پاس پہنچ گیا جو بیعت حسینؓ کے سلسلے میں کام کر رہے تھے۔ اُس نے شیخ سے بات کی تو انہوں نے کہا: تم سے مل کر مجھے خوشی بھی ہوئی ہے اور افسوس بھی، خوشی اس بات کی ہے کہ خدا نے تمہیں سیدھی راہ دکھائی ہے، مگر افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے کام کو ابھی تک استحکام میسر نہیں آیا۔ پھر شیخ اُسے مسلمؓ کے پاس لے گئے، مسلمؓ نے رقم اس سے قبول کر لی اور اسے بیعت بھی کر لیا۔ وہاں سے وہ ابن زیاد کے پاس واپس آیا اور سارا ماجرا سنایا۔ جب ابن زیاد اُس گھر تک پہنچا، جہاں مسلمؓ قیام فرماتے تھے، آپؓ ہانی بن عُروہ مرادی کے مکان میں منتقل ہو چکے تھے اور حسین بن علیؓ کو پیغام بھیج چکے تھے کہ کوفہ کے بارہ ہزار باشندے بیعت کر چکے ہیں، آپ تشریف لے آیئے۔

ھانیؒ بن عروہ کی گرفتاری

ابن زیاد نے سرداران کوفہ سے کہا: کیا بات ہے کہ اور لوگوں کے ساتھ ھانیؒ بن عروہ مجھے ملنے کے لیے نہیں آئے!

اس پر محمد بن اشعث اپنے قبیلے کے چند آدمیوں کے ہمراہ ھانی بن عروہ کے پاس گیا، وہ اُس وقت اپنے گھر کے دروازے پر کھڑے تھے۔ ان لوگوں نے کہا: امیر آپ کا ذکر کر رہے تھے اور ملاقات میں تاخیر کی شکایت کر رہے تھے، آپ کو ان کے پاس جانا چاہیے۔

ان لوگوں کے اصرار پر ھانی بن عروہ سوار ہو کر ابن زیاد کی طرف روانہ ہوئے، وہ سب لوگ بھی آپ کے ساتھ ساتھ چلتے رہے حتیٰ کہ آپ ابن زیاد کے پاس پہنچ گئے۔

قاضی شریح بھی اس وقت ابن زیاد کے پاس موجود تھا۔ ابن زیاد کی نظر جو ھانی پر پڑی تو اس نے شریح سے کہا: "اس احمق کو اس کی قضا ہمارے پاس کھینچ لائی ہے"

ھانی نے سلام کیا، ابن زیاد بولا: ھانی! مسلم کہاں ہے؟

انہوں نے کہا: مجھے کچھ خبر نہیں۔

ابن زیاد نے کہا: غلام کو حاضر کیا جائے۔

غلام کو دیکھ کر ھانیؒ کو خاموش ہونا پڑا۔ آپ نے ابن زیاد سے کہا: خدا کی سنوار ہو امیر پر! میں نے انہیں اپنے گھر نہیں بلایا تھا بلکہ وہ خود تشریف لائے اور اپنا آپ میرے حوالے کر دیا۔

ابن زیاد نے کہا: اسے میرے پاس حاضر کرو۔

ھانی کہنے لگے: خدا کی قسم اگر وہ میرے پاؤں کے نیچے بھی ہوتے تو میں ان پر سے قدم نہ اٹھاتا"۔

ابن زیاد نے حکم دیا کہ ھانی کو میرے قریب کرو۔ لوگ ھانی کو قریب لے گئے تو ابن زیاد نے ان کے ابرو پر چھڑی ماری، ان کا ابرو زخمی ہو گیا، آپ پہرہ دار کی تلوار کی طرف جھپٹے کہ اسے میان سے نکال لیں مگر انہیں پیچھے ہٹا دیا گیا۔

ابن زیاد بولا: اب خدا نے تیرا خون حلال کر دیا ہے، حکم دیا کہ انہیں محل کے فلاں حصے میں قید کر دیا جائے"۔ (طبری: ۳۴۹/۵، ۳۴۸، ۳۴۷)

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: خون مسلم حلال ہونے کی صرف تین صورتیں ہیں، قصاص، زنا یا ارتداد (مسلم) دور یزید میں یہ چوتھا طریقہ ایجاد ہوا کہ پہلے اشتعال دلاؤ، مارو پھر جب مظلوم اپنی مدافعت میں ہاتھ اٹھائے تو اس کا خون حلال ٹھہرا کر قتل کر دو۔ عصر حاضر کی امریکی سیاست کا انداز بھی یہی ہے۔)

قبیلہ مَذحِج کا احتجاج

"جونہی یہ خبر قبیلہ مذحج کو ملی، محل کے دروازے پر ایک ہنگامہ مچ گیا۔ ابن زیاد نے شور سنا تو پوچھا: یہ کیا ہو رہا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ قبیلہ مذحج کے لوگ ہیں (جو ھانیؒ کی گرفتاری پر احتجاج کر رہے ہیں)

ابن زیاد نے قاضی شریح سے کہا: ''تم ان لوگوں کے پاس جاؤ اور انہیں بتاؤ کہ میں نے محض تحقیقات کی غرض سے انہیں روک رکھا ہے'' اور ایک غلام کو قاضی پر جاسوس مقرر کر دیا...... شریح ھانیؒ کے قریب سے گزرا تو ھانیؒ نے اسے کہا: ''شریح! خدا سے ڈرو، یہ مجھے قتل کرنے کے درپے ہے۔''

شریح باہر نکلا، محل کے دروازے پر کھڑا ہوا اور لوگوں سے کہا: ھانیؒ کو کوئی خطرہ نہیں ہے، امیر نے محض تحقیقات کی خاطر انہیں روک لیا ہے'' یہ سن کر لوگ منتشر ہو گئے۔

مسلمؓ کا لشکر شاہی محل کے دروازے پر

مسلمؓ کو خبر ملی تو انہوں نے نعرۂ خاص بلند کیا، کوفہ کے چار ہزار باشندے ان کے گرد اکٹھے ہو گئے، مسلمؓ نے ہراول دستے تیار کئے، پھر میمنہ اور میسرہ کو ترتیب دی، خود لشکر کے قلب کی قیادت کرتے ہوئے ابن زیاد کی طرف روانہ ہوئے۔

مسلمؓ کے ساتھیوں نے بے وفائی کی

ابن زیاد نے کوفہ کے سرداروں کو شاہی محل میں اکٹھا کر لیا، جب مسلمؓ شاہی محل کے دروازے پر پہنچے تو سرداران کوفہ نے اوپر سے جھانکا اور اپنے اپنے قرابت داروں کو سمجھانے بجھانے اور انہیں لوٹ جانے کی تلقین کرنے لگے۔ مسلمؓ کے ساتھی ایک ایک کر کے سرکنے لگے حتیٰ کہ شام کے وقت صرف پانچ سو آدمی رہ گئے اور جب رات کا اندھیرا چھایا تو وہ بھی نکل گئے۔

مسلمؓ نے دیکھا کہ وہ تنہا رہ گئے ہیں تو وہ بھی وہاں سے چل پڑے اور گلیوں میں ادھر ادھر پھرتے رہے حتیٰ کہ ایک گھر کے دروازے پر اترے، ایک عورت باہر آئی، مسلمؓ نے کہا: مجھے پانی پلاؤ، وہ پانی پلا کر چلی گئی، کچھ دیر کے بعد وہ باہر آئی تو کیا دیکھتی ہے کہ وہ دروازے پر ہی بیٹھے ہیں۔

عورت نے کہا: اللہ کے بندے! آپ کے یہاں بیٹھنے سے شک ہوتا ہے،

آپ یہاں سے اٹھ جائیے۔

انہوں نے کہا: میں مسلم بن عقیل ہوں، تیرے ہاں کوئی ٹھکانہ ہے؟

اس نے کہا: ہاں ہے، آپ اندر تشریف لے آئیے۔

اس عورت کا لڑکا محمد بن اشعث کا آزاد کردہ غلام تھا، اسے جو ان کی آمد کی خبر ہوئی تو اس نے ابن اشعث کو اطلاع کر دی۔

مسلمؒ کی گرفتاری

ابن اشعث نے ابن زیاد کو مطلع کیا، ابن زیاد نے عمرو بن حریث المخزومی کوتوال اور ابن اشعث کے بیٹے عبدالرحمان کو مسلمؒ کی گرفتاری کے لیے روانہ کیا، مسلمؒ کو خبر بھی نہ ہوئی اور ان کے ٹھکانے کا احاطہ کر لیا گیا۔ جب مسلمؒ نے دیکھا کہ وہ محصور ہو گئے ہیں تو وہ تلوار لے کر باہر آ گئے اور پولیس کے ساتھ مبارزت کی۔ عبدالرحمان (بن محمد بن اشعث) نے انہیں کہا: آپ میری پناہ میں ہیں۔ اس کے بعد وہ انہیں ہاتھ سے پکڑ کر ابن زیاد کے پاس لے آیا۔

مسلمؒ اور ھانیؒ کی شہادت

ابن زیاد نے حکم دیا کہ مسلمؒ کو محل کے اوپر لے جا کر اس کی گردن اڑا دو اور اس کا لاشہ بازار میں پھینک دو اور ھانیؒ کے بارے میں اس نے حکم دیا کہ اسے گھسیٹ کر کناسہ (کوفہ میں ایک جگہ کا نام: ابن کثیر، ۱۵۷/۸) لے جایا جائے اور وہاں اسے سولی پر چڑھا دیا جائے (چنانچہ ایسا ہی ہوا)'' (طبری: ۳۵۰/۵)

امام حسینؓ نظام خلافت کے لیے کوفہ روانہ ہوتے ہیں

''(اُدھر) حسینؓ بن علیؓ مسلم بن عقیلؒ کا خط پڑھ کر کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے، حتیٰ کہ جب قادسیہ اُن سے تین میل کے فاصلے پر تھا، حر بن یزید تمیمی آپ سے ملا اور پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟

آپؓ نے فرمایا: اس شہر (کوفہ) جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

حُر نے کہا: آپ لوٹ جائیے، کوفہ کے حالات آپ کے لیے سازگار نہیں ہیں۔

آپؓ نے واپسی کا ارادہ کر لیا، حضرت مسلمؓ بن عقیلؓ کے بھائی آپ کے ہمراہ تھے، انہوں نے کہا: واللہ! ہم واپس نہیں جائیں گے، انتقام لیں گے یا ہم بھی قتل ہو جائیں گے۔

اس پر حسینؓ نے فرمایا: تمہارے بعد جی کر مجھے کیا لینا ہے! یہ کہہ کر وہ (کوفہ کی سمت) روانہ ہوئے۔

راستے میں ابن زیاد کے ہراول دستے نظر آئے تو وہ کربلا کی طرف مڑ گئے اور ایسی جگہ ڈیرے ڈالے جہاں اُن کی پشت پر بانس کا جھنڈ اور جھاڑ جھنکار تھا، تاکہ دشمن کا حملہ ایک ہی رخ سے ہو۔ آپؓ کے ساتھ اس وقت پنتالیس سوار اور سو پیادہ تھے۔

ابن سعد کا تقرر

عمر بن سعدؓ بن ابی وقاص سے ابن زیاد نے رے کی حکومت کا وعدہ کر رکھا تھا، (اب اس عہدے کی قیمت لینے کا وقت آیا)۔

ابن زیاد نے ابن سعد سے کہا: اس آدمی کا بندوبست کرو۔

عمر بن سعد نے کہا: اس خدمت سے مجھے معاف رکھیے۔

ابن زیاد نے اس کی معذرت قبول نہ کی۔

عمر بن سعد نے درخواست کی: اچھا، مجھے ایک رات کی مہلت دے دو۔

ابن زیاد یہ بات مان گیا۔ عمر بن سعد رات بھر اس معاملے میں سوچتا رہا (کہ ایک طرف حکومت ہے دوسری طرف شقاوت آلود معصیت) بالآخر صبح ابن زیاد کے پاس جا کر اپنی آمادگی کا اظہار کر دیا۔

امام حسینؓ کی تجویز

ابن سعد حسینؓ کی طرف روانہ ہوا، وہاں پہنچا تو آپؓ نے اس سے کہا:
دیکھو، اِن تین باتوں میں سے کوئی ایک بات مان جاؤ:

(۱) مجھے چھوڑ دو کہ جہاں سے آیا ہوں، وہیں واپس چلا جاؤں
(۲) یا مجھے یزید کے پاس جانے دو
(۳) یا مجھے چھوڑ دو کہ میں کسی سرحد پر چلا جاؤں

سانحۂ کربلا کا آغاز ہوتا ہے

عمر ابن سعد نے یہ تجویز قبول کر لی (اور منظوری کے لیے ابن زیاد کو خبر دی)
ابن زیاد نے لکھا: ''نہیں، کوئی عزت نہیں یہاں تک کہ وہ میرے ہاتھ پر بیعت کر لے''۔
حسینؓ نے فرمایا: ''نہیں واللہ! یہ ہرگز نہیں ہوگا''۔
اس پر ابن سعد نے حسینؓ کے ساتھ جنگ چھیڑ دی۔
حسینؓ کے تمام ساتھی شہید ہو گئے اور ان میں دس سے اوپر ان کے گھرانے کے نوجوان بھی تھے۔

شیر خوار بیٹے کی شہادت

ایک تیر آیا اور اُن کے اُس بیٹے کو لگا جسے وہ آغوش میں لیے ہوئے تھے، آپؓ اس کا خون پونچھتے جاتے اور فریاد کرتے جاتے تھے: اے اللہ! ہمارے اور ان کے درمیان تو ہی فیصلہ کر، جنہوں نے ہمیں یہ کہہ کر بلایا کہ ہم تمہاری مدد کریں گے اور اب وہی ہمارے قتل کے درپے ہیں۔''

امام حسینؓ کی شہادت

پھر ایک یمنی چادر منگوائی، اُسے پھاڑ کر اپنے بدن پر لپیٹا اور ہاتھ میں تلوار لے کر میدان جنگ میں اترے، وہ برابر مبارزت کرتے رہے حتی کہ شہید ہو گئے، خدا کی رحمتیں ہوں اُن پر۔

انہیں جس شخص نے شہید کیا وہ قبیلہ مَذْحِج کا ایک آدمی تھا۔

آپؓ کا سر کاٹ کر وہ ابن زیاد کے پاس لے گیا اور یہ اشعار پڑھے:

اوقــر ركــابــي فضةً و ذهبــاً

فـقـد قتلـت الـملک المحجَّبـا

قتـلـت خيـر النـاس أمًّـا وأبًـا

وخيـر هـم اذ يُـنْسبُـون نسبًـا

''میرے اونٹ پر چاندی اور سونا لاد دو اس لیے کہ میں نے ایسے بادشاہ کو قتل کیا جس تک رسائی مشکل تھی۔ میں نے ایسے انسان کو مارا جس کے ماں باپ ساری مخلوق سے افضل تھے اور حسب نسب کے اعتبار سے جو سب سے برتر تھا''

سر مبارک یزید کے دربار میں

ابن زیاد نے اُسے یزید بن معاویہؓ کے پاس بھیج دیا، حسینؓ کا سر اس کے ساتھ تھا، اس نے آپؓ کا سر یزید کے سامنے رکھ دیا، ابو برزہؓ الاسلمی اس وقت یزید کے پاس تھے، یزید آپؓ کے دہان مبارک کو چھڑی سے ٹھوکا دیتا تھا اور کہتا تھا:

يـفـلِّقـن هــامــاً مـن رجــالٍ أعزةٍ

عـلـيـنــا وهــم كــانـوا أعقّ وأظلمـاً

''(تلواریں) اُن لوگوں کی کھوپڑیاں چیخ دیتی ہیں جو ہم پر گراں گزرتے ہیں اور وہ بڑے ہی سرکش اور ظالم تھے''

ابو برزہؓ نے کہا: چھڑی دہان مبارک سے اٹھاؤ، خدا کی قسم میں نے بارہا دیکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا دہن مبارک اس دہن پر رکھا اور اسے چوما!''

خواتین اور بچے یزید کے دربار میں

ادھر ابن سعد نے آپؓ کے اہل وعیال کو ابن زیاد تک پہنچا دیا، حسینؓ بن علیؓ کے گھرانے کا صرف ایک ہی فرزند بچا تھا جو بیماری کے باعث خواتین کے پاس تھا (یہ امام زین العابدینؒ تھے، جو زیر نظر روایت کے ماخذ امام ابو جعفرؒ کے والد ماجد ہیں)

ابن زیاد نے حکم دیا کہ انہیں بھی قتل کر دیا جائے لیکن (پھوپھی) زینبؓ ان سے لپٹ گئیں اور فرمانے لگیں: خدا کی قسم! یہ ہرگز قتل نہیں ہوگا، پہلے مجھے قتل کرو''۔

یہ دیکھ کر ابن زیاد کچھ نرم پڑ گیا اور اُن کے قتل سے رک گیا۔ پھر ابن زیاد نے ان عورتوں اور بچوں کو یزید کے پاس بھیج دیا۔

یزید نے دربار عام کیا، ان خواتین اور بچوں کو دربار میں لایا گیا، لوگوں نے یزید کو فتح کی تہنیت دی۔

ایک درباری نے جس کی آنکھیں نیلی تھیں اور چہرہ سرخ تھا، ان میں سے ایک نوعمر لڑکی پر نگاہیں جما دیں اور کہنے لگا: اے امیر المومنین! یہ لڑکی مجھے بخش دیجیے''۔

زینبؓ نے فرمایا: نہیں واللہ! تجھے اس کا حق ہے نہ اُسے مگر یہ کہ وہ اللہ کے دین سے نکل جائے''۔

اُس نیلی آنکھوں والے نے اپنی بات دہرائی تو یزید نے کہا: خاموش رہو! پھر اس قافلے کو اپنے گھر بھیج دیا، انہوں نے سفر کی تیاری میں ان کی مدد کی اور انہیں مدینہ روانہ کر دیا۔

(ابن جریر طبریؒ نے یہ دل فگار واقعہ دوسری سند کے ساتھ تفصیل سے نقل کیا ہے، آپ لکھتے ہیں:

''فاطمہ بنت علیؓ سے مروی ہے کہ جب ہم یزید کے سامنے بٹھائے گئے تو اس نے ہم پر

ترس کھایا، ہمیں کچھ دینے کا حکم دیا، بڑی مہربانی سے پیش آیا، اسی اثنا میں ایک سرخ رنگ کا شامی کھڑا ہوا اور کہنے لگا: امیر المؤمنین! یہ لڑکی مجھے عنایت کر دیجیے اور میری طرف اشارہ کیا، اس وقت میں کمسن اور خوبصورت تھی، میں خوف سے کانپنے لگی کہ شاید یہ ان کے لیے جائز ہے، میں نے اپنی بہن زینب کی چادر پکڑ لی، وہ مجھ سے بڑی تھیں، زیادہ سمجھدار تھیں، جانتی تھیں کہ یہ بات ہو نہیں سکتی، انہوں نے پکار کر کہا: ''تو کمینہ ہے، نہ تجھے اس کا اختیار ہے، نہ اسے (یزید) اس کا حق ہے!'' اس جرأت پر یزید کو غصہ آ گیا کہنے لگا: ''تو جھوٹ بکتی ہے، واللہ مجھے یہ حق حاصل ہے، اگر چاہوں تو ابھی کر سکتا ہوں''

زینبؓ نے کہا: ''واللہ! ہرگز نہیں، خدا نے تمہیں ہرگز یہ حق نہیں دیا، یہ دوسری بات ہے کہ تم ہماری ملت سے نکل جاؤ اور ہمارا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لو''۔ یزید اور بھی خفا ہوا، کہنے لگا:

''میرے سامنے تم یہ کہتی ہو، دین سے تیرا باپ (علیؓ) اور تیرا بھائی (حسینؓ) نکل چکا ہے''۔

زینبؓ نے بلا تامل جواب دیا: ''اللہ کے دین سے، میرے نانا کے دین سے، میرے باپ کے دین سے، میرے بھائی کے دین سے تو نے، تیرے باپ نے، تیرے دادا نے ہدایت پائی ہے''۔

یزید چلایا: ''اے دشمن خدا، تو جھوٹی ہے''

زینب بولیں: ''تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہے، ظلم سے گالیاں دیتا ہے، اپنی قوت سے مخلوق کو دباتا ہے''۔

فاطمہ بنت علیؓ کہتی ہیں، یہ گفتگو سن کر شاید یزید شرمندہ ہو گیا، کیونکہ پھر کچھ نہ بولا، مگر وہ شامی پھر کھڑا ہوا اور وہی بات کہی۔ اس پر یزید نے غضب ناک آواز میں اسے ڈانٹ پلائی: ''دور ہو، کمبخت! خدا تجھے موت کا تحفہ بخشے!'' (طبری: ۴۶۲/۵، ۴۶۱)

اس واقعے سے جہاں خانوادۂ نبوت کی جرأت و شجاعت ظاہر ہوتی ہے، وہاں یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یزید اقتدار و قوت کے نشے میں کتنا بدمست تھا اور اس نے اپنے اردگرد کیسے کیسے بے حیا اور بدکردار لوگ اکٹھے کیے ہوئے تھے۔

سوچیے اور اپنے ایمانی جذبات کو تازہ کر کے سوچیے کہ اہل بیت اطہارؓ کی عزت و عصمت پر اٹھنے والی بے شرم نگاہیں، ان کی شان اقدس پر حرف گیری کرنے والی بے باک اور ناپاک زبانیں کیا امت محمد ﷺ میں شمار ہونے کے قابل ہیں!)

قافلہ واپس مدینہ پہنچتا ہے

''جب یہ قافلہ مدینہ پہنچا تو بنوعبدالمطلب کی ایک خاتون، بال بکھیرے ہوئے اور اپنی آستین سر پر رکھے ہوئے، اُن کے سامنے آئی، وہ روتی تھی اور یہ شعر پڑھتی تھی:

ماذا تقولون إن قال النبیُّ لكم
ماذا فعلتم وأنتم آخرُ الأمم!
بعترتی وبأهلی بعد مُفتَقدی
منهم أسارىٰ و قَتلٰی ضُرّجوا بدم
ما كان هذا جزائی إذ نصحت لكم
أن تُخلِفونی بسوءٍ فی ذوی رحمی!

''تم کیا جواب دو گے اگر پیغمبر ﷺ نے تم سے پوچھا کہ تم نے آخری امت ہو کر میری وفات کے بعد میرے گھرانے کے ساتھ کیا سلوک کیا! ان میں سے کچھ قیدی ہیں اور کچھ خون میں لتھڑے ہوئے مقتول ہیں، میں جو زندگی بھر تمہیں نصیحتیں کرتا رہا تو اس کی یہ جزا نہ تھی کہ تم میرے قرابتداروں کے ساتھ ایسی بدسلوکی کرو!'' (طبری: ۳۸۹،۳۹۰/۵۔ روایت ختم ہوئی۔)

(خاتون محترمہ نے ان اشعار میں وہی وصیت یاد دلائی ہے، جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم نے اپنی امت کو فرمائی اور زیدؓ بن ارقم نے ہم تک پہنچائی:

''دیکھو! میں تم میں دو ایسی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے انہیں تھامے رکھا تو گمراہ نہیں ہو گے، ان میں ایک دوسری سے عظیم تر ہے:

(۱) کتاب اللہ، یہ وہ رسا ہے جو آسمان سے زمین تک لٹک رہا ہے۔

(۲) میری عترت، میرے اہل بیت۔

یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ حوض پر میرے پاس آ پہنچیں گے تو خیال رکھنا کہ میرے بعد تم ان سے کیسا سلوک کرتے ہو!'' (رواہ الترمذی۔ مشکوۃ، ۵۶۹)

افسوس اس امت کے امراء و ملوک نے قرآن سے اچھا سلوک کیا نہ اہل بیتؓ سے فضلوا و اضلوا۔)

امام حسینؓ کا سر کہاں دفن ہوا؟

مؤرخین کے ہاں اس میں اختلاف ہے کہ امام حسینؓ کا سر کہاں دفن ہوا؟

۱۔ محمد بن سعد کہتے ہیں کہ یزید نے امام حسینؓ کا سر مدینہ کے والی عمرو بن سعید کے پاس بھیجا اور اس نے جنت البقیع میں آپ کی والدہ ماجدہؓ کے پاس اسے دفن کیا۔ (ابن کثیر: ۲۰۴/۸)

۲۔ ابن ابی الدنیا کا بیان ہے کہ یزید بن معاویہؓ کی وفات تک آپؓ کا سر یزید کے خزانے میں محفوظ رہا، اس کی موت کے بعد سر مبارک کو کفنایا گیا اور دمشق میں باب الفرادیس کے اندر اسے دفن کیا گیا۔ (ابن کثیر: ۲۰۴/۸)

ابن ابی الدنیا نے یہ روایت عثمان بن عبدالرحمان سے کی ہے اور عثمان نے محمد بن عمر بن صالح سے۔ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ یہ دونوں راوی ضعیف ہیں۔

۳۔ ابن عساکر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ یزید نے امام حسینؓ کا سر تین دن تک دمشق میں لٹکائے رکھا، پھر خزانے میں رکھ دیا۔ سلیمان بن عبدالملک کے زمانے میں اسے نکالا گیا تو محض ایک سفید ہڈی باقی رہ گئی تھی۔ سلیمان بن عبدالملک نے اسے کفنایا، خوشبو لگائی، اس پر نماز پڑھی اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیا۔ (ابن کثیر ۲۰۴/۸)

اکثر علماء کا رجحان اِس طرف ہے کہ آپ کا سر مبارک مدینہ میں جنت البقیع میں دفن ہوا، امام ابن تیمیہؒ کی تحقیق بھی یہی ہے۔ (رأس الحسینؓ: ۲۷)

امام حسینؓ کا مزار

جہاں تک آپ کے جسد مبارک کا تعلق ہے، مؤرخین متفق ہیں کہ وہ نہر کربلا کے پاس طف کے مقام پر دفن ہوا:

شدیم خاک و لیکن ز بوئے تربت ما

تواں شناخت کزیں خاک مردی خیزد

''ہم خاک ہو گئے، لیکن ہماری تربت کی خوشبو سے ہمیں پہچانا

جاسکتا ہے کہ اس خاک سے بھی مردانگی پھوٹ رہی ہے!''

یہ بھی قدرت کی بوالعجبی ہے کہ اس پرستارِ حق کا سر کہیں دفن ہوا اور دھڑ کہیں دفن ہوا!

من شاء فلینظر الیّ فمنظری

نذیر الی من ظنّ انّ الھویٰ سھل

''جو یہ خیال کرتا ہے کہ کارِ محبت آسان ہے، اُسے چاہیے کہ پہلے مجھے دیکھ لے کہ میرا پیکرِ خاکی انجامِ محبت کی زندہ تصویر ہے۔''

یہ ہے وہ صلہ جو پرستارانِ حق کو دنیا والوں نے دیا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ارباب جاہ اپنی طاغوتی نخوت کی پیاس ہمیشہ حق پرستوں کے خون سے بجھاتے رہے اور پرستارانِ حق بھی ہمیشہ سچائی کی قربان گاہ پر اپنی جانوں کو حقیر ترین متاع سمجھ کر بے دریغ نچھاور کرتے رہے، حق ان کی نگاہ میں جان سے عزیز تر ہوتا ہے:

آنکس کہ ترا خواست جاں را چہ کند

فرزند و عیال و خان و ماں را چہ کند

دیوانہ کنی، ہر دو جہانش بخشی

دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

''اے محبوبِ حقیقی! تیرے چاہنے والے کو جان کی کیا پروا،
اہل وعیال اور گھر بار کی کیا پروا، آپ دیوانگی کا صلہ دو جہان
عطا فرماتے ہیں، لیکن تیرے دیوانے کو دو جہان کی کیا پروا،
وہ تو آپ کا طلبگار ہے!''

شہیدانِ حق کی دنیا میں امام حسینؓ کا مقام ایک اعتبار سے بہت ہی ابھرا ہوا ہے، کسی نے حق کی خاطر خود زہر کا پیالہ پی لیا، کوئی قید و محن کی سختیاں زندگی بھر جھیلتا رہا، کوئی تنہا پھانسی پر لٹک گیا..... مگر حسینؓ کا معاملہ ان سب سے مختلف ہے۔

اس نے اپنے گھرانے کا ایک ایک فرد اپنی آنکھوں کے سامنے کٹوا دیا،
اس نے اپنے بچوں کے لاشے خاک و خون میں تڑپتے ہوئے دیکھے،
اس کی پیاسی اور بلکتی ہوئی بچیوں کی آوازیں اس کے سامعہ سے ٹکرا رہی تھیں،
مگر وہ صبر و ضبط کا پیکر،
وہ ثبات و استقلال کا ہمالیہ،
وہ عزت و ناموس کا سراپا،
دشمن کے سامنے گردن جھکانے پر آمادہ نہ ہوا۔
وہ دشمنوں کے جم غفیر میں تنہا رہ گیا مگر اس کے صبر و وقار کا دامن یکسر بے داغ رہا۔
وہ دشمنوں کی صفوں پر ٹوٹ پڑا اور بے جگری سے لڑتا ہوا شہید ہوا:

فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر.

''بادشاہِ ذی اقتدار کے دربار میں آپ بلند مقام پر فائز ہوئے۔''
تم اعتراف کرو یہ ایک رُلا دینے والی بدبختی ہے کہ پیغمبر ﷺ کا گھرانہ خود اُس کی امت کے ہاتھوں ویران ہوا!

اسرارِ کربلا

ان مقالات میں واقعۂ کربلا کے اسرار و معارف کو اُجاگر کیا گیا ہے اور اس بارے میں شبہات کے جوابات دیے گئے ہیں۔

قربانی اور خلافت کا سفر

سفر!

دو سفر!

عظمتوں کے سفر!

رفعتوں کے سفر!

ولولوں کے سفر!

جذبوں کے سفر!

اجالوں کے سفر!

کتاب دہر کے سنہرے سفر!

امتوں کے مایۂ ناز سفر!

تاریخ کے دھاروں کا رُخ پھیرنے والے سفر!

الفاظ کو نئے معانی بخشنے والے سفر!

اور معانی کو نئی وسعتوں سے آشنا کرنے والے سفر!

عمل کی جبین پر نئے عنوان رقم کرنے والے سفر!

ایک قربانی کا سفر ہے اور دوسرا خلافت کا سفر

قربانی!

محبت کی قربانی، چاہت کی قربانی، الفت کی قربانی، ذات کی قربانی، وطن کی قربانی، تن کی قربانی، من کی قربانی، دھن کی قربانی، قربت کی قربانی، قرابت کی قربانی، رفاقت کی قربانی، وجاہت کی قربانی، قیادت کی قربانی، سیادت کی قربانی...... "الا اللہ" کی قربان گاہ پر "لا" کی شمشیر سے ہر "اِلٰہ" کی قربانی!

قربانی کا یہ سفر ہابیل سے شروع ہوا اور کئی مرحلوں سے گزرتا ہوا منیٰ میں پہنچا۔ میدان منیٰ میں ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی قربانی سے قربانی کو زندگی ملی، تابندگی ملی، اعتبار ملا، قرار ملا...... لیکن حقیقت فدیے کے پردے میں مستور رہی، قربانی کا معنی تو پایا گیا لیکن اس معنی کو ظاہر کا لباس نہ ملا۔ کیونکہ ایک طرف جذبۂ قربانی کارفرما تھا تو دوسری طرف دعائے ابراہیمی اپنا کام کر رہی تھی: "ربنا واجعلنا مسلمين لك ومن ذريتنا امة مسلمة لك" اور "ربنا وابعث فيهم رسولا منهم"

اسماعیلؑ پہلے ذبیح قرار پائے اور قربانی کا سفر جاری رہا

"الا اللّٰہ" کی چوکھٹ پر دوسری عظیم قربانی ابراہیمؑ و اسماعیلؑ ہی کے فرزند عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کی دی، لیکن یہ قربانی بھی معنی کی تہہ سے ابھر کر ظاہر کی سطح پر نہ آ سکی، کیونکہ ابھی دعائے خلیل جلوہ گر نہ ہوئی تھی۔ سیدنا عبداللہ اس سلسلے کے دوسرے ذبیح ٹھہرے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: "انا ابن الذبيحين" (میں دو ذبیحوں کا فرزند ہوں)

پھر دعائے خلیل ﷺ اپنی پوری رعنائیوں اور زیبائیوں کے ساتھ جلوہ افروز ہوئی اور قربانی کا سفر جاری رہا۔

ایک وقت آیا کہ اسلام کے سیاسی نظام کو آلودہ کیا گیا۔ امت کے امتی ڈھانچے کو اموی ڈھانچے میں بدلنے کی کوشش کی گئی، عوام کی آزادی کو سلب کیا گیا اور شاہ خدا بننے لگا تو اب حقیقت کے ظہور کا وقت آ پہنچا!

قربانی معنی کی تہہ سے ابھری کہ اب فکر معنوی الہ سے تھی!

ظاہر کا لباس پہنا اور ملوکیت کا بت پاش پاش کر ڈالا!

یوں میدانِ منیٰ سے قربانی کا یہ سفر سینکڑوں منزلوں سے گزرتا ہوا ہزاروں برس بعد میدان کربلا میں ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے فرزند امام حسینؓ اور اہل بیتؓ کی قربانی پر نقطۂ کمال کو پہنچا اور اس شان سے پہنچا کہ اب قیامت تک یہی قربانی حق و صداقت کا

معیار قرار پائی اور نئے مسافروں کے لیے یہی قربانی نشان منزل ٹھہری۔

اخلاص جتنا زیادہ ہو، قربانی اتنی ہی مقبول ہوتی ہے اور مقصد جتنا اعلیٰ ہو، قربانی اتنی ہی اعلیٰ اور اولیٰ ہوتی ہے۔ تاریخ انسانی کی شہادت ہے کہ قربانی مرتی نہیں بلکہ امر ہو جاتی ہے، قربانی سے فنا نہیں، بقا حاصل ہوتی ہے، کیونکہ:

فنا فی اللہ کی تہہ میں بقا کا راز مضمر ہے
جسے مرنا نہیں آتا، اسے جینا نہیں آتا

اور اہل جہاں آج بھی اپنی آنکھوں سے اس حقیقت کا مشاہدہ کر رہے ہیں:

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

آیئے! اب ایک نظر خلافت کے سفر پر!

خلافت!

خدا کی زمین پر خدا کا نظام

دنیا میں دین اور دیانت کا نظام

امن، ایمان اور امانت کا نظام

سِلم، سلام اور اسلام کا نظام

حریت، اخوت اور مساوات کا نظام

عبادت، امامت اور شہادت کا نظام

صداقت، شجاعت اور عدالت کا نظام

خلافت کا یہ سفر اس زمین پر انسانِ اولؑ کے روز اول سے شروع ہوا، ہر نبی اور رسول اپنے اپنے دور میں اسی نظام کے قیام اور استحکام کی دعوت دیتے رہے۔ یہاں تک حضرت ختمی مرتبت محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت و رسالت اپنے نقطۂ کمال پر پہنچ کر ختم ہو گئی اور نظامِ خلافت کے قیام و انصرام کی ذمہ داری امت پر آن پڑی۔

امت کی سطح پر نظامِ خلافت کا یہ سفر سیدنا صدیق اکبرؓ کی خلافت راشدہ سے شروع ہوا اور فاروقی، عثمانی اور علوی ادوار سے گزرتا ہوا سیدنا امام حسنؓ تک پہنچا۔

اصلاحِ امت کی مصلحت نے خلافت کو صلح کے ذریعے امام حسنؓ کے ہاتھ سے لے کر دوسرے ہاتھوں میں منتقل کر دیا۔ ہاتھ بدلنے سے رفتہ رفتہ نظام بدل گیا، طرز اہتمام بدل گیا، مزاج بدل گیا، منہاج بدل گیا، خلافت دب گئی اور ملوکیت چھا گئی۔

امام حسینؓ نے اسی مرحلے پر خلافت کی بقا اور احیا کے لیے قربانی دی۔ نظامِ خلافت تو قائم نہ ہو سکا لیکن دائرہ خلافت ضرور متعین ہو گیا، حدود واضح ہو گئیں، مزاجِ خلافت سے سب آشنا ہو گئے، منہاج خلافت سب کے لیے روشن ہو گیا۔

یہ مسلمہ ہے کہ قربانی رائیگاں نہیں جاتی، نظامِ خلافت کے لیے دی گئی یہ عظیم قربانی بھی رائیگاں نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے، خلافت کے محفوظ، متعین اور مقرر نظام کا سفر جاری ہے۔ سیکڑوں برس گذر چکے اور نہ معلوم کتنے اور گذریں گے، لیکن...... ایک وقت ضرور آئے گا اور نبی صادق و مصدوق ﷺ کی پیشگوئی کے مطابق آئے گا، جب اُنہیؓ کی اولاد سے...... جن کے ہاتھ سے خلافت لی گئی اور جنہوں نے خلافت کی بقا کے لیے قربانی دی...... ایک عظیم شخص پیدا ہوگا، نبی آخر الزمان ﷺ کا ہم نام ہوگا، اُس کے والدین ماجدین آپؐ کے والدین کریمین کے ہم نام ہوں گے، اس نسبی عظمت کے ساتھ نسبی رفعت کا حامل ہوگا، سراپا ہدایت ہوگا، جس کی وجہ سے 'مھـــدی' کے لقب سے پکارا جائے گا، اُس وقت حالات مجبور ہو کر اُس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے بلکہ یوں کہا جائے کہ حالات نے جس ہاتھ سے خلافت لی، حالات ہی مجبور ہو کر اُس کی اولاد کو، گویا اُسی کو، خلافت واپس کریں گے!

جب امانت اپنے صحیح مقام پر پہنچے گی اور حق دار کو اس کا حق ملے گا تو پھر ایک مرتبہ روئے زمین پر نظامِ خلافت برپا ہوگا اور وہ قرنِ آخر میں قرنِ اول کی طرح حالات کی اصلاح کرے گا۔

یوں نبوتِ (محمدی) کی تصدیق کے ساتھ صدیق اول الزمان (ابوبکرؓ) سے شروع ہونے والا خلافت کا یہ سفر نبوت (عیسوی) ہی کی تصدیق کے ساتھ صدیق آخرالزمان (مہدیؑ) پر نقطۂ کمال کو پہنچے گا اور دنیا آیۂ اظہار اور آیۂ استخلاف کا ایک عالمگیر منظر اپنی آنکھوں سے دیکھے گی:

عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تری
مرے درویش! خلافت ہے جہانگیر تری
ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تیری
تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تیری

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں
صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم

ملوکیت کے خلاف قیام میں امام حسینؓ کی سبقت قابلِ تعجب نہیں

چاروں طرف کفر وشرک کے اندھیرے چھائے ہوئے تھے، ظلم وجور کا راج تھا، ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی امانت بت خانہ بن چکی تھی، رسوم واوہام کی تاریکیاں اتنی گہری اور سیاہ کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا، اس گھمبیر ماحول اور بھیانک فضا میں ایک آواز گونجتی ہے:

لا الٰہ الا اللہ!

صرف ایک آواز، تنہا لیکن پرعزم آواز!

یہ حسینؓ کے جدامجد محمد رسول اللہ ﷺ کی آواز تھی۔

اس آواز پر سب سے پہلے ایک بچہ کان دھرتا ہے، محمد رسول اللہ ﷺ کی آغوشِ رحمت میں پلا ہوا بچہ، آپ کی شفقتوں اور محبتوں کا مرکز بچہ، یہ بچہ **لا الٰہ الا اللہ** کی آواز سن کر سب سے پہلے اسے تسلیم کرتا ہے اور مسلم اول ہونے کا اعزاز حاصل کرتا ہے۔

یہ سابق الی الاسلام حسینؓ ہی کے پدر بزرگوار علیؓ ہیں۔

یوں تو سبھی قرابت دار بیٹھے ہوئے ہیں، جہاں دیدہ، فہمیدہ، گرم وسرد چشیدہ، رسالت اپنی رفاقت کی دعوت دے رہی ہے اور اس پر بشارت سنا رہی ہے۔ لیکن جواب میں ایک خاموشی ہے، ایک سناٹا ہے، بڑی معنی خیز خاموشی، بہت مصلحت آمیز سناٹا! اس سناٹے کو ایک ہی آواز توڑتی ہے اور رفاقت ومعیت کی بشارت سے سرفراز ہو جاتی ہے۔

اس حلقے کی یہ پہلی اور آخری آواز حسینؓ ہی کے بابا علیؓ کی آواز تھی!

دشمن نے گھر گھیرا ہوا ہے، تلواروں کی چمک دکھائی دے رہی ہے، قتل کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں، ایسے میں ایک شخص تن تنہا، رسول اکرم ﷺ کے امر سے بسترِ رسالت پر بے خوف وخطر لیٹ جاتا ہے،

کس لیے؟

رسول صادق و امین ﷺ کی امانتوں کی حفاظت کے لیے، امانتوں کو حقداروں تک پہنچانے کے لیے،

رسول امین ﷺ کی امانتوں کے یہ امینِ اول اور محافظِ اول

حسینؓ ہی کے بابا تھے سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ وارضاہ!

بدر کا میدان ہے، یوم الفرقان ہے، ایک سے ایک بڑھ کر وفادار اور جان نثار بہادر موجود ہیں، لیکن سب سے پہلے جو دشمن سے مبارزت طلب ہوئے،

وہ حسینؓ ہی کے بابا علیؓ تھے!

احد میں رسول اللہ ﷺ کی آواز پر سب سے پہلے دشمنان اسلام پر لپکنے اور جھپٹنے کا اعزاز جسے حاصل ہوا،

وہ حسینؓ ہی کے بابا علیؓ تھے!

احزاب متحدہ محاذ بنا کر مدینے کو گھیرے ہوئے ہیں، ایک زلزالِ شدید کی کیفیت طاری ہے، عرب سورما عمرو بن عبدود خندق عبور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے امر عالی سے خندق میں اتر کر دشمن کو جس نے ٹھکانے لگایا اور احزاب کے حوصلے جس نے پست کر دیے،

یہ پہلا بہادر علیؓ ہی تھا، حسینؓ کا بابا!

خیبر فتح نہیں ہو رہا، محاصرہ طویل ہوتا جا رہا ہے، آوازِ نبوت بلند ہوتی ہے:

"کل میں جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح دے گا اور جو اللہ اور رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور رسول اس سے محبت کرتے ہیں"۔

اگلی صبح نگاہِ نبوت کا شرفِ انتخاب جسے حاصل ہوا اور اپنی نوعیت کے پہلے اور تنہا اعزاز یافتہ جو قرار پائے،

وہ حسینؓ ہی کے بابا علیؓ تھے!

مرحب جیسے شہ زور کو ایک وار میں زیر کرنے اور خیبر کا بھاری در تنہا اکھیڑنے کی سعادت جسے حاصل ہوئی،

وہ حسینؓ ہی کے بابا علیؓ تھے!

دوشِ نبوت پر سوار ہو کر کفر و شرک کی علامات سے اللہ کا گھر پاک کرنے کی کرامت سے جو مکرّم ہوا،

وہ حسینؓ ہی کے بابا علیؓ تھے!

"من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کا طرۂ امتیاز

حسینؓ ہی کے باباؓ کے سر سجا!

"انت منی بمنزلة هارون من موسی" کی قربت

حسینؓ ہی کے باباؓ کو ملی!

لسانِ نبوت سے **"سیدة نساء اهل الجنة"** ہونے کا شرف

حسینؓ ہی کی اماں فاطمۃ الزہراؓ کو حاصل ہوا!

یوں تو عبادت اور عفت و عصمت کے نور سے منور بہت سے جنازے اٹھے،

لیکن جنازہ لکڑی کے ڈولے میں ڈھانپ کر لے جانے اور شب کی تاریکی میں دفنانے کی، شرم و حیا سے معمور، وصیت

سب سے پہلے حسینؓ ہی کی اماں جان سیدہ فاطمہؓ نے کی

اور غالباً اِسی کے صلے میں اور اس حیا کی لاج رکھتے ہوئے قیامت کے دن یہ اعزاز صرف حسینؓ ہی کی اماںؓ کے حصے میں آئے گا کہ سرا پردۂ جلال سے ایک پکارنے والا پکارے گا: "محشر میں جمع ہونے والو! اپنی نگاہیں نیچی رکھو یہاں تک کہ محمد کی بیٹی فاطمہ گذر جائیں۔ **صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم!**

رسول اکرم ﷺ نے اپنی ذات اقدس کو جن کی سواری بنایا،

وہ صرف حسنؓ اور حسینؓ ہی تھے!

"سید اشباب اهل الجنة" کا تمغہ رسولِ رحمت ﷺ نے خود جن کے سینے پر سجایا، وہ صرف حسنؓ اور حسینؓ ہی تھے!
لشکر جرار ہونے کے باوجود امت کے مفاد کی خاطر اقتدار سے دستبردار ہونے کی اولین مثال
حسینؓ ہی کے بھائی حسنؓ نے قائم کی!
سبقتوں، خصوصیتوں اور اعزازوں کے اس طویل اور تابناک پس منظر میں ملوکیت کا خطرہ اگر حسینؓ نے سب سے پہلے بھانپا، اُس کے انسداد کے لیے اگر حسینؓ نے سب سے پہلے قیام فرمایا، خلافت کے احیاً کے لیے اگر حسینؓ نے سب سے پہلے قدم اٹھایا اور ملوکیت کی بنیادوں کو بے مثال قربانی دے کر اگر حسینؓ نے سب سے پہلے ہلایا تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں سبقت حسینؓ کے دودمانِ والاشان کی ریت تھی!
سوچیے! باباؓ کی طرح رسول اللہ ﷺ کی امانت کی حفاظت حسینؓ نہ کرتے تو کون کرتا؟
باباؓ کی طرح دین کی نصرت کے لیے سب سے پہلے حسینؓ نہ بڑھتے تو کون بڑھتا؟
اپنے جدامجد ﷺ کی طرح اس ظلمت میں لا الہ الا اللہ کا اجالا حسینؓ نہ بکھیرتے تو کون بکھیرتا؟
اُس وقت حسینؓ جیسا کون تھا؟

کوئی نہ تھا! کوئی نہ تھا!

اس لیے ملوکیت کے خلاف قیام میں شرف سبقت بجا طور پر حسینؓ ہی کی قسمت بنا!
اور ارشاد ربانی ہے:

"والسابقون السابقون، اولئک المقربون، فی جنٰت النعیم" (الواقعہ: ۱۰۔۱۲)

"یہ جو آگے رہنے والے ہیں نا آگے رہنے والے، نعمتوں بھری جنتوں میں بھی یہی آگے آگے (مقربین) ہوں گے۔"

عزم حسینی عزم صدیقی کا نمونہ ہے

امت کی زندگی میں دو وقت بہت کڑے اور نازک آئے۔

پہلا وقت رسول اللہ ﷺ کی وفات حسرت آیات کا تھا،

ایک طرف امت صدمے سے نڈھال تھی، دوسری طرف فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔ کہیں ارتداد کی وبا پھوٹ پڑی، کہیں نبوت کے مقدس عنوان سے مہم جوئیاں ہونے لگیں، رہی سہی کسر منع زکوٰۃ کے فتنے نے پوری کر دی۔ یہ لوگ کلمہ تو پڑھتے تھے، لیکن خلافت کو زکوٰۃ دینا لازم نہیں سمجھتے تھے، اور کچھ لوگ سیاسی گھاگ تھے، انتظار کر رہے تھے کہ پانسہ کس طرف پلٹتا ہے۔

تیسری طرف لشکر اسامہؓ کی روانگی کا معاملہ تھا، رسول اللہ ﷺ اسے روانگی کا حکم دے چکے تھے، لشکر ابھی روانہ نہ ہوا تھا کہ آپؐ اس دنیا سے روانہ ہو گئے، اس بدلی ہوئی صورت حال میں یہ لشکر بھیجا جائے یا مدینے کی حفاظت اور مرتدین کے مقابلے کے لیے روکا جائے؟!

اس گھمبیر صورت حال میں سب پریشان تھے، کچھ سمجھ نہ آتا تھا، البتہ ایک شخصیت تھی جو ان تمام مراحل میں حوصلہ مند، پرعزم اور ثابت قدم رہی، اور یہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی شخصیت تھی!

وفات کے صدمے میں فرمایا: سنو! جو محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا، تو محمد (ﷺ) وفات پا گئے، اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ زندہ ہے، کبھی نہیں مرے گا۔"

اس حوصلہ افزا اور ایمان افروز جملے سے ڈھارس بندھی، حوصلے قائم ہوئے۔

لشکر اسامہؓ کے بارے میں بلند مرتبت صحابہؓ نے مشورہ دیا کہ اسے روانہ نہ کیا جائے، صورت حال بہت نازک اور خطرناک ہے۔

فرمایا: ''قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر مجھے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ درندے مجھے اس قریے میں آ بھنبھوڑیں گے، تو بھی میں اُس لشکر کو روانہ کر کے رہوں گا، جس کی روانگی کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا، اور جو پرچم رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے باندھا، میں اسے ہرگز نہیں کھولوں گا۔''

مرتدین اور مدعیان نبوت کے خلاف جہاد کا معاملہ تو واضح تھا، لیکن مانعین زکوٰۃ کے خلاف اقدام میں حضرت عمرؓ جیسی شخصیت کو بھی اس وجہ سے تردد تھا کہ یہ تو لاالہ الا اللہ کے قائل ہیں!

فرمایا: ''اللہ کی قسم! جو صلوٰۃ اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا، میں اُس سے ضرور قتال کروں گا، زکوٰۃ مال کا حق ہے، اگر یہ زکوٰۃ میں رسول اللہ ﷺ کو بھیڑ کا بچہ دیتے تھے اور اب مجھے نہیں دیں گے تو میں اس پر بھی ان سے قتال کروں گا''۔

یہ بھی مشورہ دیا گیا کہ لوگوں سے نرمی برتیے، اس سال کی زکوٰۃ چھوڑ دیجیے!

فرمایا: ''وحی بند ہو چکی، دین پورا ہو چکا، اب دین میں کمی ہو اور میں زندہ رہوں؟'' ''یہ نہیں ہوسکتا۔

عمرؓ فرماتے تھے: ''اللہ کی قسم ابوبکرؓ کا یہ عزم دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ نے قتال کے معاملے میں ابوبکرؓ کا شرح صدر فرما دیا ہے اور انہیں کی رائے حق ہے۔ اللہ کی قسم! مرتدین کے ساتھ قتال کے باب میں ابوبکرؓ کا ایمان پوری امت کے ایمان پر بھاری رہا''۔

(صحیح بخاری: باب وجوب الزکوٰۃ۔ مختصر سیرۃ الرسول ﷺ ص: ۴۷۲، ۴۷۳)

یہ پہلا کڑا وقت تھا، ایک طرف تنہا ابوبکرؓ، دوسری طرف پوری امت اور امت بھی خیر القرون!

لیکن آئندہ حالات و واقعات نے ثابت کر دیا کہ اُنہی کا عزم مبارک تھا، اُنہی کی رائے برحق تھی، اُنہی کی سوچ صحیح سمت میں کام کر رہی تھی، اُنہی کی عزیمت اور آہنی عزم نے فتنوں کا سدباب کیا، انہیں بروقت اور صحیح شرح صدر ہوا یہاں تک کہ

پھر سب کو اس بارے میں شرح صدر ہو گیا۔

امت پر دوسرا کڑا وقت وہ تھا، جب امت کے سیاسی نظام کا کانٹا بدلا گیا اور گاڑی کو خلافت کی پٹڑی سے اتار کر ملوکیت کی پٹڑی پر ڈالنے کی ارادی اور شعوری کوشش کی گئی، یہ بڑی بھیانک سیاسی بدعت تھی...... ہر شعبے کی بدعت کا اپنا خاص رنگ ہوتا ہے اور ہر شخص ہر بدعت کو کہاں سمجھ سکتا ہے! چنانچہ سب سے پہلے اس پر جو اصحاب کرامؓ معترض ہوئے، یہ وہ تھے جو امت کا سیاسی نظام سمجھتے تھے، خلافت کی آغوش میں پلے تھے، خلافت راشدہ کے مزاج شناس تھے، رسول اللہ ﷺ کی قربت، صحبت، شفقت اور تربیت سے مشرف تھے، علم و شعور اور تقویٰ و ورع کے اوصاف حسنہ سے آراستہ تھے، یہ تھے ابوبکرؓ کے بیٹے عبدالرحمٰنؓ، عمرؓ کے بیٹے عبداللہؓ، علیؓ کے بیٹے حسینؓ، زبیرؓ کے بیٹے عبداللہؓ، عبداللہؓ بن عباسؓ بھی انہی کے ہمنوا تھے...... جب یزید کی بیعت کا وقت آیا تو عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ نے رخصت کی راہ اپنائی، عبداللہ بن زبیرؓ کا اپنا ایک انداز تھا، جلیل القدر صحابہؓ اپنے مولا کے حضور پہنچ چکے تھے، چند گنے چنے صحابہؓ جو باقی تھے، وہ بڑھاپے کی آخری منزلیں طے کر رہے تھے...... خود امام حسینؓ جو تمام صحابہؓ میں کم عمر تھے، ۵۶ برس سے تجاوز کر چکے تھے...... پھر امیر المومنین حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان خونریز جنگوں میں امت کا جو بے پناہ نقصان ہوا، وہ ان حضرات کے سامنے تھا، اس لیے ان قدسی صفات نے نہایت نیک نیتی سے امت کو ایک اور جنگ سے بچانے کے لیے سکوت اور رخصت پر عمل کیا۔

ان حالات میں تنہا امام حسینؓ تھے، جنہوں نے ملوکیت کے مفاسد کا فوری ادراک کیا، عزیمت کی راہ اپنائی اور اس کے انسداد کے لیے بروقت قیام فرمایا، اور قیام بھی اِس شان سے کہ امت کو جنگ و جدال کی تباہی سے بھی بچایا اور خود اپنی اور اپنے گھرانے کی قربانی دے کر خلافت و ملوکیت اور حق و باطل کے

درمیان فرق بھی امت کو سمجھا دیا، چنانچہ میدان کربلا میں امام حسینؓ اقدام نہیں کرتے بلکہ تادم آخر دفاع میں تلوار اٹھاتے ہیں کہ مقصود اس حکم ربانی کی تعمیل تھی:

"لاتلبسوا الحق بالباطل و تکتموا الحق وأنتم تعلمون" (البقرۃ:۴۲)

(ترجمہ) "حق کو باطل کے ساتھ خلط نہ کرو (اور نہ خلط ہونے دو) اور جانتے بوجھتے حق مت چھپاؤ۔"

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

اس موقع پر پرکشش پیشکش بھی ہوئی، لیکن آپؓ نے قرآن مجید کے اس حکم کی عملی تفسیر کی:

"لاتطع المکذبین، ودوالو تدھن فیدھنون" (القلم:۸۔۹)

(ترجمہ) "ان حق جھٹلانے والوں کا کہنا مت مان، یہ تو چاہتے ہیں کہ کسی طرح تو نرم پڑ جائے تو یہ بھی نرم ہوں"۔

چنانچہ آپؓ نے رخصت اور سمجھوتے کی راہ اختیار نہیں کی اور ایسے بے مثال انداز سے حق و باطل میں تفریق کر دی کہ اب قیامت تک اس میں التباس نہیں ہو سکتا۔ تاریخ اسلام کے اس کڑے مرحلے میں آپؓ تنہا تھے، لیکن آپؓ کو ویسا ہی شرح صدر ہوا، جیسا ابو بکرؓ کو ہوا تھا اور آئندہ حالات و واقعات نے تصدیق کر دی کہ آپؓ کا قیام بجا اور آپؓ کا شرح صدر بروقت تھا، یہی وجہ ہے کہ صلحائے امت میں سے کسی نے آپؓ کے قیام کو غلط نہیں کہا!

آپؓ کی قربانی کے بعد امت میں بیداری کی لہر دوڑ گئی، ملوکیت سے نفرت گہری ہو گئی، لا الہ الا اللہ کے مفہوم کی وسعت لوگوں پر آشکارا ہو گئی اور چند ہی برس

میں اس کا مثبت نتیجہ بھی سامنے آ گیا۔

اور آج جب شعور کی آنکھ کھلی ہے، عوام کو اپنے حقوق کا احساس ہوا ہے، آمریت و ملوکیت کا جوا لوگ اپنے کندھوں سے اتار کر پھینک رہے ہیں اور جبر واستبداد کی بیڑیاں توڑ رہے ہیں تو ہر قوم پکار رہی ہے:

حسینؓ ہمارے ہیں

الغرض عہد اوّل میں دو کڑے وقت آئے، ایک میں عزم صدیقی نے سنبھالا دیا، دوسرے میں عزم حسینی کام آیا، حقیقت یہ ہے کہ آپؓ کا عزم عزم صدیقی ہی کا عکس صادق تھا۔

اقبالؒ آپؓ کے عزم واستقلال کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عزمِ او چوں کوہساراں استوار
پائدار و تندسیر و کامگار

امام حسینؓ کی اولوالعزمی اور جرأت کے حوالے سے لوگ اب جو باتیں بنا رہے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی نگاہ میں حسینؓ ہار گئے! ان کی کوتاہ بین نگاہیں شہادت کو شکست دیکھتی ہیں! حقیقت یہ نہیں، اہل حق مؤمن تو ہر حال میں کامیاب ہے، غازی ہو یا شہید، منزل تک پہنچ جائے یا راہ میں کام آئے!

یہ لوگ ابوبکرؓ کی تعریف وتوصیف آج اس لیے کر رہے ہیں کہ وہاں ظاہری اعتبار سے بھی فتح ہوئی۔ اگر بالفرض وہاں صورتِ حال برعکس ہوتی تو یہ کج فہم اور ظاہر پرست آج ابوبکرؓ کے بارے میں بھی باتیں بنا رہے ہوتے کہ انہوں نے اتنے عظیم المرتبت صحابہؓ کی بات نہ مانی اور من مانی کی، اس لیے امت کو اتنا نقصان اٹھانا پڑا......

اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران، نساء اور توبہ میں کچھ لوگوں کا ذکر کیا ہے، جو فتح حاصل ہونے پر تعریف کے ڈونگرے برساتے تھے اور موجود نہ ہونے کے باوجود

اپنی موجودگی دکھاتے تھے اور نقصان کی صورت میں اپنی غیر حاضری کو اپنی سیاسی دانش اور دور اندیشی کے ثبوت میں پیش کرتے تھے۔

حسینی عزم پر آج اعتراض کرنے والوں کو اپنا دامن دل ٹٹولنا چاہیے، کہیں اِسی مرض نے وہاں انڈے بچے نہ دے رکھے ہوں!

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا حسینؓ کا شرح صدر

تاریخ اسلام کے ان دو کڑے وقتوں میں صرف ابوبکرؓ اور صرف حسینؓ کو شرح صدر ہوا، یہ سعادت کسی اور کو نصیب نہ ہوئی! یہ سوچنے کی بات ہے!

غور کیجیے تو سمجھ آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جیسے اپنی ظاہری اور دنیوی حیات میں کارِامت انجام دیتے تھے، مشکلات میں رہنمائی فرماتے تھے اور پریشانیوں میں دلداری کرتے تھے، وفات کے بعد برزخی حیات میں بھی آپ کا فیض جاری ہے، آج بھی آپ کسی نہ کسی رنگ میں کسی نہ کسی ذریعے امت کی رہنمائی فرماتے ہیں۔

مذکورہ دو کڑے وقتوں میں ابوبکرؓ اور حسینؓ کا شرح صدر درحقیقت رسول اللہ ﷺ کا فیض ہدایت اور آپ کی روحانی نصرت تھی، جو اُن دو صحابیوں کے وسیلے سے امت کو حاصل ہوئی، جو اپنے اپنے عہد میں رسول اللہ ﷺ کے سب سے زیادہ مقرب اور محبوب تھے۔

سیدنا ابوبکرؓ کی قربت اور محبت محتاج بیان نہیں
اور سیدنا حسینؓ کے دور میں حسینؓ کے سوا کون تھا
جس کے پاس رسول اللہ ﷺ کی محبتوں کا خزانہ ہو،
نبوی فراست جس کی آنکھوں میں دمک رہی ہو،

علیؓ کی شجاعت جس کے کردار میں چمک رہی ہو،

فاطمہؓ کی تربیت جس کی سیرت میں مہک رہی ہو،

یہ صرف حسینؓ ہی تھے...... اس لیے انہی دونوں کو اپنے اپنے دور میں شرح صدر ہوا، اور پھر وقت کی کسوٹی نے ثابت کر دیا کہ یہی اس کام کے اہل تھے، ابوبکرؓ نے جو کیا، وہ اُنہی کا حصہ تھا، حسینؓ نے جو قدم اٹھایا، وہ انہی کے لائق تھا، ابوبکرؓ کے اقدام کے بعد ارتداد، بغاوت اور ادعاے نبوت کے فتنے دم توڑ گئے اور حقیقت کھل گئی، اسی طرح حسینؓ کے اقدام کے بعد آمریت کو عزت اور ملوکیت کو کبھی ثبات حاصل نہ ہو سکا اور خلافت و ملوکیت کی حقیقت عالم آشکارا ہو گئی:

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

دو عظیم قربانیوں کے سبب......دو خواب

تاریخ انسانی کی دو قربانیاں نہایت عظمت واہمیت رکھتی ہیں، ایک ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی قربانی اور دوسری امام حسینؓ کی قربانی۔

ابراہیمؑ قربانی کرنے پر اور اسماعیلؑ قربان ہونے پر کیسے آمادہ ہوئے؟

اس کا سبب ایک خواب تھا۔

قرآن کا بیان ہے:

(ترجمہ) ''پھر جب وہ (لڑکا) اُس کے ساتھ دوڑنے بھاگنے کی عمر کو پہنچا تو کہا: میرے پیارے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں، سو دیکھ سوچ تیری کیا رائے ہے؟

اس نے کہا: میرے پیارے ابا! کر گذریے جو آپ کو حکم ملا ہے، آپ بہت جلد مجھے انشاء اللہ صابروں سے پائیں گے'' (الصافات:۱۰۲)

چنانچہ دونوں نے سرِ تسلیم جھکا دیا اور یوں خواب کی تعبیر میں ایک عظیم قربانی وجود میں آئی۔

دوسری عظیم قربانی کا سبب بھی ایک خواب تھا۔

علی بن الحسین بن علی، سلام اللہ ورضوانہ علیہم، سے روایت ہے کہ جب روکنے والوں نے روکا تو امام حسینؓ نے سب باتوں کے جواب میں ایک بات فرمائی:

"انی رایت رسول اللہ ﷺ فی المنام وقد امرنی فیھا بامر وانا ماض لہ، عَلَیَّ کان اُولیٰ"

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے، آپؐ نے تاکید کے ساتھ اس میں مجھے ایک کام کا حکم دیا ہے اب بہر حال میں یہ کام کروں گا، مجھے نقصان ہو یا فائدہ''

پوچھنے والوں نے پوچھا: ''وہ خواب کیا ہے؟''
فرمایا: "ماحدثت بهااحداً و ماأنامحدثٌ بهاحتى القى ربى عزوجل"
''ابھی تک کسی کو نہیں بتلایا اور نہ ہی بتلاؤں گا یہاں تک کہ اپنے
رب عزوجل سے جاملوں گا''۔

(طبری: ۳۸۸/۵، البدایہ والنھایہ: ۱۶۸/۸)

سیدنا ابراہیمؑ کو بھی خواب میں حکم ملا، امام حسینؓ کو بھی خواب میں حکم ملا، سیدنا اسماعیلؑ نے جو جواب دیا تھا امام حسینؓ کے جواب میں بھی اُسی عزم اور صبر و رضا کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

اس طرح امام حسینؓ کا یہ خواب اور جواب "ذرية بعضها من بعض" (آل عمران: ۳۴) کی ایک اور برہان ہمیں فراہم کرتا ہے!

یہ خواب ایک اور پہلو سے بھی قابل غور ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: ''جس نے خواب میں مجھے دیکھا، اس نے مجھے ہی دیکھا، اس لیے کہ شیطان میری مثال میں نہیں آسکتا'' (مشکوۃ: باب الرؤیا)

شیطان آپ کا سراپا تو اختیار نہیں کرسکتا، لیکن کوئی بھلی سی، من موہنی صورت تو اپنا سکتا ہے اور ایک عام شخص جس نے حیات دنیوی میں آپ کی زیارت نہ کی ہو، وہ اس کے فریب میں آسکتا ہے، اس لیے غیر صحابی کو جب خواب میں زیارت ہو تو صرف ظن غالب کے درجے میں ہے، خواب میں نظر آنے والا سراپا، شمائل کی روایات کے مطابق ہو اور ارشاد شریعت کے مطابق ہو تو قبول ہے ورنہ نہیں۔

حدیث مذکور کا مصداقِ کامل صحابہ کرامؓ ہیں، جب کوئی صحابی خواب میں آپ کی زیارت کرتا ہے تو وہ آپؐ ہی کی زیارت کرتا ہے، اور صحابی کو خواب میں جو کچھ فرمایا جائے وہ یونہی ہے گویا حیات میں فرمایا گیا ہے، اور آپؐ کے حیات دنیوی کے حکم کی حیثیت یہ ہے کہ آپ کا فرمان اللہ کا فرمان ہے اور آپ کی اطاعت اللہ کی

اطاعت ہے، کیونکہ آپؐ اپنی خواہش سے نطق نہیں فرماتے تھے بلکہ آپ کا کلام وحی الٰہی ہوتی تھی۔ اسی لیے شاہ عبدالقادر دہلویؒ سورۃ احزاب:٦ کی توضیح میں فرماتے ہیں: ”نبی نائب ہے اللہ کا، اپنی جان و مال میں اپنا تصرف اتنا نہیں چلتا، جتنا نبی کا چلتا ہے، اپنی جان دہکتی آگ میں ڈالنا روا نہیں، نبی حکم دے دے تو فرض ہو جائے“۔ (فوائد عثمانیؒ)

تو امام حسینؓ کو خواب میں جو امر ملا وہ درحقیقت امرِ الٰہی تھا اور اس کی تعمیل فرض عین، غالباً یہی وجہ ہے کہ آپؓ نے جواب میں لقائے رسول ﷺ کا نہیں بلکہ لقائے الٰہی کا ذکر کیا ہے!

یہ خواب کیا تھا؟ مکہ سے کربلا کا پورا سفر اس کی تعبیر ہے اور امام حسینؓ کی اپنے خانوادے کے ساتھ شہادت اس روایت کی اسنادی حیثیت پر مہر تصدیق ثبت کر رہی ہے۔

ابراہیمؑ کے خواب کی تعبیر دس ذوالحجہ کو پوری ہوئی اور حسینؓ کا خواب دس محرم کو تعبیر آشنا ہوا، دونوں خوابوں کی تعبیر قربانی تھی، اس لیے کہنے کو تو یہ دو خواب ہیں، لیکن فی الحقیقت ایک ہی خواب ہے، دس ذوالحجہ کو میدان منیٰ میں یہ خواب اپنے ظاہر میں رونما ہوا اور دس محرم کو سرزمین کربلا پر اپنی باطنی حقیقت کے ساتھ جلوہ گر ہوا، یوں باپ نے جس طرز قربانی کا آغاز کیا تھا، بیٹے نے پوری تابانیوں کے ساتھ اس عظیم سنت کو مکمل کیا:

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنیٔ ذبح عظیم آمد پسر

آپؓ کی قربانی کی تابانی تو دیکھیے!

اب تک کسی نے وطن کی قربانی دی، کسی نے اولاد قربان کی، کوئی مال کا نذرانہ لے کر حاضر ہوا، کسی نے اقتدار پر لات ماری، کوئی اعزہ و اقارب سے چھوٹا، کوئی صرف خود قربان ہوا، لیکن حسینؓ نے وطن، اولاد، اعزہ و اقارب، دولت و وجاہت، جذبات اور

خود اپنی ذات کی قربانی پیش کی!

حسینؓ سے پہلے گل قربان ہوتے تھے، حسینؓ نے گلشن قربان کیا!

اسماعیلؑ سے جس سنت کی ابتدا ہوئی تھی، حسینؓ پر اس کی انتہا ہوئی!

ابراہیمؑ نے خواب سچ کر دکھلایا تو جزا کیا ملی؟

قرآن کہتا ہے: ہم نے آنے والی نسلوں کے دل میں ڈال دیا کہ انہیں یوں خراج تحسین پیش کریں:

"سلام علی ابراھیم" (الصافات:۱۰۸،۱۰۹)

حسینؓ نے خواب سچ کر دکھایا تو آج مشرق و مغرب سے، شمال و جنوب سے، زمین و آسمان سے یہ صدا بلند ہو رہی ہے:

سلام علی حسین

حسین تیری جرأت کو سلام
حسین تیری صداقت کو سلام
حسین تیری شجاعت کو سلام
حسین تیری قیادت کو سلام
حسین تیری امامت کو سلام
حسین تیری استقامت کو سلام
حسین تیری شہادت کو سلام

اللھم صل علی سیدنا محمد و آلہ وبارک وسلم

عثمانؓ اور حسینؓ...... شہیدان خلافت

اسلامی سیاست کا مقصود نظامِ خلافت ہے، رسول اللہ ﷺ نے اسی کی تربیت اور وصیت فرمائی اور اس نظام کے تحفظ کا عہد لیا۔

عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''عثمان! ہوسکتا ہے کہ اللہ تجھے ایک قمیص پہنائے، لوگ اگر تجھ سے یہ قمیص اتروانا چاہیں تو ان کی خاطر یہ قمیص نہ اتارنا''۔ (مشکوٰۃ، مناقب عثمانؓ، عن الترمذی وابن ماجہ)

عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا:

''میرے ایک صحابی کو بلاؤ!

میں نے کہا: ابوبکر کو؟

فرمایا: نہیں۔

میں نے کہا: عمر کو؟

فرمایا: نہیں

میں نے کہا: آپ کے ابن عمّ کو؟

فرمایا: نہیں

میں نے کہا: عثمان کو؟

فرمایا: ہاں

جب عثمان آئے تو آپؐ ذرا ایک طرف ہٹ گئے اور انہیں اپنے بائیں بٹھا لیا، (پھر آپؐ ان سے کچھ سرگوشی کرنے لگے) اس دوران میں ان کا رنگ بدل رہا تھا!

بہت عرصے بعد شورش کے دنوں میں جب آپؓ اپنے گھر میں محصور کر دیے گئے تو ہم (اصحاب) نے عرض کیا:

امیر المومنین! آپ قتال کیوں نہیں کرتے؟

فرمایا: نہیں، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا، میں سختی سے اس پر قائم ہوں''

(مرقاۃ المفاتیح: ۳۲۹/۱۱ بحوالہ مسند احمد، یہ واقعہ حضرت عثمانؓ کے غلام ابو سہلہؓ کی روایت سے الفاظ کے کچھ تغیر کے ساتھ مشکوٰۃ میں بھی ترمذی اور بیہقی کے حوالے سے مذکور ہے)

یہ عہد کیا تھا؟

روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ عہد تھا ناموس خلافت کے تحفظ کا، مرکز خلافت کی حرمت کا۔

اور حضرت عثمانؓ نے خلیفۂ برحق ہونے کی حیثیت میں یہ عہد وفا کیا۔

خلافت پر جب پھر ابتلا آیا تو رسول اللہ ﷺ نے خواب میں امام حسینؓ سے ایک عہد لیا۔ (تاریخ ابن کثیر: ۱۶۸/۸)

خیال رہے کہ کسی صحابی کو رسول اللہ ﷺ خواب میں کوئی حکم دیں تو وہ یونہی ہے گویا بیداری میں حکم دیا۔

امام حسینؓ کے اقدام سے واضح ہوتا ہے کہ یہ حدودِ خلافت کے تعین و تشخص کا عہد تھا...... اور آپؓ نے وارثِ رسول ﷺ اور امام امت ہونے کی حیثیت میں اپنا عہد خوب نبھایا۔ عثمانؓ اور حسینؓ دونوں نے اپنی جان پر کھیل کر خلافت کی حرمت کو بچایا۔ اس طرح یہ دونوں حضراتؓ قدسی صفات درحقیقت شہیدان خلافت ہیں۔

روحِ قربانی عشق ہے

اسلام نام ہے وفاشعاری اور جاں سپاری کا، مسلم وہ ہے جو اپنے مالک حقیقی کے ہر حکم کے سامنے اپنا سر جھکا دے اور اس کی تعمیل میں اپنا تن، من، دھن قربان کر دے۔

متاعِ زندگی کی یہ ہمہ جہت قربانی سوزِ عشق اور جذبۂ وفا کے بغیر ممکن نہیں۔

تو اسلام کی روح قربانی ہے اور قربانی کی روح عشق ہے!

قربانی جب عشقِ الٰہی سے سرشار ہوتی ہے تو شہادت بن جاتی ہے!

شہادت اللہ کے الٰہ ہونے پر

شہادت اُسی کے مالک و خالق ہونے پر

شہادت اُسی کے حاکم و مختار ہونے پر

شہادت اُسی کے موجود و محبوب ہونے پر

مومن کا مقصودِ زندگی شہادت ہے

اور مؤمن سے مطلوبِ الٰہی بھی شہادت ہے:

چناں خود را نگہ داری کہ با ایں بے نیازی ہا
شہادت بر وجودِ خود زخونِ دوستاں خواہی
مقامِ بندگی دیگر، مقامِ عاشقی دیگر
زنوری سجدہ می خواہی، زخاکی بیش ازاں خواہی

(کلیاتِ اقبالؒ: ۴۲۵)

صفحۂ دہر پر جب کوئی شہادت جلوہ گر ہوتی ہے تو اس کے نور سے جہان روشن ہو جاتا ہے اور پورا چمن اس کی خوشبو سے مہک اٹھتا ہے اور خود شہید امر ہو جاتا ہے، سب کے لیے فنا ہے لیکن ذاتِ حی و قیوم کے عشق میں قربان ہونے والے کے لیے فنا نہیں!

ابراہیم و اسماعیل اور حسین، علیہم السلام، کی قربانیوں میں یہی جذبۂ عشق و محبت کار فرما تھا، اسی لیے یہ قربانیاں آج تک زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گی۔

سورۃ العصر کی روشنی میں حسینؓ "امام العصر" ہیں

دنیا پرستوں کی نگاہ میں کامیابی چار چیزوں سے حاصل ہوتی ہے:

(۱) دولت (۲) قوت (۳) وجاہت (۴) حکومت

دولت کا نتیجہ وجاہت ہے اور قوت سے حکومت ملتی ہے۔

دولت اور قوت کا تعلق اپنی ذات سے ہے اور وجاہت و حکومت کا ابنائے جنس سے۔

اہل دنیا کے یہاں حاصل زندگی یہی چار چیزیں ہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ سورۃ العصر میں عصر کی قسم اٹھا کر اور تاریخِ عصر کو شاہد بنا کر فرماتا ہے کہ سب انسان ناکام، دولت والے بھی ناکام، قوت والے بھی ناکام، وجاہت والے بھی ناکام، حکومت والے بھی ناکام، سب خسارے میں، کامیاب صرف وہ ہیں جن میں چار اوصاف پائے جائیں، اور یہ چار اوصاف مادّی اوصاف کے مقابل اور اُسی ترتیب سے ہیں:

(۱) ایمان

اللہ تعالیٰ کے معبودِ مطلق اور حاکمِ مطلق ہونے پر ایمان، اللہ کی قدرتوں اور قوتوں کا یقین، اللہ کے خزانوں کا یقین۔

(۲) عمل صالح

ایمان کی کیفیت صرف دل میں نہ رہے، بلکہ اعضاء و جوارح اور ان سے صادر ہونے والے اعمال و افعال اس کے مطابق ڈھل جائیں، ایمان و یقین کا نور ظاہری اعمال سے جھلکتا دکھائی دے۔

اسلام کے عملی ارکان اربعہ: نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، اسی ایمان کی تکمیل و حفاظت کے لیے ہیں، اور ایمان کا بیج جب دل میں جڑ پکڑ لیتا ہے تو اعمال صالحہ کے برگ و بار لاتا ہے۔

ان دو چیزوں یعنی ایمان اور عمل صالح کا تعلق تکمیل ذات ہے۔

لیکن مکمل کامیابی صرف تکمیلِ ذات ہی سے نہیں ہوتی جب تک تکمیلِ ذوات یعنی تکمیل معاشرہ کی کوشش نہ کی جائے، جو ہدایت خود پائی ہے اُسے دوسروں تک نہ پہنچایا جائے، جس نور سے خود منور ہوا ہے، اُس کے اجالے سے جب تک ماحول روشن نہ ہو جائے تو کامیابی کیسی؟

اس مکمل کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں ارشاد فرمائیں:

(۳) تواصی بالحق

ایک دوسرے کو حق کی وصیت، حق کی نصیحت، ایمان اور عمل صالح کی زندگی اختیار کرنے کی تاکید، اس بارے میں فکری، نظری، علمی شبہات کے ازالے کی کوشش۔

(۴) تواصی بالصبر

ایک دوسرے کو صبر کی وصیت و نصیحت، ایمان اور عمل صالح پر بہر حال کاربند رہنے کی تاکید، شہوات اور لذات کے پھندوں سے بچتے رہنے کی تلقین، حق کی راہ میں مشکلات و مصائب برداشت کرنے کی حوصلہ افزائی۔

جس معاشرے میں حق اور صبر کی ان باہم وصیتوں کا چلن ہو، اللہ تعالیٰ کی نظر میں بس وہی معاشرہ کامیاب ہے۔

ان میں تواصی بالحق کا ایمان سے گہرا تعلق ہے اور تواصی بالصبر کا عمل صالح سے، جیسے وجاہت دولت کا نتیجہ ہے اور حکومت قوت کا ثمر۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل چیزیں دو ہیں، ایمان اور عمل صالح، جیسے مادی اعتبار سے دولت اور قوت بنیادی چیزیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ العصر میں جو چار عناصر فلاح ذکر فرمائے ہیں، یہ مذکورہ چار مادی عناصر کے لیے بہترین اصلاح اور کارگر علاج ہیں۔

دولت کا مقابلہ ایمان سے کیا جائے اور قوت کا مقابلہ عمل صالح سے، وجاہت کی چالوں کو تواصی بالحق سے ناکام کیا جائے اور حکومت کی قہر سامانیوں کو تواصی بالصبر سے ندامت آلود کر دیا جائے!

یہ چاروں مادی عناصر اگر چاروں عناصر فلاح کے تابع ہو کر ان کے فروغ واستحکام کے لیے استعمال ہوں تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، لیکن عناصر فلاح سے مجرد یہ مادی عناصر انسان کو ناکامی، دائمی ناکامی اور اَبدی خسران سے بچا نہیں سکتے۔

قرآن نے عصر کی قسم اٹھا کر صرف دعویٰ ہی نہیں کیا، بلکہ تاریخ عصر سے اس کی شہادتیں بھی پیش کی ہیں۔

آیئے! صحیفۂ ہدایت کی روشنی میں کامیاب اور ناکام لوگوں کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں:

(۱) قابیل نے قوت کے بل بوتے پر ہابیل کو قتل کیا، ہابیل نے شرافت اور عمل صالح کا دامن نہ چھوڑا، قتل ہابیل ہوا، لیکن قرآن کہتا ہے: ''**فاصبح من الخاسرین**'' (المائدہ:۳۰) خسارے میں قابیل رہا!

سچ ہے ایمان اور عمل صالح کے بغیر: ''**ان الانسان لفی خسر**''!

(۲) نوحؑ اور قوم کی کشمکش میں بھی قوت، وجاہت ہار گئی، نوحؑ اور ان کے رفقاء یعنی ایمان اور عمل صالح کی جیت ہوئی۔

پہاڑ یعنی غیر اللہ کا سہارا لینے والا ڈوب گیا، کیونکہ: ''**انہ عمل غیر صالح**'' (ھود:۴۶)
کشتی یعنی ایمان اور عمل صالح کی پناہ میں آنے والے بچ گئے۔

جو لوگ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کرتے رہے، کامیاب ہوئے جن لوگوں نے ان وصیتوں پر کان نہ دھرے، اندھے، بہرے بنے رہے، ناکام ہوئے: ''**انھم کانوا قوماً عمین**'' (اعراف:۶۴، نوح، ۷)

(۳) ھودؑ ایمان اور عمل صالح کی دعوت دیتے رہے، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر

کرتے رہے، جن لوگوں نے مانا، کامیاب رہے، جن لوگوں نے نہ مانا قوت وطاقت
کے باوجود ناکام رہے۔ (اعراف:۷۲)
(۴) صالحؑ بھی ایمان اور عمل صالح کی طرف بلاتے رہے، لیکن ثمود اپنی قوت
اور ہنر کے نشے میں مست رہے۔ صالحؑ کی نصیحتوں کو ذرہ برابر خاطر میں نہ لائے:
''نصحت لکم ولکن لاتحبون الناصحین.'' (اعراف:۷۹)
پھر تاریخ قرآنی بتلا رہی ہے کہ ایمان اور عمل صالح کی جیت ہوئی اور قوت
اور ہنرمندی کچھ کام نہ آئی۔ (اعراف:۷۸)
(۵) لوطؑ اور ان کی قوم کی کشمکش میں بھی ایمان اور عمل صالح بالآخر کامیاب رہا،
کفر اور عمل سوء تباہ و برباد ہوا۔ (اعراف:۸۳،۸۴)
(۶) شعیبؑ ایمان اور عمل صالح کی طرف بلاتے تھے، اہل مدین صرف دولت
ہی کو اپنا حاصل زندگی بنائے ہوئے تھے، اور جن خوش نصیبوں نے حضرت شعیبؑ کی
بات مانی، انہیں کہتے تھے کہ تم خسارے میں رہوگے: ''لئن اتبعتم شعیباً انکم
اذاً لخاسرون'' (اعراف:۹۰) لیکن انجام کار ''کانوا ھم الخاسرین''
(اعراف ۹۲) جھٹلانے والے ہی خسارے میں رہے۔ شعیبؑ اور ان کے پیروکار
اللہ کی رحمت سے نجات پاگئے۔
(۷) ابراہیمی دور میں ابراہیمؑ یعنی ایمان اور عمل صالح کامیاب رہے اور ان کے
مقابلے میں دولت، قوت، وجاہت، حکومت سب ناکام رہے: وارادوا بہ کیداً
فجعلنا ھم الأخسرین'' (الانبیاء:۷۰)
(۸) موسوی دور میں فرعونی حکومت ناکام، ہامانی قوت و وزارت ناکام، سامری
وجاہت ناکام، قارونی دولت ناکام، انجام کار کامیاب ہوئے تو کون؟
موسیٰ اور ان کے متبعین، جنہوں نے ایمان اور عمل صالح کی دعوت قبول کی
اور تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کرتے۔ (طہٰ، القصص، الاعراف)

(۹) عیسیٰؑ کامیاب ہوئے اور مذہبی وجاہت کے بل بوتے پر سازشیں کرنے والے ناکام۔ (النساء: ۱۵۷، ۱۵۸)

(۱۰) اب تاریخ انبیاء اپنے آخری دور میں داخل ہوگئی، آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مبعوث ہوئے، آپؐ نے بھی ایمان اور عمل صالح کی دعوت دی آپؐ کی دعوت کو ناکام کرنے کے لیے دولت، قوت، وجاہت، حکومت کا ہر حربہ آزمایا گیا، لیکن کامیابی محمد رسول اللہ ﷺ یعنی ایمان اور عمل صالح کو حاصل ہوئی۔

ابولہب کی دولت اسے ناکامی سے بچا نہ سکی: ''ماا غنی عنه ماله و ما کسب'' (اللھب: ۲)

ولید بن مغیرہ کی دولت، قوت اُس کے کچھ کام نہ آئی۔ (المدثر: ۱۷)

ابوجہل کی ریاست، وجاہت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور تکبر کا یہ پتلا ذلت اور خسارے کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گیا۔

محمد رسول اللہ ﷺ کو مٹانے والے اپنی آرزوؤں سمیت مٹ گئے: ''ان شانئک هو الابتر'' (الکوثر: ۳)

لیکن چہار دانگ عالم آج آپؐ کے ذکر سے گونج رہے ہیں: ''ورفعنا لک ذکرک'' (الانشراح: ۴)

درحقیقت یہ جیت ایمان اور عمل صالح کی جیت ہے، یہ کامیابی تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی کامیابی ہے۔

گذشتہ تفصیل سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ کامیابی صرف انبیاء کرامؑ ہی کا مقدر ہے، نہیں، قیامت تک جو انسان بھی عناصر فلاح اپنائیں گے اور انبیاءؑ کی راہ پر چلیں گے، کامیابی ان کے قدم چومے گی۔ فوز و فلاح کے یہ اصول انسان کے لیے ہیں، صرف انبیاء کے لیے نہیں، انبیاءؑ تو نمونہ اور اسوہ ہیں۔

چنانچہ خلافت راشدہ کے بعد جب امت پر کڑا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ

حقیقی کامیابی کا ایک اور نمونہ پیش فرماتا ہے، عناصر فلاح کے حسین مجموعے حسینؓ کو کھڑا کیا جاتا ہے اور انبیاءؑ کے بعد قیامت تک کے لیے اُنہیں حق و صداقت کا معیار قرار دے دیا جاتا ہے۔

امام حسینؓ کی کامیابی کو سمجھنے کے لیے سورہ العصر کے بیان کردہ اصول اربعہ کی روشنی میں آپؓ کی حیات طیبہ کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں:

(۱) ایمان

جس نے علیؓ و فاطمہؓ کے گھر جنم لیا ہو،
جس کے کان میں پہلی آواز اللہ اکبر کی پڑی ہو، اور وہ بھی لسان رسالت سے،
جسے گھٹی میں لعابِ نبوت ملا ہو،
جس کی تربیت آغوشِ رسالت اور دامن ولایت میں ہوئی ہو،
اُس کی ایمانی کیفیت کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟!

(۲) عمل صالح

آپؓ کا بچپن اور جوانی مسجد نبوی کے پرنور ماحول میں گذرے، رسالت و ولایت کی عنایتوں کے ساتھ تمام صحابہ کرامؓ کی محبتوں اور عقیدتوں کا مرکز تھے۔ ذوق عبادت فطری تھا، نماز گھٹی میں پڑی تھی، روزے کے دلدادہ تھے...... شہادت کے روز بھی روزے سے تھے اور زندگی کی آخری عبادت نماز تھی ...... زکوٰۃ و صدقات میں رغبت اتنی تھی کہ تین دفعہ اپنا تمام اثاثہ اور گھر بار اللہ کی راہ میں خیرات کیا...... حج کے اتنے شائق تھے اور احترامِ بیت اللہ اس قدر تھا کہ سواری ہونے کے باوجود پچیس مرتبہ پیدل حج کیا!

ایمان اور عمل صالح کے عناصر سے جب آپؓ کی تکمیل ذات ہو جاتی ہے اور امت کی قیادت کی ذمے داری آپؓ کے کندھوں پر آپڑتی ہے تو تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا نور آپؓ کی شخصیت سے پھوٹتا ہے:

(۳) تواصی بالحق

امام حسینؓ کی تواصی بالحق آپؓ کے خطبات میں نظر آتی ہے، یہ خطبات آپؓ کے قیام کے اسباب بھی بیان کرتے ہیں اور آپؓ کے موقف کی ترجمانی بھی۔

کوفہ کی راہ میں مقام بِیضَہ پر دوستوں اور دشمنوں سب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''لوگو! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی ایسے حاکم کو دیکھے جو ظلم کرتا ہے، اللہ کی قائم کی ہوئی حدود کو پامال کرتا ہے، عہد الٰہی توڑتا ہے، سنت کی مخالفت کرتا ہے بندگان خدا پر گناہ اور سرکشی سے حکومت کرتا ہے اور دیکھنے والا دیکھنے کے بعد اپنے فعل سے اُس کی مخالفت کرتا ہے، نہ اپنے قول سے، تو ایسے لوگوں کو اللہ اچھا ٹھکانہ نہیں بخشے گا۔

دیکھو! یہ لوگ شیطان کے پیرو بن گئے ہیں، رحمان سے سرکش ہو گئے ہیں، ہر طرف فساد ہے، حدود الٰہی معطل ہیں، مال غنیمت پر ناجائز قبضہ ہے، اللہ کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرایا جا رہا ہے۔

ان حالات میں ان کی سرکشی کو حق و عدل سے بدل دینے کا میں سب سے زیادہ حق دار ہوں'' (طبری: ۴۰۳/۵)

ذی حُسُم میں ایک اور خطاب میں فرمایا:

''افسوس! تم دیکھتے نہیں کہ حق پس پشت ڈال دیا گیا ہے، باطل پر علانیہ عمل کیا جا رہا ہے،

وقت آ گیا ہے کہ مؤمن راہ حق پر چلتے ہوئے لقائے الٰہی کی

خواہش کرے!

میرے نزدیک موت شہادت کی موت ہے۔

اور ظالموں کے ساتھ حیات بجائے خود ایک جرم ہے۔"

(طبری: ۴۰۴/۵)

(۴) تواصی بالصبر

یوں تو سارا سفرِ کربلا صبر و رضا کا مرقع ہے، لیکن درج ذیل واقعے سے امام حسینؓ کے مقام صبر کا اندازہ ہوتا ہے:

"امام علی بن حسین زین العابدینؒ بیان کرتے ہیں کہ جس رات کی صبح کو میدان شہادت گرم ہونے والا تھا، عین اسی شب کا قصہ ہے کہ میں بیمار پڑا تھا، میری پھوپھی زینبؓ میری تیمارداری میں مصروف تھیں، میرے اباؓ اصحاب کے ساتھ اپنے خیمے میں چلے گئے، ابوذرؓ غفاریؓ کا غلام حُوَیؔ آپؓ کی تلوار کو صیقل کر رہا تھا، اور آپؓ چند اشعار پڑھ رہے تھے، میں سمجھ گیا کہ آپؓ کا ارادہ کیا ہے؟

میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور مجھے یقین ہو گیا کہ ہم پر ابتلاء الٰہی نازل ہو گئی ہے اور اب اس سے چارہ نہیں۔

پھوپھی جان نے بھی اشعار سن لیے، وہ ضبط نہ کر سکیں، کیونکہ عورتیں قدرتی طور پر نرم دل ہوتی ہیں، وہ چلا اٹھیں: "ہائے بدنصیبی! کاش مجھے موت آ جاتی، آج اماں فاطمہ، ابا علی اور بھائی حسن کی (پھر) موت ہو رہی ہے!"

حسینؓ اُن کے پاس گئے اور فرمایا:

"پیاری بہن! حلم کا دامن تھامے رکھو"

لیکن زینبؓ شدت غم و حزن سے بے قرار تھیں، وہ دیکھ رہی تھیں کہ آنے والی صبح کیسی خونیں صبح ہے، فرط غم میں چہرہ پیٹ لیا اور وا ویلا، واحسرتا پکارتی ہوئی بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔

حسینؓ ان کی جانب بڑھے، ان کے چہرے پر پانی ڈالا، جب ہوش میں آئیں تو فرمایا:

"پیاری بہن! اللہ سے ڈرو اور اللہ کے فرمان کے مطابق عزا کا جو طریقہ ہے، اُسے اختیار کرو، اور خوب سمجھ لو کہ زمین والے بھی مر جائیں گے اور آسمان والے بھی باقی نہیں رہیں گے، ہر شی ہلاک ہونے والی ہے، باقی رہنے والی ذات صرف اللہ کی ہے، جس نے اپنی قدرت سے زمین کو پیدا کیا اور مخلوق کو دوبارہ پیدا کرے گا۔

ابّا، امّاں، بھائی سب مجھ سے بہتر تھے۔ (وہ نہ رہے، میں بھی نہیں رہوں گا) میرے لیے، اُن کے لیے اور ہر مسلم کے لیے (ہر معاملے میں) رسول اللہ ﷺ بہترین اُسوہ ہیں"۔ (طبری بہ اختصار: ۴۲۰/۵، ۴۲۱)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

"لیس منا من ضرب الخدود و شق الجیوب و دعے بدعوی الجاھلیة"

"(غم کے موقعہ پر) جس نے رخسار پیٹے، گریبان پھاڑے اور جاہلی جملے کہے وہ ہم میں سے نہیں"

(متفق علیہ عن عبداللہ بن مسعودؓ، مشکوۃ: ص ۱۵۰)

نیز فرمایا:

"أنا بریٓ ممن حلق و صلق و خرق"

"جس نے (غم کی وجہ سے) سر منڈایا، چیخا، چلایا اور لباس پھاڑا، میں اس سے بری اور بیزار ہوں"

(متفق علیہ عن ابی بردہؓ، مشکوۃ: ص ۱۵۰)

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کی روشنی میں امام حسینؓ نے اسی موقعہ پر وصیت کی:

"پیاری بہن! میں تمہیں قسم دیتا ہوں، اور میری قسم پوری کرنا، جب

میں شہید ہو جاؤں تو گریبان نہ پھاڑنا، چہرہ نہ چھیلنا اور ہائے مصیبت، وائے نصیب نہ پکارنا'' (۴۲۱/۵)

حق کی خاطر اپنی اولاد اور اعزہ کی قربانیاں پیش کرنے کے بعد خود اپنی شہادت پر امام حسینؓ نے جس انداز میں صبر کیا، اس سے اولوا العزم انبیاءؑ کی سنت زندہ ہوئی، ھابیل کی باتیں یاد آئیں، مسیحؑ کی مظلومی اور بے کسی کے دردناک مناظر سے سرزمین کربلا لرز اٹھی، عثمانیؓ صبر و رضا، حلم و حیا کا ایک عظیم نمونہ دنیا نے پھر اپنی آنکھوں سے دیکھا اور سورۃ العصر کا تاریخی دعویٰ ایک مرتبہ پھر اپنی حقیقتوں کے ساتھ یوں ثابت ہوا کہ:

ایمان غالب رہا — طغیان مغلوب ہوا
عمل صالح جیتا — فسق و فجور ہارا
حق باقی رہا — باطل فنا ہو گیا
صبر بامراد ہوا — جبر نامراد ہوا

حسینؓ اب بھی زندہ ہے اور عزت کے ساتھ زندہ ہے، یزید زندگی میں مر گیا اور ذلت کی موت مرا، یزید کی دولت، قوت، وجاہت، حکومت سب کچھ ہار گئی، حسینؓ کی بے چارگی، بے کسی اور کمزوری جیت گئی،

اس لیے کہ حسینؓ کے شب و روز سورۃ العصر کے سایے میں بسر ہوتے تھے، سورۃ العصر آپؓ کے رگ و ریشے میں سرایت کیے ہوئے تھی، بلکہ آپ کے خمیر میں گندھی ہوئی تھی!

اور امام العصر وہی ہو سکتا ہے، سورۃ العصر جس کے خمیر میں گندھی ہو!

شہادت امامؓ کو صدیاں بیتیں اور نہ معلوم کتنی اور بیتیں گی، لیکن سورۃ العصر شہادت دے رہی ہے کہ:

عصر حاضر کے امام حسینؓ ہیں۔

حسینؓ خیر امت ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(ترجمہ) ''تم بہترین امت ہو، جسے لوگوں کے لیے بھیجا گیا ہے، تم بھلائی کی تلقین کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو'' (آل عمران:۱۱۰)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو امت کا خیر خواہ ہو، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہو اور اللہ پر ایمان رکھتا ہو، وہ امت میں بہترین ہے۔

حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم بھلائی کی تلقین اور برائی سے روک ٹوک ضرور کرتے رہو، وگرنہ بہت جلد اللہ تم پر اپنا عذاب بھیجے گا، پھر تم دعائیں کرو گے، لیکن قبول نہ ہوں گی'' (ترمذی)

ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم میں جو شخص برائی دیکھے، اسے اپنے ہاتھ سے بدلے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اپنے دل سے، اور یہ کمزور ترین ایمان ہے'' (مسلم)

60ھ میں خلافت کی بساط لپیٹ دی گئی اور ملوکیت کی بنیادیں رکھی گئیں تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر لازم ہو گیا۔ اس سنگین دور میں یہ سعادت امام حسینؓ کا مقدر ٹھہری کہ آپؓ ایمانی جذبے سے کھڑے ہوئے اور اس برائی کے انسداد کے لیے جو آپؓ سے بن پڑا، آپؓ نے کیا۔

آپؓ کے قیام سے، حدیث نبوی کے مطابق، سب سے اللہ کا عمومی عذاب ٹل گیا۔

آپؓ کے قیام سے لوگوں کو شعور ملا، جذبۂ حریت پیدا ہوا، خلافت کی حدود کا تعین ہوا۔

اگر امام حسینؓ قیام نہ فرماتے تو حقیقت یہ ہے کہ آج تک حقیقت مشتبہ ہی رہتی، کچھ پتہ نہ چلتا کہ خلافت کیا ہے اور ملوکیت کیا؟ ہمیں کونسا نظام اپنانا ہے اور کس نظام سے بچنا ہے؟

اگر امام حسینؓ قیام نہ فرماتے تو ملوکیت کو سند جواز مل جاتی، جیسے موسیٰ قیام نہ فرماتے تو فرعونیت قائم رہتی۔

اقبالؒ شاید اسی لیے شبیرؓ و یزید کا ذکر موسیٰ و فرعون کے ساتھ فرماتے ہیں:

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید
ایں دو قوت از حیات آمد پدید

اس اعتبار سے مکہ سے آپؓ روانہ ہوتے ہیں تو موسیٰ کی جھلک نظر آتی ہے اور کربلا میں فروکش ہوتے ہیں تو مسیحؑ کا نمونہ دکھائی دیتا ہے۔

یہ تاریخی فرض ادا کرنے پر امام حسینؓ بجا طور پر خیرِ امت ہیں۔

حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؓ

پورے دین کا حاصل لا الـہ الا اللہ ہے۔ دین تو حضور ﷺ پر پورا ہو گیا لیکن اس کی تفسیر و توضیح حسب ضرورت خلفاء راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے دور میں ان کے قول و عمل سے ہوتی رہی۔

اب تک لا الہ الا اللہ کے یہ مفاہیم سامنے آئے تھے:

لا معبود الا اللہ

لا مسجود الا اللہ

لا مقصود الا اللہ

لا مطلوب الا اللہ

لا محبوب الا اللہ

لا خالق الا اللہ

لا رازق الا اللہ

لا حی الا اللہ

لا قیوم الا اللہ

اب تک جور و جفا کا دور ہی نہیں آیا تھا، اب جو حکومت نے خدائی کا روپ دھارا اور حاکم خدا بننے لگا تو امام حسینؓ نے لا الہ الا اللہ کا کلمہ حق بلند کیا۔

اس سے لا الہ الا اللہ کا یہ مفہوم عالم آشکار ہوا کہ:

لا حاکم الا اللہ

لا مالک الا اللہ

"ان الحکم الا للہ، أمر الا تعبدوا الا ایاہ، ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لایعلمون" (یوسف: ۴۰)

''حکم کسی کا نہیں مگر اللہ کا، اُس کا امر ہے کہ عبادت نہ کرو مگر اُسی کی، یہی سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''

معلوم ہوا کہ جو الٰہ ہے، وہی حاکم ہے اور اُسی کا حکم تسلیم کرنا داخلِ عبادت ہے، لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے اور حاکم اور الٰہ کے جدا جدا ہونے کو دین میں قابلِ برداشت خیال کرتے ہیں، حالانکہ دینِ قیم میں ہرگز اس کی اجازت نہیں۔

امام حسینؓ نے اپنی بے مثال قربانی سے لا الٰہ الا اللہ کا یہ مفہوم اجاگر کیا!

اس لیے جس نے بھی کہا، سچ کہا:

شاہ است حسینؓ، بادشاہ است حسینؓ
دین است حسینؓ، دین پناہ است حسینؓ
سر داد نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؓ

اقبالؒ بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است

امام حسینؓ کی پوری جدوجہد کا حاصل لا الٰہ الا اللہ ہے:

وہ جبر و قہر کی تپتی فضاؤں میں سجدے
برستے تیروں کی مہلک ہواؤں میں سجدے
کیے امامؑ نے نیزوں کی چھاؤں میں سجدے
پیامِ کرب و بلا لا الٰہ الا اللہ
حسینیت کی صدا لا الٰہ الا اللہ

حصار ظلم کی شدت کا جس نے توڑ دیا
طلسم کبر و رعونت کا جس نے توڑ دیا
غرور فسق کی ظلمت کا جس نے توڑ دیا
وہ روشنی، وہ ضیا لا الہ الا اللہ
حسینیت کی صدا لا الہ الا اللہ

کوتاہ فہم کہہ دیتے ہیں کہ امامؑ کا موقف تو درست تھا، لیکن وقت کا انتخاب مناسب نہیں تھا، وہ نہیں جانتے کہ:

یہ نغمہ فصلِ گل ولالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں لا الہ الا اللہ

ہر دور میں ہر طرح کے مسائل ومشاکل کا حل لا الہ الا اللہ اور جذبۂ حسینی ہے:

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ

حسینؓ امام امت ہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(ترجمہ) ''اور یقیناً ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے، اور بشارت دے دیجیے اُن صبر کرنے والوں کو کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچے تو کہیں: ہم تو بس اللہ ہی کے ہیں اور ہم اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں، اِنہی لوگوں پر ان کے رب کی عنایتیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہیں ہدایت یافتہ'' (البقرۃ:۱۵۵۔۱۵۷)

آیت کریمہ بتلا رہی ہے کہ یہ مصائب و بلایا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائشیں ہوتی ہیں، اور جو لوگ ان آزمائشوں میں سرخرو ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی خاص نظر عنایت اور خصوصی محبت اُن کے شامل حال رہتی ہے، پھر، حدیث نبوی کے مطابق، وہ خلقِ خدا کے بھی محبوب بن جاتے ہیں۔

قرآن مجید نے اس کی ایک بہترین مثال بھی ہمارے سامنے رکھی ہے:
ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے چند باتوں (کلمات) میں آزمایا، آپؑ ان آزمائشوں میں پورا اترے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''انی جاعلک للناس إماماً''

''میں (بطور انعام) تجھے سب لوگوں کا امام بنا رہا ہوں''

ابراہیمؑ نے عرض کیا:

''ومن ذریتی''

''اور میری ذریت سے بھی (امام ہوگا)؟''

فرمایا:

''لاینال عهدی الظالمین''

''میرا عہد (امامت) ظالموں کو (اپنے دائرے میں) نہیں لے گا'' (البقرہ:۱۲۴)

ابراہیمؑ امتحان میں کامیاب ہوئے تو تاجِ امامت سے سرفراز ہوئے!

حسینؓ اُنہی کی ذریت سے ہیں، آپؓ کا بھی کڑا امتحان ہوا، ظالموں نے منصبِ خلافت پر قبضہ کیا تو آپؓ نے کلمۂ عدل بلند کیا، تحفظِ خلافت کی خاطر آپؓ پر خوف، بھوک اور مالوں، جانوں اور پھلوں کے نقصان کی تمام آزمائشیں آئیں، ان تمام مراحل میں آپؓ کی زبان مبارک پر ایک ہی کلمہ تھا: ''انا للہ و انا الیہ راجعون''۔

ذرّیت ابراہیمی میں انبیاءؑ کے بعد کون ہے جس نے حسینؓ کے انداز میں کلمۂ عدل کہا ہو؟

اور کون ہے جس پر ویسے ''کلماتِ ابتلا'' آئے ہوں جیسے حسینؓ پر آئے؟

اور ذرّیت ابراہیمی میں کوئی ایسا ظالم ہوا جس نے یزید جیسے مظالم کیے ہوں اور یزید کی طرح حرمتوں کو پامال کیا ہو؟

اس لیے ابراہیمؑ نے اپنی ذریت میں جس امام کی درخواست کی، تاریخ کی روشنی میں انبیاءؑ کے بعد اس کا سب سے بڑا مصداق سیدنا حسینؓ قرار پاتے ہیں!

ذریت ابراہیمی کا یہ گل سرسبد اپنے جد امجد سیدنا ابراہیمؑ کی طرح تمام ''کلمات ابتلا'' میں پورا اترا تو اللہ تعالیٰ کی عنایت و رحمت نے، حسبِ عہد، آپؓ کو اپنی آغوش میں لے لیا اور ہدایت و استقامت میں آپ کو ''امام امت'' بنا دیا!

اور اللہ تعالیٰ نے جن ظالموں کو دائرۂ امامت سے باہر رکھنے کا عہد کیا، اپنے اعمال کی وجہ سے یزید اُس کا سب سے بڑا مصداق بنا، اس لیے یزید کو امیر، امام، خلیفہ کہنا درست نہیں!

غالباً یہی وجہ ہے کہ جب ایک شخص نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے یزید کو ''امیر المؤمنین'' کہا تو آپؒ نے اسے بیس کوڑے مارنے کا حکم دیا! (الصواعق المحرقہ:۲۲۱)

اللہ حسینؓ کے ساتھ ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(ترجمہ) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! (مصیبت کی گھڑی میں) صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو، یقیناً اللہ صابروں کے ساتھ ہوتا ہے''۔(البقرۃ:۱۵۳)

صبر کا مفہوم برائی برداشت کرنا نہیں، بلکہ معروف پر ڈٹ جانا اور اس کی خاطر مصائب جھیلنا صبر ہے۔

حسینؓ راہ معروف پر چلے، پھر آپ پر وہی کچھ گذرا، جو اس راہ پر چلنے والوں پر گذرتا ہے۔

حسینؓ نے نازک لمحات میں، ارشاد ربانی کے مطابق، جیسا صبر کیا، اس پر صبر کو بھی رشک آتا ہے!

رہی نماز! تو آپ سجدے ہی کی راہ سے اپنے مولا کے حضور پیش ہوئے۔

آپؓ نے ارشاد ربانی کی تعمیل کی، اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور آپ کو اپنی معیت سے سرفراز فرمایا!

یہ اللہ کی معیت ہی کا تو اثر ہے کہ دشمن آپ کو مٹانے کی کوشش میں خود مٹ گیا اور آپ کی عزت، آپ کی حرمت دن بہ دن بڑھتی چلی جارہی ہے!

سچ ہے: ''ان اللہ لایخلف المیعاد''

حسینؓ امام الشہداء ہیں

ابو سعیدؓ خدری اور طارق بن شہاب بَجلیؓ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد روایت فرماتے ہیں:

''افضل جہاد ظالم سلطان کے سامنے کلمۂ حق ...... ایک روایت میں ہے: کلمۂ عدل ...... کہنا ہے''۔ (نسائی، ترمذی)

امام حسینؓ نے دور ظلم و جور میں جس شان سے افضل جہاد کیا، تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، اور جو پہلا افضل جہاد کرتے ہوئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرے، یقیناً وہی امام الشہداء ہے۔

کچھ لوگ حسینؓ کو امام الشہداء یا سید الشہداء کہتے ہوئے اس بنا پر ہچکچاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سید الشہداء حضرت حمزہؓ کو کہا ہے۔

سوچنا چاہئے کہ حضرت حمزہؓ سید الشہداء کیسے قرار پائے؟

شہداء کے درمیان جو سلوک شہید حمزہؓ کی نعش سے ہوا، ایسا دردانگیز رویہ کسی اور شہید کے ساتھ نہیں برتا گیا۔

حضرت حمزہؓ کو رسول اللہ ﷺ سے نسبت کا تعلق بھی تھا اور نسب کا بھی، اس لیے فطری طور پر آپ کو حضرت حمزہؓ کی شہادت پر جو غم ہوا، وہ کسی اور کی شہادت پر نہیں ہوا۔

ان وجوہ سے حضرت حمزہؓ کو سید الشہداء ہونے کا شرف حاصل ہے۔

امام حسینؓ کا معاملہ بھی اس سے کچھ مختلف نہیں:

آپؓ کی نعش مبارک کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا، اسے سن کر آج بھی کلیجہ پھٹتا ہے۔

آپؓ کو بھی رسول اللہ ﷺ سے نسبت اور نسب کا شرف عظیم حاصل ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کو آپؓ کی شہادت پر خواب میں نہایت

غمزدہ دکھائی دیے، اس کی روایات موجود ہیں۔

لہٰذا جس بنیاد پر حضرت حمزہؓ سید الشہداء ہیں اُسی بنا پر حضرت حسینؓ بھی امام الشہداء ہیں، اس فرق کے ساتھ کہ حضرت حمزہؓ مشرکین کے ہاتھوں شہید ہوئے اور امام حسینؓ اپنوں کے جور و جفا کا نشانہ بنے، اِس اعتبار سے آپؓ کی شہادت کو ایک گونہ فضیلت حاصل ہے۔

تاہم اس تقابل سے قطع نظر ایک کی فضیلت دوسرے کی فضیلت کے لیے رکاوٹ نہیں، شہادتوں کے یہ دو الگ الگ سلسلے ہیں، مشرکین کے ہاتھوں شہداء کے سید حمزہؓ ہیں اور ظالمین کے ہاتھوں شہداء کے امام حسینؓ ہیں!

اضافہ: کتاب کی اشاعت کے بعد ایک حدیث ملی، جو مضمون بالا کے لیے نص صریح ہے اور اس بارے میں تمام شبہات کے لیے قاطع ہے اور لطف یہ ہے کہ اسے عظیم حنفی فقیہ ابوبکر احمد بن علی رازی الجصاص (المتوفی ۳۷۰ھ) نے اپنی سند سے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا ہے۔

اور امام ابوحنیفہؒ اپنی سند سے ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"سیدالشہداء حمزة بن عبدالمطلب ورجل قام الی امام جائر فامره و نهاه فقتله"

ترجمہ: "سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب ہیں اور وہ مرد مومن ہے جو کسی ظالم سربراہ کے سامنے کھڑا ہوگیا اور اسے نیکی کی تلقین کی اور برائی سے روکا، تو اُس نے اُسے مار ڈالا۔" (احکام القرآن: ۱/۱۴۱، آل عمران: ۱۱۰ کی تفسیر میں، المطبعة البهية، مصر)

فبایّ حدیث بعده یؤمنون!

جبر واستبداد کے خلاف جدوجہد کے لیے

اسوہ امام حسینؓ ہی ہیں

دنیا میں خیر وشر کی کشمکش روز اول سے جاری ہے۔ شر وفساد کے دور میں کیا رویہ اپنایا جائے اور اشرار سے کیسے نمٹا جائے؟ اس کے لیے ہمیں اخیار سے رہنمائی ملتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خیرالقرون کو ہمارے لیے نمونہ اسی لیے قرار دیا۔

استبدادی حالات اور ظلم وجور کی حکومت میں امام حسینؓ کا اقدام ہمارے لیے قیام کی سنت قائم کرتا ہے۔ جو لوگ جبری بیعت کی بنیاد پر یزید کی جابرانہ حکومت کو جائز قرار دیتے ہیں، ان کے پاس جبر واستبداد کے خلاف جدوجہد کا کیا جواز ہے؟ انہیں ہر جبر کے زیر سایہ خاموشی سے زندگی بسر کرنی چاہیے، دھاندلی کے نتیجے میں قائم ہونے والی ہر حکومت کو خوشدلی سے تسلیم کر لینا چاہیے!

جو لوگ امام حسینؓ کے قیام کو غلط کہتے ہیں وہ آمریت کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟

افغان جہاد اور کشمیری جدوجہد کو درست کیوں کہتے ہیں؟

شام، لیبیا، فلسطین، عراق پر تشدد کو کیوں ناپسند کرتے ہیں؟

ایسے حالات کے لیے ان کے پاس خیرالقرون سے کوئی نظیر ہے؟

سچ یہ ہے کہ اگر امام حسینؓ کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے نہ ہو، تو جبر واستبداد کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھ سکتا، ظلم کے خلاف کوئی تحریک نہیں چل سکتی۔

حسینؓ کو تاریخ سے الگ کر دیا جائے، آپؓ کے موقف کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر آمریت وملوکیت ہمیشہ کے لیے آپ پر مسلط ہو جائے گی۔

ہماری تاریخ میں حریت کی شان حسینؓ ہیں
اظہارِ حق و عدل کی جان حسینؓ ہیں
غیرت و حمیت کا نشان حسینؓ ہیں
حقوق انسانی کے پاسبان حسینؓ ہیں:

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؓ

امام حسنؓ اور امام حسینؓ

خدائی پہرے میں رہے اور منبع ذرّیت بنے

''ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حسنؓ اور حسینؓ کو یوں پناہ میں دیا کرتے تھے:

''أُعِیذُ کُمَا بِکَلِمَاتِ اللهِ التَّآمَّةِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّهَآمَّةٍ وَّمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَّآمَّةٍ''

''میں تم دونوں کو اللہ کے پورے پورے کلمات کی پناہ میں دیتا ہوں ہر شیطان اور زہریلے کیڑے مکوڑے سے اور ہر شرارتی اور بری نگاہ سے''

اور فرماتے تھے کہ تمہارے ابا (ابراہیمؑ) اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کو انہی کلمات کی پناہ میں دیا کرتے تھے''۔

(بخاری، مشکوۃ: باب عیادۃ المریض)

''کلمات اللہ'' سے مراد ہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتب۔

مقصود یہ ہے کہ تم اسماء حسنی کے پہرے اور سایے میں رہو اور تمہاری زندگی صحیفۂ ہدایت ورحمت کی روشنی میں گذرے اور کوئی شیطان تمہارے قریب آنے نہ پائے!

سوچیے! جنہیں خود رسول اللہ ﷺ نے کلمات اللہ کی پناہ میں دیا ہو، کیا اُن کے قدم قرآن کے خلاف اٹھ سکتے ہیں؟

ہماری اولاد کے لیے کوئی پیر کوئی بزرگ دعا کردے تو ہم فخر سے پھولے نہیں سماتے اور زندگی بھر اُس کا ذکر کرتے رہتے ہیں، یہاں فخر الرسل ﷺ دعا کر رہے ہیں اور ایک مرتبہ نہیں بار بار دعا کر رہے ہیں (کان یعوّذ) لیکن بیمار ذہن پھر

بھی شک و ریب کی بیماری میں مبتلا ہیں۔

امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے موقف کے برحق ہونے میں آج شک اور تذبذب اُنہی دلوں میں پیدا ہوتا ہے، جو قرآن مجید کے بارے میں بھی شک و ریب رکھتے ہیں، اگرچہ اس کا اظہار نہ کریں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسنینؓ کو قرآن کی پناہ میں دے کر یہ فرمادیا: "لن یتفرقا" قرآن اور اہل بیتؓ ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی جو شفقتیں، محبتیں، عنایتیں اور دعائیں امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے حصے میں آئیں، اگر ان کا کروڑواں حصہ بھی کسی اور کے نصیب میں ہو، تو لوگ اُس کی عظمتوں اور رفعتوں کے گیت گائیں!

لیکن کیا کیا جائے، بغض، کینہ، تعصب اور حسد ایسے پردے ہیں، جن سے سورج بھی دکھائی نہیں دیتا۔

آخر دنیا میں اب تک ایسے لوگ بھی تو موجود ہیں جو قرآن کے بارے میں شکوک و شبہات رکھتے ہیں!

ہمارے یہاں دو طبقے ہیں:

ایک وہ ہے جو حبِ اھل بیتؓ کا دعویدار ہے، لیکن قرآن کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

دوسرا وہ ہے جو قرآن کو کتابِ حق سمجھتا ہے لیکن اھل بیتؓ کو خطاوار گردانتا ہے۔

یہ دونوں جادۂ حق سے ہٹے ہوئے ہیں۔

راہ حق یہ ہے کہ قرآن اور اھل بیتؓ لازم و ملزوم ہیں، دونوں سے محبت اور دونوں کی حرمت تقاضائے ایمان ہے۔

اور یہ جو فرمایا: "تمہارے ابا اسماعیلؑ و اسحاقؑ کو انہی کلمات کی پناہ میں دیا کرتے تھے"

اس پر ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: (ترجمہ) ''اس میں اشارہ ہے کہ حسنؓ اور حسینؓ آپ ﷺ کی ذرّیت کا منبع ہیں، جیسا کہ اسماعیلؑ اور اسحاقؑ ابراہیمؑ کی ذرّیت کا معدن ہیں''۔(مرقاۃ:۳/۳۵۴)

منبعِ ذرّیت ہونے کے علاوہ امام حسنؓ کی زندگی میں حضرت اسحاقؑ کی جھلک دکھائی دیتی ہے اور امام حسینؓ ذبیح اور مہاجر ہونے میں حضرت اسماعیلؑ سے مشابہت رکھتے ہیں۔

نکتہ: امام احمدؒ بن حنبل نے خلقِ قرآن کے عقیدے کے خلاف اس روایت کو بھی اپنی حجت قرار دیا ہے، فرمایا: ''اگر کلمات اللہ مخلوق ہوتے تو رسول اللہ ﷺ حسنینؓ کو اِن کو پناہ میں نہ دیتے، اس لیے کہ مخلوق سے استعاذہ جائز نہیں'' (مرقاۃ:۳/۳۵۴)

امام حسنؓ اور امام حسینؓ میں رسول اللہ ﷺ نظر آتے تھے

حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

''سینے سے سر تک حسنؓ رسول اللہ ﷺ کے شبیہ ہیں اور اس سے نیچے حسینؓ نبی ﷺ کے مشابہ ہیں'' (ترمذی، مشکوٰۃ: مناقب اہل بیتؓ)

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد عشاق رسول ﷺ صرف حسنؓ اور حسینؓ کی زیارت نہیں کرتے تھے بلکہ اس آئینے میں خود رسول اللہ ﷺ کا رخ انور دیکھتے تھے، حسنینؓ میں آپ کی گفتار، آپ کی رفتار، آپؐ کے اطوار اور آپ کا سراپا تلاش کرتے تھے!

محبت جہاں بھی ہو، اس کے احوال یہی کچھ ہوتے ہیں!

امرئ القیس بن حجر بن عمر الکندی کہتا ہے:

من آل لیلی واین لیلی؟
وخیر مارمت ماینال

''لیلیٰ کہاں؟ آل لیلیٰ سے سکون حاصل کرتا ہوں اور بہترین مقصود وہ ہے جو مل جائے''۔ (شعر العرب: ص ۴۴)

یہی وہ حسنی چہرہ تھا، جسے دیکھ کر سیدنا ابوبکرؓ پکار اٹھے:

''بابی شبیه بالنبی لیس شبیها بعلی''

''میرا باپ قربان، نبی کا شبیہ ہے، علی کا شبیہ نہیں'، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (بخاری: ۱/ ۵۳۰ عن عقبۃ بن الحارثؓ)

رسول اللہ ﷺ نے حسنؓ اور حسینؓ کو اپنا بیٹا یونہی قرار نہیں دے دیا تھا!

اور جسے آپ ؐ خود اپنا بیٹا قرار دیں، کون ہے جوان کے نسب پر بحث کرے؟ آج کے ماہرین انساب کیا رسول اللہ ﷺ کو علم انساب سے ناواقف خیال کرتے ہیں؟!

اور غور کیجئے! حسنؓ اور حسینؓ کی رسول اللہ ﷺ سے یہ مشابہت صرف ظاہر تک محدود نہیں رہی، بلکہ باطن تک سرایت کیے ہوئے ہے:

حسنؓ کو روئے سیادت ملا، حسینؓ کو پائے استقامت ملا۔

حسنؓ نور وجاہت سے منور ہوئے، حسینؓ مقام ثبات سے سربلند ہوئے۔

حسنؓ کے نصیب میں جمالِ امن آیا تو کمالِ شجاعت حسینؓ کا حصہ قرار پایا۔

اور زہر دینے والوں نے صرف حسنؓ کو زہر نہیں دیا، رسول اللہ ﷺ کی زندہ تصویر کو زہر دیا اور امت کو آپ ؐ کے دیدار سے محروم کیا!

اور گھوڑے دوڑانے والوں نے صرف حسینؓ کے جسم پر گھوڑے نہیں دوڑائے، بلکہ رسول اللہ ﷺ کے نقش پا کو مٹایا، آپ کی رفتار اور اندازِ کار کو پامال کیا!

حسینؓ کے چہرے پر چھڑی مارنے والوں نے صرف حسینؓ کی گستاخی نہیں کی بلکہ رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کی، حضرت انسؓ کی تڑپ بلاوجہ نہیں تھی۔

اور یہ بھی کیا عجب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی زہر دیا گیا اور جو آپ ؐ کے رخ انور کا شبیہ تھا، اسے بھی زہر دیا گیا!

دشمنان اسلام نے ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم (سنت) کو مٹانے کی کوشش کی ہے،

کربلا کے میدان میں، خلافت کے باب میں جس نقش قدم کو روندا گیا، یہ رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم کا شبیہ تھا، حسی شبیہ بھی اور معنوی بھی!

ان ظالموں نے کتنا بڑا ظلم کیا، کاش انہیں اس کا اندازہ ہوتا!

امام حسنؓ اور امام حسینؓ رسول اللہ ﷺ کے خاص تربیت یافتہ ہیں

ابی ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حسن بن علیؓ نے صدقے کی ایک کھجور اٹھائی اور منہ میں رکھ لی، نبی ﷺ نے فوراً فرمایا: ہونہہ، ہونہہ، تاکہ اُسے پھینک دیں، پھر فرمایا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے؟''
(متفق علیہ، مشکوۃ، باب من لاتحل لہ الصدقۃ)

یہ بالکل بچپن کا قصہ ہے، جنہیں رسول اللہ ﷺ نے بچپن میں حلال و حرام کا شعور ودیعت کیا ہو اور کھجور جتنے حرام سے بھی بچایا ہو، کیا وہ حکومت اور امت کے معاملے میں کسی حرام کا ارتکاب کر سکتے ہیں؟

امام حسنؓ اور امام حسینؓ کا لڑکھڑانا اور گرنا رسول اللہ ﷺ کو گوارا نہ ہوا

بریدہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں خطبہ دے رہے تھے کہ حسنؓ اور حسینؓ آگئے۔ ان دونوں پر سرخ (دھاری دار) قمیصیں تھیں، چلتے تھے اور لڑکھڑا کر گر پڑتے تھے، رسول اللہ ﷺ منبر سے اتر آئے، دونوں کو اٹھایا اور اپنے سامنے بٹھالیا پھر فرمایا:

اللہ نے سچ فرمایا ہے کہ ''تمہارے اموال اور تمہاری اولاد بس آزمائش ہیں'' میں نے ان بچوں کو دیکھا کہ چلتے ہیں اور لڑکھڑا کر گر جاتے ہیں، مجھے یہ برداشت نہ ہوا، یہاں تک کہ میں نے اپنی بات کاٹی اور ان دونوں کو (اپنے پاس) اوپر اٹھالیا'' (ترمذی، ابوداؤد، نسائی: مشکوۃ: مناقب اہل بیتؓ)

آپؐ نے حسنؓ اور حسینؓ کے لڑکھڑانے اور گرنے کو اس لیے برداشت نہیں

کیا کہ آپؐ کے یہ بیٹے آپؐ کے شبیہ تھے اور مستقبل میں ان کے کندھوں پر امت کی عظیم ذمہ داری پڑنے والی تھی۔ ان ذمے داریوں میں ان کا لڑکھڑانا اور گرنا خود حضور ﷺ کا لڑکھڑانا تصور ہوتا، اس لیے حضور ﷺ نے کسی دوسرے کو نہیں کہا، بلکہ خود اتر کر انہیں اٹھایا اور سنبھالا اور پھر کہیں صف میں نیچے نہیں بٹھایا بلکہ اپنے ساتھ اوپر بٹھایا۔

یہاں آپؐ نے "رَفَعْتُهُمَا" کا لفظ استعمال کیا ہے، اب جنہیں حضور ﷺ رفعت عطا فرما رہے ہوں اور انہیں منبر پر اپنے ساتھ بٹھا رہے ہوں، ان کا مرتبہ کون گھٹا سکتا ہے؟ کون انہیں نیچا دکھا سکتا ہے؟

یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی رفیع المرتبت ہیں اور اللہ کی مخلوق کے دلوں میں بھی بلند مقام رکھتے ہیں، اور:

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا!

حسنینؓ کی پیاس نے رسول اللہ ﷺ کو بے چین کر دیا

طبرانی نے ثقہ راویوں کی سند سے روایت کیا ہے کہ:

''حضرت ابو ہریرہؓ کی آخری بیماری کے ایام میں مروان عیادت کے لیے حاضر ہوا۔ باتوں باتوں میں کہا: ہماری آپ کی جتنا عرصہ صحبت رہی، مجھے آپ کی کسی بات پر غصہ نہیں آیا لیکن آپ کی صرف ایک بات مجھے ہمیشہ بری لگی اور وہ ہے حسن اور حسین سے آپ کی محبت!

اس پر ابو ہریرہؓ سیدھے ہو بیٹھے اور فرمایا:

میں شہادت دیتا ہوں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ راستے میں کسی جگہ رسول اللہ ﷺ نے حسن اور حسین کے رونے کی آواز سنی، یہ دونوں اپنی اماں جان کے پاس تھے، آپؐ سواری تیز کر کے ان کے قریب پہنچے، پھر میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا:

''میرے بیٹوں کو کیا ہوا؟

حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا: ''پیاس!''

رسول اللہ ﷺ پانی لینے کے لیے جلدی سے ایک مشکیزے کی جانب بڑھے، لوگ زیادہ تھے اور پانی اُن دنوں کہیں کہیں ملتا تھا، آپؐ نے زور سے پکارا:

''کیا کسی کے پاس پانی ہے؟''

ہر شخص نے اپنے اپنے مشکیزے میں ہاتھ ڈالا، لیکن کسی کو بھی ایک قطرہ پانی نہ ملا۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا:

''ان میں سے ایک مجھے پکڑا دو''

انہوں نے پردے کے نیچے سے ایک آپ کو پکڑا دیا، آپؐ نے اُسے اپنے

سینے سے چمٹالیا، وہ آپ کی گود میں چھپ رہا تھا، چپ نہیں ہو رہا تھا، آپؐ نے اپنی زبان نکالی اور اُسے چُسانے لگے، آہستہ آہستہ اُس کا رونا تھم گیا اور اُسے سکون ہو گیا، جبکہ دوسرا مسلسل رو رہا تھا، آپؐ نے فرمایا:

''یہ دوسرا بھی مجھے دے دو''

چنانچہ دوسرے کو بھی آپؐ نے اپنی زبان چسائی اور وہ بھی چپ ہو گیا۔

مجھے بتلاؤ حسنؓ اور حسینؓ سے رسول اللہ ﷺ کی اتنی محبت دیکھنے کے بعد بھی میں ان سے محبت نہ کروں!'' (درّ السحابہ:۳۰۶)

یہ واقعہ کھول کھول کر بیان کر رہا ہے کہ امام حسنؓ اور امام حسینؓ سے محبت درحقیقت رسول اللہ ﷺ سے محبت ہے۔ لیکن جن لوگوں نے اسلام سے صرف جاہ واقتدار کا فائدہ اٹھایا، وہ محبت کی ان نزاکتوں کو کیا سمجھیں! یزیدی اور مروانی قلوب اہل بیتؓ کی محبت سے خود تو خالی ہیں ہی، دوسروں کے دل میں بھی اہل بیتؓ کی مودت کو برداشت نہیں کر سکتے۔

اور اتنے بغض کے ساتھ ایمان کہاں جمع ہو سکتا ہے!

اور جس حسینؓ کی ذرا سی پیاس رسول اللہ ﷺ سے برداشت نہ ہوئی، ظالموں نے اُسی حسینؓ کو پورے گھرانے سمیت کئی دن پیاسا رکھ کر شہید کیا !

فاناللہ وانا الیہ راجعون

حسنینؓ سے محبت رکھنے والا اللہ کا محبوب ہے

اسامہؓ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ ''میں ایک رات کسی کام کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ باہر تشریف لائے تو آپؐ کسی چیز کو لپیٹے ہوئے تھے، مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ کیا ہے؟

جب میں اپنے کام سے فارغ ہوا تو میں نے عرض کیا کہ آپ کس چیز کو لپیٹے ہوئے ہیں؟

آپؐ نے چادر ہٹائی تو حسنؓ اور حسینؓ آپ کی پشت سے چمٹے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا:

''یہ میرے بیٹے ہیں، میری بیٹی کے بیٹے ہیں، اے اللہ! میں ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور جو اِن سے محبت رکھے، اُس سے بھی محبت فرما''

(ترمذی، مشکوۃ: مناقب اہل بیتؓ)

امام حسنؓ کے فیصلوں کو نبوی تائید حاصل ہے

(۱) ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ حسنؓ بن علیؓ کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے، ایک شخص نے دیکھا تو کہا:

لڑکے! تجھے خوب سواری ملی ہے!

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''سوار بھی تو خوب ہے''!

(ترمذی، مشکوۃ: مناقب اہل بیتؓ)

اس میں مستقبل کی طرف بھی اشارہ ہے کہ آئندہ زندگی میں امام حسنؓ نبوت کے راستے پر چلیں گے اور ان کا بوجھ رسول ﷺ خود اٹھائیں گے۔

(۲) معاویہؓ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ حسنؓ کی زبان چوستے تھے،

اور جس زبان کو رسول اللہ ﷺ نے چوسا ہو، اسے اللہ کبھی عذاب نہیں دے گا"۔

(احمد، مرقاۃ: ۱۱/۳۸۰)

اُس زبان کو بھی عذاب نہیں دے گا اور اُس زبان سے کبھی عذاب کا فیصلہ بھی نہیں ہونے دے گا۔

(۳) ابی بکرۃ ثقفیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ "رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہیں، حسنؓ بن علیؓ آپؐ کے پہلو میں بیٹھے ہیں، رسول اللہ ﷺ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور کبھی حسنؓ کی طرف، اور فرما رہے ہیں:

"میرا یہ بیٹا سید ہے، مجھے امید ہے کہ اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا" (بخاری: ۱/۵۳۰)

امامِ حسینؓ کو رسول اللہ ﷺ سے الگ نہیں کیا جا سکتا

یعلیٰؓ بن مُرّہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں،
اللہ اُس سے محبت کرے جو حسین سے محبت کرے،
حسین ایک پورا قبیلہ ہے"۔

(ترمذی، مشکوٰۃ: مناقب اہل بیتؓ)

اس سے معلوم ہوا کہ امام حسینؓ کی شخصیت رسول اللہ ﷺ سے الگ نہیں ہے۔ آپؓ کی سوچ رسول اللہ ﷺ کی سوچ میں ڈھلی ہوئی اور آپؓ کا عمل رسول اللہ ﷺ کے عمل میں ڈھلا ہوا ہے، آپؓ کا ہر قدم رسول اللہ ﷺ کے نقشِ قدم پر اٹھا اور آپؓ کا ہر فیصلہ رسول اللہ ﷺ کی رضا کے مطابق ہوا۔

جو امام حسینؓ کی اس شخصیت کو تسلیم کرے، رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اُس کے لیے محبوب اِلٰہی ہونے کی بشارت ہے۔

دشمنوں نے کربلا میں آپؓ کے خاندان کا نام ونشان مٹانا چاہا لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا تھا کہ حسینؓ ایک پورا قبیلہ ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئی پوری ہو کر رہی اور اب:

ہر عہد میں ہے زندۂ جاوید شہید
ہر دور ہے ظالم کے لیے مرگِ جدید
شبیرؓ کے فرزند تو لاکھوں ہیں مگر
ڈھونڈو بھی تو ملتی نہیں اولادِ یزید

سچ ہے: "ان شانئک ھو الأبتر"

حسینؓ جوانانِ جنت کے سردار ہیں

ابی سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''حسنؓ اور حسینؓ جنتی جوانوں کے سردار ہیں''

(ترمذی، مشکوۃ: مناقب اہل بیتؓ)

امام حسنؓ اور امام حسینؓ دونوں جوانی کی عمر کے بعد شہید ہوئے، تو کیا وجہ ہے کہ انہیں جنتی جوانوں کا سردار قرار دیا؟

بات یہ ہے کہ ان حضرات قدسی صفات نے ادھیڑ عمری اور بڑھاپے میں وہ عظیم کارنامے کر دکھلائے، جو جوانوں کو بھی نصیب نہ ہوئے۔

اس لیے ان حضراتؓ کو عالم شباب میں شہادت کی راہ سے جنت میں داخل ہونے والوں کی سیادت عطا کی گئی۔

رسول اللہ ﷺ تو امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو جوان شہداء کا سردار بنائیں اور کچھ لوگوں کو ان کی شہادت ہی میں شبہ ہو!

لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم.

حسنینؓ گلشن رسالت کے مہکتے پھول ہیں

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''حسنؓ اور حسینؓ دونوں میری دنیا کے مہکتے پھول ہیں''

(بخاری:۱/۵۳۰)

انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: اپنے اہل بیت میں آپ کو سب سے زیادہ پیارا کون ہے؟
فرمایا:''حسن اور حسین''
آپؐ فاطمہؓ سے فرمایا کرتے تھے:'' میری خاطر میرے بیٹوں کو بلاؤ، (جب وہ آتے) تو آپؐ انہیں سونگھا کرتے اور اپنے ساتھ چمٹا لیتے''
(ترمذی، مشکوۃ: مناقب اہل بیتؓ)

یقیناً ان پھولوں سے شہادت اور جنت کی خوشبو آتی ہو گی، جبھی تو رسول اللہ ﷺ انہیں سونگھا کرتے تھے اور انہیں اپنے ساتھ چمٹا کر سکون حاصل کیا کرتے تھے۔
شمائل میں ہے کہ''حضور اکرم ﷺ کو کدو پسند تھا''۔
اس تذکرے میں اگر کوئی شخص کہے کہ مجھے تو پسند نہیں!
فتویٰ ہے کہ یہ شخص کافر ہو جائے گا، اس لیے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی پسند کو حقیر جانا۔
سوچیے! کدو کو حضور ﷺ سے جو نسبت حاصل ہے، اس کی توہین تو کفر ہو اور جو گلشن رسالت کے پھولوں سے نہ صرف بغض رکھے بلکہ انہیں مسل دے، وہ کیسے مسلمان رہ سکتا ہے!

رسول اللہ ﷺ کو زیادہ پیارا، زیادہ اونچا

حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ "میں نے اسامہ بن زیدؓ کا وظیفہ ساڑھے تین ہزار مقرر کیا اور اپنے بیٹے عبداللہؓ کا تین ہزار"۔

عبداللہؓ نے کہا: آپ نے اسامہ کو مجھ پر فضیلت کیوں دی، واللہ وہ کسی معرکے میں مجھ سے آگے نہیں رہا!

میں نے کہا: اس لیے کہ اُس کا باپ رسول اللہ ﷺ کو تیرے باپ سے زیادہ پیارا تھا اور وہ خود رسول اللہ ﷺ کو تجھ سے زیادہ پیارا تھا، تو میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیارے کو اپنے پیارے پر ترجیح دی" (ترمذی، مشکوۃ: مناقب اہل بیتؓ)

فاروق اعظمؓ کے اس فیصلے پر کسی کو اعتراض ہے تو بولے!

محبت کی وجہ سے اسامہؓ کا یہ مقام ہے تو امام حسنؓ اور امام حسینؓ کا کیا مقام ہو گا؟ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

سیدنا علیؓ کا بارگاہِ رسالت میں مقام

سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''علی! میرے ہاں تیرا وہی مقام اور مرتبہ ہے، جو موسیٰؑ کے ہاں ہارونؑ کو حاصل تھا، مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں''

(متفق علیہ، مشکوۃ: مناقب علیؓ)

ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے بھائی تھے، علیؓ بھی رسول اللہ ﷺ کے بھائی تھے، طور پر جاتے ہوئے موسیٰؑ نے ہارونؑ کو اپنا خلیفہ بنایا تھا، تبوک جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے بھی علیؓ کو اپنا خلیفہ بنایا، لیکن ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ مقام نبوت پر بھی فائز تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے معاً وضاحت فرمادی، تاکہ پہلے ارشاد سے کوئی کج فہم غلط استدلال نہ کرسکے۔

علیؓ وزیر نبی ﷺ

قرآن مجید میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو جب رسالت عطا ہوئی تو انہوں نے ایک دعا یہ کی:

''اور میرے گھرانے سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے، اس کے ذریعے میری کمر مضبوط کردے اور اسے میرے کام میں شریک کردے، تاکہ ہم مل کر کثرت سے تیری پاک شان بیان کریں اور کثرت سے تیرا ذکر کریں، یقیناً تو ہمارے حال کو خوب دیکھنے والا ہے'' (طٰہٰ: ۲۹۔۳۵)

رسول اللہ ﷺ صرف نام بدل کر یہی دعا حضرت علیؓ کے لیے کرتے تھے۔

اسماء بنت عمیسؓ (زوجہ سیدنا ابی بکرؓ) سے روایت ہے کہ ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: اے اللہ! میں بھی وہی دعا کرتا ہوں، جو دعا میرے بھائی موسیٰؑ نے کی تھی:

"اللهم اجعل لی وزیراً من أهلی، علیاً اخی، اشدد به أزری، وأشرکه فی أمری، کی نسبحک کثیراً ونذکرک کثیراً، انک کنت بنا بصیراً"

(مسند احمد، مرقاۃ:۱۱/۳۴۷)

زہے نصیب، جسے یہ دعا نصیب ہوئی!

حبِ علیؓ...... ایمان کی علامت
بغض علیؓ...... نفاق کی علامت

عبداللہؓ بن حنطب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لوگو! میں تمہیں اپنے قرابت دار، اپنے بھائی اور اپنے ابن عم علی سے محبت کی وصیت کرتا ہوں، کیونکہ علی سے محبت بس مؤمن رکھتا ہے اور علی سے بغض صرف منافق رکھتا ہے۔ جس نے اس سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے اس سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھا"

فاطمہ زہراؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"پورا پورا اور حقیقی سعادت مند بس وہ ہے جو علی سے محبت رکھے، اُس کی زندگی میں بھی اور اس کی موت کے بعد بھی" (مسند احمد، مرقاۃ:۱۱/۳۴۸)

فاطمہ زہراؓ...... جمال مصطفیٰ ﷺ

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''میں نے چال ڈھال، بول چال، نشست و برخاست میں کسی کو فاطمہؓ سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے مشابہ نہیں دیکھا......''

(ترمذی، ابوداؤد، مرقاۃ: ۳۷۳/۱۱)

حضرت عائشہؓ ہی کا بیان ہے: ''میں نے فاطمہ کے ابا (ﷺ) کے سوا کسی کو فاطمہ سے زیادہ سچا نہیں دیکھا''۔ (مرقاۃ: ۳۷۴/۱۱)

فاطمہ زہراؓ...... پیکر حیا

سیدہ فاطمہ زہراؓ کی پوری سیرت شہادت دیتی ہے کہ آپؓ سراپا حیا تھیں، ایسا لگتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا وصفِ حیا پیکرِ زہراؓ میں مجسم ہو گیا تھا!

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی آپؓ کی حیا کی لاج رکھی کہ شب کی تاریکی میں اپنے پاس بلایا، آخرت میں بھی آپؓ کی حیا کی لاج رکھے گا۔

ابن حجر مکیؒ الصواعق: ۱۹۰ پر حضرت ابوایوبؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے اور ابن اثیر جزریؒ اسد الغابہ: ۵۲۳/۵ پر اپنی سند متصل کے ساتھ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب قیامت قائم ہو گی تو عرش کے پردوں میں سے ایک پکارنے والا پکارے گا:

''یا اھل الجمع نکسوا رؤسکم وغضوا ابصارکم حتی تمر فاطمة بنت محمد علی الصرط''

''قیامت میں جمع ہونے والو! اپنے سر جھکا لو اور اپنی نگاہیں نیچی رکھو یہاں تک کہ محمد کی بیٹی فاطمہ صراط سے گذر جائیں'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سیدہ زینبؓ بنت فاطمہؓ کے مزار پر غیبی پہرہ

تاریخ تھی ۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ/۴ جولائی ۲۰۰۳ء، اور جمعہ کا دن تھا، مجھے ایک دوست نے کھانے پر بلایا، کھانے کے دورن میں دوست کے والد محترم نے باتوں باتوں میں ذکر کیا کہ ''مجھے بیس پچیس سال پہلے شام جانا ہوا، دمشق کی سیر کرتے ہوئے مزارات پر بھی حاضر ہوا۔

حضرت علیؓ اور سیدہ فاطمہ زہراؓ کی دختر اور امام حسنؓ اور امام حسینؓ کی ہمشیر سیدہ زینبؓ کے مزار محترم پر جب حاضر ہوا تو احاطے میں داخل ہونے سے پہلے گارڈ نے مجھے ہدایت کی:

''لاشف فوقک'' یعنی مزار شریف میں اوپر نظر نہ اٹھانا۔

میں اندر داخل ہو گیا، فاتحہ پڑھی، بیٹھ گیا اب میرے اندر تجسس پیدا ہوا، میں نے اوپر دیکھا تو کسی نے میرا سر نیچے کر دیا، میں نے دائیں بائیں دیکھا، کوئی نہیں تھا، میں اسے اپنا وہم سمجھا، پھر سر اٹھایا، پھر کسی نے میرا سر نیچے دبا دیا، تیسری مرتبہ جو اوپر دیکھنے کی کوشش کی تو سختی سے سر نیچے جھکا دیا گیا، میرے دل پر ایک رعب اور ہیبت طاری ہو گئی اور میں جلدی سے وہاں سے نکل آیا''۔

میں نے جو یہ بات سنی تو چونک اٹھا، میں نے کہا: پھر بیان کیجیے۔ انہوں نے پھر یہ بات یونہی بیان کی، تو میں نے انہیں حدیثِ بالا سنائی اور عرض کیا کہ سیدہ زینبؓ کے لیے حرمت کا یہ غیبی پہرہ درحقیقت سیدہ فاطمہ زہراؓ کی حرمت کا تسلسل ہے، آپ پر اللہ کی رحمت ہوئی کہ سر جھکا دیا گیا اور آپ خاموشی سے چلے آئے۔ جو لوگ اس حرمت کا لحاظ نہیں رکھتے، ماضی کی طرح آج بھی رسوا ہو رہے ہیں اور روزِ محشر بھی رسوا ہوں گے۔

فاطمی نسبت کی ہیبت

اہل حدیث مکتب فکر کے سرخیل ہیں حضرت مولانا میاں نذیر حسینؒ بن سید جواد علی، ان کی سوانح حیات میں مذکور ہے:

''آپ داد ہال اور ننہیال دونوں جانب سے نقوی حسینی ہیں...... میاں صاحب چونتیسویں پشت میں جناب امیر علیہ السلام کے ہیں اور محمد رسول ﷺ سے پینتیسویں، حسن اتفاق یہ ہے کہ حضرت امام حسن اور امام مہدی آخر الزماں علیہما السلام کے سوا اس سلسلہ نسب میں دس امام موجود ہیں''۔ (الحیاۃ بعد المماۃ:١٦)

آپ کی زندگی کا یہ واقعہ کتنا بصیرت افروز ہے:

''ایک دن عطاء اللہ مرحوم سوداگر پنجابی (جو اکثر آپ کے حضور میں حاضر رہتے تھے) کہنے لگے کہ: ''ان (میاں صاحب) سے بہت ڈرتا ہوں''۔

پوچھا: سبب؟

کہنے لگے کہ ''ایک دن ان کے ایک دشمن نے ارادہ کر لیا کہ آج ان کو قتل کر ڈالے، چنانچہ رات کے وقت تلوار لے کر حبش خاں کے پھاٹک میں چھپ کر گھات میں رہا کہ نماز عشاء کے لیے مسجد جاتے ہوئے یا وہاں سے گھر آتے ہوئے قتل کر دے۔ الغرض اسی موقع پر جب اس نے جاتے یا آتے دیکھا تو پینترا بدل، تلوار سوت کر آپ کے سامنے آ پہنچا۔

آپ نے ڈانٹ کر کہا: ''اگر میں بنی فاطمہؑ ہوں تو تو اپنے ارادے میں کبھی کامیاب نہ ہوگا''

یہ کہنا تھا کہ اُس کے بدن میں لرزہ پڑ گیا تلوار ہاتھ سے گر گئی اور وہ اپنے گھر کو بھاگا۔

گھر پہنچنا تھا کہ اُس کے پیٹ میں شدید درد ہوا، یہاں تک کہ زندگی سے جب مایوسی ہو گئی تو لوگوں کو بلا کر اُس نے کہا کہ میں غضب الٰہی میں مبتلا ہوں اور صورت حال یہ ہے۔ چنانچہ اُسی کی زبان سے اِس واقعے کی اشاعت ہوئی اور اُسی دن وہ مر گیا۔'' (الحیاۃ بعد المماۃ:١٢٨)

امام حسنؓ اور امام حسینؓ اپنے آباء کرام علیہم السلام کے وارثانِ برحق ہیں

حضرت فاطمہ زہراؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی آخری بیماری کے ایام میں حسنؓ اور حسینؓ کو لے کر خدمت والا میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:
''یارسول اللہ! یہ دونوں آپ کے بیٹے ہیں، انہیں وراثت میں کچھ عطا کر دیجیے!''
فرمایا: ''حسنؓ کو تو میں نے اپنی ہیبت (ایک روایت میں: ''اپنی ہیئت'' ایک اور روایت میں ہے: ''اپنی ثابت قدمی'') اور اپنی سیادت دی اور حسینؓ کو اپنی جرأت (ایک روایت میں: ''اپنی بلند ہمتی اور دور اندیشی'') اور اپنا جود بخشا''
(طبرانی، مناقب علیؓ والحسینؓ وامھما فاطمۃ الزہراءؓ: ۲۲۹، درالسحابہ: ۳۰۹)

یہ ایک سائنسی حقیقت ہے کہ ماں باپ کی عادات اور خیالات کے اثرات اولاد میں منتقل ہوتے ہیں۔

آج بھی امام حسنؓ اور امام حسینؓ پر اعتراض کرنے والے بیٹے کو باپ کی سیاست کا وارث قرار دیتے ہیں، پیر کے بیٹے میں پیرانہ خصوصیات دیکھتے ہیں، مہتمم کے بیٹے میں اہتمام کی خوبیاں تلاش کرتے ہیں، باپ کے انتقال پر بیٹے کو صرف اس لیے امیر تسلیم کر لیتے ہیں کہ باپ کی نسبت بیٹے میں منتقل ہوگئی۔

مولانا محمد منظور نعمانی مرحوم حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی وفات کے حالات میں، ان کے بیٹے مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کی خلافت کے بارے میں لکھتے ہیں:
''.....اس وقت میری ناقص نگاہ میں مولانا محمد یوسفؒ صاحب میں کوئی خاص امتیاز سوائے صاحبزادگی کے نہیں تھا اور اپنے علم و انداز کے مطابق تبلیغی کام سے تو ان کو گہری دلچسپی بھی نہیں تھی.....اس لیے مجھے اس (جانشینی کے) واقعہ کو سن کر کوئی خوشی نہیں ہوئی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اپنے بزرگوں کے بارے میں بھی طرح طرح کے

اگلے دن صبح کو جب مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے فجر کی نماز پڑھائی اور نماز کے بعد حضرتؒ کے معمول کے مطابق تقریر شروع فرمائی تو تھوڑی دیر کے بعد میں نے محسوس کیا کہ یہ تو مولانا محمد یوسف کی زبان سے حضرتؒ بول رہے ہیں...... انتقال نسبت کا لفظ سنا بھی تھا اور کتابوں میں پڑھا بھی تھا، لیکن اس کا مشاہدہ اُس دن پہلی دفعہ ہوا"۔

"اس عاجز نے اور غالباً ہر دیکھنے والے نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی زندگی میں تین باتیں بہت ہی غیر معمولی درجہ میں دیکھیں:

(۱) دین کا درد و فکر (۲) اللہ تعالیٰ پر اعتماد و یقین

(۳) معارف وحقائق کا فیضان......

پھر حضرت مولاناؒ کے وصال کے بعد ہر دیکھنے والے نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ یہ تینوں باتیں دفعتاً حضرت مولانا محمد یوسف صاحب میں آ گئیں اور ان تینوں میدانوں میں وہ بہت تیز رفتاری بلکہ برق رفتاری سے بڑھتے رہے"۔

(سوانح مولانا محمد یوسفؒ: ۲۱۰-۲۱۳)

لیکن جب روایتِ مذکورہ بالا بیان کی جاتی ہے تو یہی قبیلۂ فکر امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو رسول اللہ ﷺ کی سیاست وسیادت، جرأت وسخاوت، علیؓ کی شجاعت و ولایت اور فاطمہؓ کی صداقت وطہارت کا وارث تسلیم کرنے سے ہچکچاتا ہے اور امامینؓ ھمامین کے اقدامات میں انہیں حرص، جاہ پسندی اور مہم جوئی کی بو سنگھائی دیتی ہے۔

کیا رسول اللہ ﷺ، حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی نسبت ضعیف تھی کہ منتقل نہ ہو سکی؟

یا امام حسنؓ اور امام حسینؓ کی اہلیت ناقص تھی کہ یہ حضرات اپنے مقدس ومطہر آباء کرام علیہم السلام کے وارث نہ بن سکے؟

یاد رکھیے! امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے موقف پر اعتراض درحقیقت ان کی نسبت مقدسہ پر اعتراض ہے۔

نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیآت اعمالنا

نسبت کے احترام کے حوالے سے ایک ایمان افروز اور سبق آموز واقعہ ملاحظہ ہو۔

حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ بانیٔ دارالعلوم دیوبند کے بارے میں بیان کرتے ہیں: ''ایک دفعہ حضرت نانوتویؒ مرادآباد تشریف لے گئے، جانا آگے تھا، مراد آباد میں ٹھہرے اور پروگرام میں یہاں صرف ایک دن قیام تھا۔

لوگوں نے مزید ٹھہرنے کے لیے اصرار کیا اور اس اصرار میں علماء، امراء بھی شامل تھے، لیکن حضرتؒ انکار کرتے رہے۔

کسی نے مشورہ دیا کہ چودہ پندرہ سال کا ایک لڑکا ہے، فلاں دفتر میں کلرک ہے، اسے بلاؤ، وہ ٹھہرا سکے گا۔

جب وہ آیا تو حضرتؒ ادب سے اپنی مسند چھوڑ کر کھڑے ہو گئے، جھک کر مصافحہ کیا اور اپنی جگہ پر اسے بٹھایا، خود مؤدب ہو کر سامنے بیٹھ گئے۔

اس نے کہا: حضرت! جی چاہتا ہے کچھ مزید ٹھہر جائیں۔

فرمایا: بہت اچھا

ٹھہر گئے اور اتنا ٹھہرے کہ ایک ہفتہ گذر گیا، پھر اسی لڑکے نے آکر اجازت دی تو حضرتؒ روانہ ہوئے۔

بات یہ تھی کہ حضرتؒ کے شیخ حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ تھے اور حاجی صاحب کے شیخ میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ تھے، یہ لڑکا میاں جیؒ کا نواسہ لگتا تھا، تو کسی کی بات نہ مانی، اس لڑکے کی بات مانی، یہ صرف شیخ کی نسبت کا ادب تھا''۔

(خطباتِ حکیم الاسلامؒ: ۲۶۶/۳)

بانیٔ دارالعلوم دیوبند تو شیخ کی نسبت کی یوں لاج رکھیں اور آج دیوبند سے فکری وعلمی نسبت کے کچھ مدعی رسول اللہ ﷺ کی تمام نسبتوں کو فراموش کریں اور دشمنانِ اہل بیتؓ کے وکیل صفائی بنیں!

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

دہرے پیمانے

کچھ لوگ امیر معاویہؓ کے نام کے ساتھ "سلام اللہ و رضوانہ علیہ" لکھتے اور بولتے ہیں، لیکن امام حسینؓ، اور اہل بیتؓ کے اسماء گرامی کے ساتھ اگر "علیہم السلام" بولا جائے تو فوراً تشیع کا الزام دیتے ہیں، حالانکہ ہمارے قدیم لٹریچر میں سلف صالحین اہل بیتؓ کی تعظیم کے لیے "علیہم السلام" لکھتے چلے آئے ہیں۔

اسی حلقے کے ایک بزرگ کا انتقال ہوگیا، اتفاق سے اس دن سورج کو گرہن لگا، تو انہوں نے اپنے ترجمان رسالے کے ٹائیٹل پر انتقال کی خبر گہنائے سورج کے فوٹو کے ساتھ شائع کی، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے واضح طور پر فرما دیا تھا کہ سورج یا چاند گرہن کا کسی کی موت یا حیات سے کوئی تعلق نہیں کہ اس میں شرک کا شائبہ پایا جاتا ہے۔

اور لطف یہ کہ اس خبر کو سیاہ حاشیہ پہنا کر ماتمی رنگ میں شائع کیا گیا!

پھر انہی بزرگ کے احوال زندگی پر مشتمل ایک شمارہ خاص شائع ہوا، اس سے چند اقتباسات ملاحظہ فرمایئے!

"اللہ تعالیٰ نے انہیں کتنی مقبولیت عطا کی اور لوگوں کے دلوں میں کس طرح ان کی محبت ڈالی، اس ضمن میں ایک واقعے کا ذکر بے جا نہ ہوگا:

جماعت کے رکن اور مرحوم کے بہت قریبی ساتھی...... کی اہلیہ تعزیت کے لیے آئیں تو بتانے لگیں کہ صبح کی نماز کے بعد مجھے سپیکر پر اپنے بیٹے کی اتنی آواز سنائی دی: "ہمارے.......... اور پھر خاموشی!

تین دفعہ ایسا ہی ہوا، آخری چوتھی دفعہ اُس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا:

"ہمارے...... کا انتقال ہوگیا ہے"۔

اور پھر روتے ہوئے کہنے لگیں: "آپ یقین کریں، اس دن ہماری پوری

بستی میں کسی نے چولہا نہیں جلایا''۔

جی ہاں! اپنی محبوب شخصیت کے بارے میں تو یہ احوال پسند کیے جاتے ہیں، لیکن اگر امام حسینؓ کے صدمہ جانکاہ کو یاد کر کے کسی کو رونا آ جائے، کوئی کھانا نہ پکائے اور کھانا نہ کھائے تو کہتے ہیں ''یہ شیعی ہے''۔

حالانکہ محبت کے آثار تو سب جگہ ایک سے ہی ہوتے ہیں!

ایک صاحب لکھتے ہیں:

''مرحوم میرے ساتھ میرے والد صاحب کے پاس آئے اور کہا کہ میں اِسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں اگر آپ اجازت دیں تو......؟ والد صاحب نے فرمایا: ''اسے ساتھ لے جانے کے لیے آپ کو کسی اجازت کی ضرورت نہیں، یہ آپ کا اپنا بچہ ہے......''

اور امام حسینؓ کے اعزہ نے اگر اپنے بچے ان کے ہمراہ کیے اور ان پر قربان کیے تو کہتے ہیں: ''خود بھی مرے رشتہ داروں کو بھی مروایا'' فانا للہ و انا الیہ راجعون

پھر لکھتے ہیں: ''مجھے ہر اُس شخص سے نفرت ہے جس نے مرحوم کو قصداً دکھ دیے خواہ وہ میرے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، اس لیے میں کسی کے آنسوؤں سے متاثر نہیں ہوتا، زندگی میں جس شخص کے ساتھ دو قدم نہ چلے، اب اس پر مرثیے لکھنے سے کیا ہوگا''

اور جس نے امام حسینؓ کو دکھ دیے، یہ حلقہ اُسی کی محبت میں مبتلا ہے، اُس کی رشتہ داری کو یاد کرتا ہے اور کٹا سر سامنے رکھ کر آنسو ٹپکانے کو اُس کی عظمت قرار دیتا ہے!

مزید لکھتے ہیں:

''جس درخت سے پیار ہوتا ہے اُس کے پھل بھی پیارے لگتے ہیں۔ ہمیں فلاں بزرگ کی اولاد سے اِسی لیے پیار ہے، دراصل اِن سے مل کر ہم اُن سے قربت محسوس کرتے ہیں......''

بالکل اسی طرح اگر رسول اللہ ﷺ سے اور علیؓ و فاطمہؓ سے پیار ہو تو ان

کے پھلوں حسنؓ حسینؓ سے پیار ہونا ایک فطری تقاضا ہے، اور جب حسنؓ اور حسینؓ کے قاتلوں اور ظالموں سے محبت رکھی جائے اور ان کی منقبت بیان کی جائے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ دراصل رسول اللہ ﷺ سے محبت میں کمی ہے!

ایک اور بات بڑے پتے کی لکھی!

''ہمارے لیے...... کے سب بچے محبوب کی تصویریں ہیں، کوئی شخص محبوب کی تصویروں کو بگاڑ کر محبوب سے محبت کا دعویٰ نہیں کر سکتا''۔

تو جن لوگوں نے شبیہ نبی ﷺ پر گھوڑے دوڑائے، سر اقدس نیزے پر چڑھایا، اہل بیتؓ کو بیڑیاں پہنائیں، پھر جن مقتدر لوگوں نے انہیں تحفظ دیا، یقیناً ان کے دل محبت رسول ﷺ سے خالی تھے، اور اب ان لوگوں کی وکالت وحمایت کرنے والے بھی یقیناً محبت سے تہی دامن ہیں، اور کیا عجب ہے کہ ان لوگوں نے اپنے پیاروں کے لیے محبت کا پیمانہ اور رکھا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے پیاروں کے لیے محبت کا پیمانہ اور!

دیکھیے ایسے لوگوں کے لیے قرآن کیا کہتا ہے:

''ویل للمطففین ۝ الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون ۝ واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون'' (المطففین:۱۔۳)

اہل بیتؓ سے صلح و جنگ

رسول اللہ ﷺ سے صلح و جنگ ہے

زیدؓ بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرمایا:

''جس نے ان سے جنگ کی، میری بھی اُس سے جنگ ہے اور جس نے ان سے صلح رکھی، میری بھی اُس سے صلح ہے'' (ترمذی، مشکوۃ: مناقب اہل بیتؓ)

اس ارشاد گرامی نے واضح کر دیا کہ ان حضرات اہل بیتؓ کی شخصیات کو رسول اللہ ﷺ سے الگ کر کے دیکھا جا سکتا ہے نہ پڑھا جا سکتا ہے۔

اب ہر شخص کو اپنا مقام اور انجام خود متعین کرنا چاہیے کہ وہ اہل بیتؓ کے بارے میں کیا نقطۂ نظر اور کیسے جذبات رکھتا ہے!

اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے والا

اہل بیتؓ سے بھی محبت رکھے گا

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ سے محبت کرو، اس لیے کہ وہ تمہیں نعمتیں بخشتا ہے،

اور اللہ کی محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو،

اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیتؓ سے محبت کرو''

(ترمذی، مشکوۃ: مناقب اہل بیتؓ)

اس ارشاد گرامی نے واضح کر دیا کہ اللہ، رسول اللہ ﷺ اور اہل بیتؓ کی محبت میں تفریق نہیں ہو سکتی، ایک کی محبت دوسرے سے اور دوسرے کی محبت تیسرے سے لازم ہے، جو ان میں کسی ایک کی محبت سے محروم ہے، وہ درحقیقت سب کی محبت سے محروم ہے!

حسنینؓ نہ صرف حیاتِ نبوی میں بلکہ وفاتِ نبوی کے بعد بھی آپ ﷺ کے زیرِ تربیت اور زیرِ ہدایت رہے

محدث احمد بن حجر ھیتمی مکیؒ (المتوفی ۹۷۴ھ) رقمطراز ہیں:

(ترجمہ) ''امام حسنؓ کو (بیت المال سے معاہدے کے مطابق) ایک لاکھ سالانہ عطیہ ملتا تھا، ایک سال معاویہؓ نے یہ عطیہ روک لیا، اس کی وجہ سے شدید تنگی ہوئی۔

امام حسنؓ فرماتے ہیں: میں نے دوات منگوائی کہ معاویہؓ کو اپنا حال لکھوں، لیکن پھر میں رک گیا، اس کے بعد میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا،

آپؐ نے پوچھا: حسن! کیسے ہو؟

میں نے عرض کیا: ٹھیک ہوں ابا جان! اس کے ساتھ میں نے عطیے میں تاخیر کی شکایت کی۔

فرمایا: کیا تم نے دوات منگوائی تھی کہ اپنا حال اپنے جیسے مخلوق کو لکھے؟

عرض کیا: جی یارسول اللہ! تو میں کیا کروں؟

فرمایا: یہ دعا کرو:

''اَللّٰهُمَّ اقْذِفْ فِيْ قَلْبِيْ رَجَاءَ كَ وَاقْطَعْ رَجَائِيْ عَمَّنْ سِوَاكَ حَتّٰى لَا اَرْجُوْ اَحَدًا غَيْرَكَ
اَللّٰهُمَّ وَمَا ضَعُفَتْ عَنْهُ قُوَّتِيْ وَقَصُرَ عَنْهُ عَمَلِيْ وَلَمْ تَنْتَهِ اِلَيْهِ رَغْبَتِيْ وَلَمْ تَبْلُغْهُ مَسَالَتِيْ وَلَمْ يَجْرِ عَلٰى لِسَانِيْ مِمَّا اَعْطَيْتَ اَحَدًا مِنَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ مِنَ الْيَقِيْنِ فَخُصَّنِيْ بِهِ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ''

''اے اللہ! میرے دل میں بس اپنے سے امید پیوست فرمادے اور اپنے سوا سے میری امید کاٹ دے، یہاں تک کہ میں تیرے

سوا کسی سے امید نہ رکھوں

اے اللہ! آپ نے اولین و آخرین میں سے کسی کو جو یقین عطا فرمایا ہے اور میری قوت اس کے بارے میں کمزور رہی، میرا عمل اس کے بارے میں کوتاہ رہا، میری رغبت کی اس تک رسائی نہ ہوئی، میری مانگ اُس تک پہنچ نہ سکی اور میری زبان پر وہ جاری نہ ہوا، تو اس (یقین کی دولت) سے مجھے مخصوص فرما اے ارحم الراحمین!''

امام حسنؓ فرماتے ہیں: واللہ ایک ہفتہ نہیں گذرا تھا کہ معاویہؓ نے پندرہ لاکھ بھیج دیے۔

میں نے کہا: ''اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ لَایَنْسیٰ مَنْ ذَکَرَہٗ وَلَایُخَیِّبُ مَنْ دَعَاہٗ''

''سب تعریف اُس اللہ کی جو اپنے ذاکر کو نہیں بھولتا اور اپنے سے دعا کرنے والے کو نامراد نہیں کرتا''

اس کے بعد پھر میں نے نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا،

آپؐ نے پوچھا: حسن! کیسے ہو؟

میں نے عرض کیا: بخیر ہوں یارسول اللہ! اور پورا قصہ بیان کیا۔

آپؐ نے فرمایا: میرے پیارے بیٹے! جو صرف خالق سے امید رکھے، مخلوق سے کوئی امید نہ رکھے، اس سے ایسا ہی معاملہ ہوتا ہے۔'' (الصواعق المحرقۃ: ۱۴۰)

سوچنے کی بات ہے کہ جس پدرِ مہربان ﷺ نے ایک ذاتی معاملے میں اپنے عزیز بیٹے کی یوں نگرانی فرمائی، امت اور خلافت کے معاملے میں کیا انہوںؐ نے اپنے بیٹوںؓ کو بے ہدایت رہنے دیا ہوگا؟

ہر گز نہیں، اس لیے کہ یہ حضرات اپنے اپنے دور میں صرف آپؐ کے بیٹے ہی نہ تھے، امت کے امام بھی تھے۔

اس خواب پر، اور اس جیسے دوسروں خوابوں پر، کسی کو تعجب نہ ہونا چاہیے، یہ حضور ﷺ کا معجزہ ہے، اور معجزے کی حقیقت یہ ہے کہ فعل اللہ کا ہوتا ہے، صادر پیغمبر کے ہاتھ سے ہوتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے، حضور اکرم ﷺ کی صورت مبارکہ میں لطیفۂ ہدایت ظاہر فرما دیتا ہے۔

آپ ﷺ کا یہ سلسلۂ معجزات اب بھی جاری و ساری ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ کی رسالت کا دور جاری ہے!

(**نوٹ**: امام حسنؓ کو رسول اللہ ﷺ نے جو دعا تلقین فرمائی، آج بھی کوئی شخص سات رات یہ دعا کرے تو اپنی مراد پائے، ہاں نماز کی پابندی اور حلال روزی ضروری ہے)

امام حسینؓ رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا ہیں

ام الفضلؓ لبابہ بنت حارث، جو حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کی اہلیہ اور ام المومنین میمونہؓ کی ہمشیرہ ہیں، بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے آج رات بہت برا خواب دیکھا ہے!

فرمایا: کیا خواب ہے؟

عرض کیا: بہت بھاری ہے

فرمایا: کیا ہے؟

عرض کیا: میں نے دیکھا گویا آپؐ کے جسم سے ایک ٹکڑا کاٹا گیا اور میری گود میں رکھا گیا۔

فرمایا: تو نے اچھا خواب دیکھا ہے، انشاء اللہ فاطمہؓ کے ہاں لڑکا ہوگا اور تمہاری گود میں دیا جائے گا۔

چنانچہ حسینؓ کی ولادت ہوئی اور میری گود میں ان کی پرورش ہوئی''

(بیہقی، مشکوۃ: مناقب اہل بیتؓ)

اس لیے جن لوگوں نے امام حسینؓ کو شہید کیا، انہوں نے درحقیقت رسول اللہ ﷺ کو شہید کیا!

امام حسینؓ کی شہادت پر خود رسول اللہ ﷺ غم زدہ ہوئے اور روئے

یہی ام الفضلؓ بیان کرتی ہیں کہ "جن دنوں امام حسینؓ میری گود میں تھے، میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور حسینؓ کو آپ کی گود میں رکھا، پھر جو میری توجہ ہوئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔

میں نے عرض کیا: یا نبی اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کو کیا ہوا؟

فرمایا: جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے بتلایا کہ میری امت میرے اس بیٹے کو قتل کرے گی۔

میں نے پوچھا: اِسے؟

فرمایا: ہاں، اور اِس کی تربت کی مٹی بھی لائے تھے، جو سرخ تھی" (بیہقی، مشکوۃ: مناقب اہل بیتؓ)

سلمیٰؓ سے روایت ہے کہ "میں ام المؤمنین ام سلمہؓ کے ہاں گئی تو وہ رو رہی تھیں۔

میں نے پوچھا: آپ رو کیوں رہی ہیں؟

فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے، یعنی خواب میں، آپؐ کے سر اور داڑھی پر مٹی ہے،

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کو کیا ہوا؟

فرمایا: "حسین قتل ہو گئے، میں ابھی وہاں تھا" (ترمذی، مشکوۃ: مناقب اہل بیتؓ)

اس سے معلوم ہوا کہ شہادت حسینؓ کا صدمہ معمولی صدمہ نہیں، آپؐ وفات کے بعد بھی اس پر غمزدہ اور دکھی ہوئے۔

یہ واقعۂ غم دس محرم کا ہے، اب باقی ایام کو چھوڑ کر دس محرم کو شادی کے لیے منتخب کرنا اور یہ دلیل دینا کہ شریعت میں اس روز شادی حرام نہیں ہے، نہایت درجہ بدذوقی اور سنگدلی ہے۔

دس محرم کو شادی یا کوئی تقریبِ مسرت از راہِ شریعت تو جائز ہے، لیکن از راہِ محبت جائز نہیں ہے۔

فرض کیجیے کسی کا پورا خاندان نہایت ظلم اور جبر سے قتل کر دیا جائے، خواتین کی توہین کی جائے اور پھر اس کی دادرسی بھی نہ ہوئی ہو، تو کیا وہ شخص زندگی بھر اُس روز کو، جس روز یہ سانحہ ہوا، شادی اور خوشی کے لیے منتخب کر سکتا ہے؟ جواب یقیناً نفی میں ہے۔ تو دس محرم رسول اللہ

ﷺ کے غم و حزن کا دن ہے، اور رسول اللہ ﷺ کا غم ہم سب کا غم ہے!

اضافہ: اس مقام پر کچھ احباب نے مسئلہ تشبہ کی طرف توجہ دلائی، میں نے عرض کیا کہ اگر غم میں ایک فرقے سے تشبہ ہے تو خوشی میں دوسرے فرقے سے، اور اس موقعے پر غم میں تشبہ اختیار کرنے میں ایمان کی سلامتی ہے، خوشی میں تشبہ ہلاکت اور بربادی ہے، اب فیصلہ خود کیجیے کہ آپ کس بات میں تشبہ اختیار کرتے ہیں؟

اور یہ مسئلہ تشبہ ایک نازک مسئلہ ہے، اس وقت جا بجا اس کا استعمال کیا جا رہا ہے، بات یہ ہے کہ کسی طبقے کی ہر ادا غلط نہیں ہوا کرتی، ورنہ آپ دین کی کتنی چیزوں کو اس تشبہ کی وجہ سے چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

اصل بات یہ ہے کہ گردش ایام کے اس مقام پر ہمارا غم کسی فرقے کی ہم آہنگی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس لیے ہے کہ اس دن خود رسول اللہ ﷺ غمناک ہوئے اور ہم آپ ؐ کے غم میں شریک ہوتے ہیں۔ تعجب ہے کسی ہمسائے، کسی دوست کے غم میں شرکت کو تو آپ اخلاقی فرض سمجھتے ہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ کے غم میں شرکت کو بدعت خیال کرتے ہیں۔

ذرا ناصبی سازش سمجھیے پہلے رسول اللہ ﷺ کے اہل بیتؓ کو تہ تیغ کیا پھر اس کاروائی کو خروج کے حکم سے شرعی جواز فراہم کیا، پھر اس ظلم پر اظہار غم کو بدعت قرار دیا اور آخرالامر ان ایام میں تقریبات مسرت کے انعقاد کو شریعت ٹھیرایا تاکہ یہ عظیم الشان قربانی اور اس کے مقاصد ذہنوں سے اوجھل ہو جائیں۔

کتنی سنگین سازش ہے جو شریعت کے عنوان سے پھیلائی گئی اور کتنے سادہ لوح ہیں وہ لوگ جو سنت کی محبت میں اس سازش کا شکار ہو جاتے ہیں!

کیا رسول اللہ ﷺ کا دل زخمی کرنے میں کوئی کمی رہ گئی تھی کہ اب اس سنگدلی سے پوری کی جا رہی ہے؟!

ان ایام غم میں تقریب مسرت کا انعقاد ۲۲ رجب کو کونڈے بھرنے کی طرح ہے، شریعت میں ۲۲ رجب کو کونڈے بھر کر صدقہ کرنے کی کہیں ممانعت نہیں ہے، تو کیوں روکا جاتا ہے اور خطبات و رسائل میں اس کی مذمت کی جاتی ہے؟ بس جس بنا پر وہاں منع کیا جاتا ہے اُسی بنا پر یہاں منع کیا جا رہا ہے۔

علاوہ ازیں مصائب اہل بیتؓ درحقیقت مصائب اسلام ہیں اور ان مصائب پر گریہ خود

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا، صحابہ کرامؓ نے کیا، امام ابوحنیفہؒ نے کیا اور ملا علی قاریؒ نے تو اس مذکورہ بالا روایت اُم سلمہؓ کے ذیل میں امام احمد بن حنبلؒ کی سند سے یہ روایت ذکر فرمائی ہے:

(ترجمہ) ''حسنؓ بن علی فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے (غم) میں جس کی آنکھیں نمناک ہوئیں یا اس کی آنکھوں سے کوئی آنسو ٹپک پڑا تو اللہ عزوجل اسے جنت عطا فرمائے گا'' (مرقاۃ: ۱۱/۳۹۱)

مجھے اس وقت اس روایت کی قوت یا ضعف سے بحث نہیں، جس درجے کا عمل ہے، اس کے لیے اتنی روایت بھی کافی ہے، میں تو بس یہ کہتا ہوں کہ یہ روایت بیان کرنے سے اگر امام احمد بن حنبلؒ اور ملا علی قاریؒ اور اس سند کے تمام راوی بدعتی نہیں بنے، سنی ہی رہے تو میں بھی اسے نقل کر کے اور اس پر عمل کر کے سنی ہی رہوں گا، اور دورِ فتنہ کے سنیوں کی نسبت قرونِ خیر کے ان اہل سنت کی رفاقت ہمارے لیے دنیا اور آخرت میں کافی ہے۔

غمِ امامؓ کے ضمن میں ہمارا مجرمانہ رویہ

امام مظلومؓ کے غم میں آج تک جتنے آنسو بہائے گئے، اگر انہیں اکٹھا کیا جائے تو آنسوؤں کا فرات بہہ نکلے!

امام عالی مقامؓ کے مصائب پر دلوں سے اٹھنے والی آہیں اگر مجسم ہوں تو آہوں کا ہمالیہ وجود میں آجائے!

امام مظلومؓ کے غم زدگان جمع ہو کر ہاتھوں کی زنجیر بنائیں تو پوری دنیا گھیرے میں ہو!

کاش آنسوؤں کے اس فرات میں طاغوتی نظام کو ڈبو یا جاتا!

کاش آہوں کا یہ ہمالیہ عصر حاضر کے فرعونوں پر گرایا جاتا!

کاش ہاتھوں کی یہ زنجیر مظلوموں کی دستگیر بن کر ظالموں کو اسیر کرتی!

لیکن افسوس صد افسوس!

ہم نے امامؓ متاعِ اسلام کی عظیم قربانی کو فرقہ بازی کی نذر کر دیا!

یہ غم بالائے غم اور ستم بالائے ستم ہے!

دکھ یہ ہے کہ وہ ستم غیروں نے کیا، یہ ستم اپنے کر رہے ہیں!

فانا للہ وانا الیہ راجعون

امام حسینؓ کے قتل ناحق پر آسمان بھی رویا

سورۃ الدخان میں اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کی غرقابی کے تذکرے کے بعد فرمایا:

ترجمہ: ''پھر نہ رویا اُن پر آسمان اور زمین اور نہ ملی اُن کو ڈھیل'' (الدخان:۲۹)

اس سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اہل حق کی وفات یا شہادت پر آسمان اور زمین روتے ہیں۔ علامہ عثمانیؒ آیت مذکورہ بالا کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''روایات میں ہے کہ مومن کے مرنے پر آسمان کا وہ دروازہ روتا ہے جس سے اس کی روزی اترتی تھی یا جس سے اُس کا عمل صالح اوپر چڑھتا تھا اور وہ خطۂ زمین روتا ہے، جہاں وہ نماز پڑھتا تھا یعنی افسوس وہ سعادت ہم سے چھن گئی۔ کافر کے پاس عمل صالح کا بیج ہی نہیں، پھر اس پر آسمان یا زمین کیوں روئے؟ بلکہ شاید خوش ہوتے ہوں گے کہ چلو پاپ کٹا ''خس کم جہاں پاک'' (تفسیر عثمانیؒ)

حسینؓ تو سرفروشان محبت کے امام تھے، ان کے قتل ناحق پر آسمان اور زمین کیسے گریہ نہ کرتے!

ابن حجر مکیؒ روایات نقل فرماتے ہیں، اور یہ روایات درالسحابہ ۲۹۷، ۲۹۸ پر بھی منقول ہیں:

''آپؓ کے قتل کے روز آسمان شدید سیاہ ہو گیا، حتیٰ کہ دن میں تارے نظر آنے لگے''۔

''اُس دن آسمان سے خونیں بارش ہوئی''

''اُس دن جو پتھر بھی اٹھایا گیا، اس کے نیچے سے تازہ خون برآمد ہوا''

ثعلبی کا بیان ہے کہ ''قتل حسینؓ پر آسمان نے گریہ کیا اور آسمان کا گریہ اُس کی سرخی ہے''

دوسرے محدثین نے کہا: ''قتل حسینؓ کے بعد چھ ماہ آسمان کے آفاق سرخ رہے''

ابن جوزیؒ، جو روایات کی تنقید میں منفرد مقام رکھتے ہیں، یہ روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''آسمان کی سرخی کی حکمت یہ ہے کہ جب انسان غضب آلود ہوتا ہے تو چہرہ سرخ ہو جاتا ہے، ذاتِ حق جسم اور جسمانی عوارض سے پاک ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے قاتلین حسینؓ پر اپنے غضب کا اظہار آسمان کی سرخی سے کیا۔'' (الصواعق: ۱۹۴)

امام حسینؓ کے قتل ناحق پر ان حوادث کے ظہور سے تعجب نہیں ہونا چاہیے، تاریخ میں ایسے واقعات ملتے ہیں، شاہد کے طور پر ایک واقعہ ہدیۂ قارئین ہے۔

حضرت سیدی مولہؒ دہلی میں سلطان جلال الدین خلجی کے عہد میں ایک بزرگ ہوئے ہیں، صاحب کرامت تھے، جود وسخا میں ممتاز تھے، آپ کی خانقاہ میں ہمہ وقت ہجوم رہتا تھا۔

خلجی کو اپنے اقتدار کے خلاف سازش کی اطلاع ملی، محض شبہ میں، دوسرے لوگوں کے ساتھ، سیدی مولہؒ کو باندھ کر لایا گیا، پہلے زخمی کیا گیا، پھر ہاتھی کے پاؤں تلے مسل ڈالا گیا۔

اس پر مولانا ضیاء الدین برنیؒ تاریخ فیروز شاہی میں رقمطراز ہیں:

''مجھے یاد ہے کہ جس روز سیدی مولا کا قتل ہوا، ایک سیاہ طوفان آیا اور تاریکی چھا گئی، سیدی مولا کے قتل کے بعد ملک میں طرح طرح کے فتور پیدا ہو گئے، بزرگوں نے کہا کہ کسی درویش کو قتل کرنا نحس ہے اور کسی بادشاہ کو راس نہیں آتا، سیدی مولا کے قتل کے بعد اس سال بارش نہیں ہوئی، دہلی میں قحط پڑ گیا اور غلہ ایک جیتل میں ایک سیر ملنے لگا، شوالک کے علاقے میں ایک قطرہ بھی بارش نہیں ہوئی، اس زمین کے ہندو عورتوں اور بچوں کے ساتھ دہلی چلے آئے، بیس بیس اور تیس تیس آدمی ایک جگہ رہتے اور بھوک سے بے تاب ہو کر اپنے کو جمنا میں غرق کر دیتے تھے، ادنیٰ لوگ سلطان اور امراء کے صدقات پر زندگی بسر کرتے تھے''۔

اور اخبار الاخیار کے مصنف کا بیان ہے:

''جس روز سیدی مولہ کا قتل ہوا، بے انداز باد و غبار فضا میں اٹھا، دنیا تاریک ہو گئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قیامت آ گئی ہے۔ سلطان جلال الدین نے یہ حال دیکھا تو سیدی مولا سے اُس کو اعتقاد پیدا ہو گیا، جو پہلے نہ تھا''۔ (بزم صوفیہ: ۲۴۵)

ابھی حال ہی میں امریکہ نے عراق پر جو بلا جواز یلغار کی تھی، ان دنوں میں ۲۰ مارچ ۲۰۰۳ء کو یہ خبر چھپی کہ کربلا کے قریب صحرا میں گرد و غبار کا ایسا طوفان اٹھا کہ فوجی قافلے رُک گئے، چہار طرف ایسا اندھیر چھا گیا کہ آنکھیں اور دوربینیں کام نہ کرتی تھیں، سانس لینا دشوار ہو گیا، موٹی ریت نے ٹینک جام اور ہتھیار بے کار کر دیے۔ طوفان کا یہ سلسلہ کئی روز رہا۔

یہ پندرھویں صدی میں ہوا۔
پہلی صدی میں اہل بیت اطہارؓ کے قتل ناحق پر

کربلا کا آسمان اشکبار ہو،
کربلا کی زمین دلفگار ہو
اور کربلا کی فضا سوگوار ہو
تو اس پر حیرانی کیسی!

رسول اللہ ﷺ پر کیا گذری ہوگی

ابن جوزیؒ فرماتے ہیں:

''غزوۂ بدر میں عباس (جو اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) گرفتار ہوکر آئے، تو اُن کے رونے کی آواز سے حضور اکرم ﷺ کو نیند نہیں آئی، تو حسینؓ کے رونے سے آپ کا کیا حال ہوا ہوگا!''

''سیدنا حمزہؓ کے قاتل وحشیؓ (قبول اسلام کے بعد) جب بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا: مجھے اپنا چہرہ مت دکھایا کرو، جس نے میرے پیاروں کو قتل کیا، میں اس کا چہرہ دیکھنا نہیں چاہتا.......... حالانکہ اسلام گذشتہ جرائم کو مٹا دیتا ہے، اس کے باوجود آپؐ کے قلب اطہر کی حالت یہ ہوئی۔

تصور کیجئے جب رسول اللہ ﷺ اُن لوگوں کو دیکھیں گے جنہوں نے آپؐ کے لاڈلے حسینؓ کو ذبح کیا، انہیں قتل کرنے کا حکم دیا اور اہل بیتؓ کو (کجاووں کے بغیر) اونٹوں کی ننگی زینوں پر رسیوں میں جکڑ کر سوار کیا اور رسول اللہ ﷺ کی عفت مآب بیٹیوں کو بے حجاب کیا، تو آپؐ کے دل کی کیفیت کیا ہوئی ہوگی!''

(الصواعق المحرقہ: ۱۹۴، ۱۹۵)

اللہ کی عدالت میں اہل بیتؓ کے قتل ناحق کا مقدمہ رسول اللہ ﷺ خود دائر کریں گے

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ”میں نے ایک دن دوپہر کو خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، بال بکھرے ہیں، جسم غبار آلود ہے اور آپؐ کے ہاتھ میں خون بھری ایک شیشی ہے۔

میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! یہ کیا ہے؟

فرمایا: ”یہ حسین اور اس کے اصحاب کا خون ہے، اور آج پورا دن میں یہ خون جمع کرتا رہا ہوں“۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں، میں نے وہ وقت نوٹ کر لیا، پھر پتہ چلا کہ امام حسینؓ اُسی وقت شہید ہوئے تھے“۔ (بیہقی، مشکوٰۃ: مناقب اہل بیتؓ)

شرعی ضابطہ ہے کہ جن مظالم کا اس دنیا میں فیصلہ نہیں ہوا یا غلط ہوا تو قیامت کے دن اُن مظالم کا فیصلہ اللہ تعالیٰ خود فرمائے گا۔

امام حسینؓ اور شہداء کربلاؓ پر جو مظالم ہوئے، ظالم حکومت کی وجہ سے دنیا میں اُن کا فیصلہ نہیں ہوا۔

اب روز جزا اللہ کی عدالت میں یہ مقدمہ رسول اللہ ﷺ خود دائر کریں گے۔ ابن عباسؓ کے خواب میں شیشی میں خون اکٹھا کرنا اسی طرف اشارہ ہے کہ یہ خون رائیگاں نہیں جائے گا، خاندان کے سربراہ کی حیثیت میں میں خود اس کا مدعی ہوں گا!

اور جس مقدمے میں مدعی رسول اللہ ﷺ ہوں، مدعا علیہ یزیدی حکومت ہو اور قاضی خود اللہ جل جلالہ ہو، اس کا فیصلہ معلوم ہے!

لہٰذا یزید کے مناقب بیان کرنے والوں اور یزیدی اقدامات کی حمایت میں کتابیں لکھنے والوں کو اپنے انجام کی فکر کرنی چاہیے۔

علیؓ کی شخصیت میں مسیحؑ کی شخصیت کا پرتو ہے اور حسینؓ کی مظلومی میں مسیحؑ کی مظلومی دکھائی دیتی ہے

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تجھ میں عیسیٰؑ کی کچھ شان پائی جاتی ہے، یہود نے اُن سے بغض رکھا، اتنا کہ ان کی اماں پر بہتان لگا دیا اور نصاریٰ نے اُن سے محبت کی اتنی کہ انہیں وہ مرتبہ دے دیا، جو اُن کا نہیں تھا''

پھر علیؓ نے فرمایا: ''میرے حوالے سے دو طرح کے آدمی ہلاک ہوں گے:
ایک مجھ سے حد سے زیادہ محبت کرنے والا جو میری غیر واقعی تعریف کرے،
اور دوسرا مجھ سے بغض رکھنے والا کہ میری عداوت اُسے مجھ پر بہتان لگانے پر آمادہ کرے'' (احمدؒ، مشکوۃ: مناقب علیؓ)

حضرت مسیحؑ کے بارے میں یہود بغض و عناد اور گستاخی کی وجہ سے تباہ ہوئے اور نصاریٰ محبت میں غلو اور افراط عقیدت کی وجہ سے گمراہ ہوئے۔

حضرت علیؓ کے حوالے سے بھی ایک گروہ بغض اور گستاخی کی وجہ سے ملعون قرار پایا ہے اور دوسرا گروہ محبت میں غلو کی وجہ سے گمراہ ہوا ہے۔

اس طرح امت میں حضرت علیؓ کی شخصیت مثیل مسیحؑ ہے۔

اس روایت میں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ محبت میں تو آپ ﷺ نے افراط کی قید لگائی، لیکن بغض کو مطلق رکھا، یہ اس حقیقت کو واضح کر رہا ہے کہ علیؓ کی محبت میں تو افراط باعث ہلاکت ہے، جیسا کہ نصاریٰ کا معاملہ ہوا، لیکن بغض میں افراط نہیں بلکہ ذرا سا بغض بھی مسلمان کی آخرت برباد کر دے گا۔

سیدنا علیؓ عقیدت کے علاوہ دعوت و اصلاح اور حقائق و معارف کے تمثیلاتی بیان میں اور زہد و تقویٰ میں حضرت مسیحؑ کے مثیل ہیں تو آپؓ کے فرزند ارجمند

سیدنا امام حسینؓ استقامت اور مظلومیت میں سیدنا مسیح ؑ کے مثیل ہیں:

☆ مسیحؑ کو اپنی ہی قوم نے ستایا، امام حسینؓ کو بھی اپنی ہی قوم نے دکھ دیے،

☆ مسیحؑ شاہی جبر کا نشانہ بنے، حسینؓ بھی شاہی جبر سے ٹکرائے،

☆ مسیحؑ نے جبر کا مقابلہ صبر سے کیا، امامؓ نے بھی جبر کی چالیں صبر سے ناکام کیں،

☆ صبر کے صلے میں مسیحؑ کو اللہ نے رفعت عطا فرمائی، امامؓ کو بھی رفعت شان کا انعام ملا،

☆ مسیح ؑ کے اٹھ جانے کے بعد لوگوں کو خسارے کا احساس ہوا اور وہ آپؑ کے دائرۂ اتباع میں داخل ہونے لگے، امامؓ کی شہادت کے بعد بھی لوگوں کو شدید تاسف ہوا اور آپؓ کا دائرۂ عقیدت بھی مسلسل وسیع ہو رہا ہے۔

☆ قرآن کے مطابق مسیحؑ قیامت کی علامت ہیں ''وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ'' (زخرف: ٦١) اور امام حسینؓ اب قیامت تک خلافت کی علامت ہیں۔

☆ اور عجب ہے کہ مسیح ؑ کے رفقاء و تلامذہ بھی بہتر (72) تھے، (جیسا کہ انجیل برناس، فصل: ۲۲۱، آیت: ٦، ١٠ میں مذکور ہے) اور امام حسینؓ کے رفقاء بھی بہتر (72) تھے:

دشمناں چوں ریگِ صحرا لاتُعَد
دوستانِ او بہ یزداں ہم عدد

(کلیات اقبالؒ، فارسی: ۱۱۱)

انبیاءؑ کے ساتھ یہ مماثلت کیوں نہ ہو؟

پیغمبر اعظم ﷺ کا گھرانہ ہے اور پیغمبروں کی اولاد ہے، پیغمبرانہ عزائم اور پیغمبرانہ کردار کے وارث یہ نہیں ہوں گے تو کون ہوگا؟

یہ جو فرمایا: ''میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مثل ہیں''

اس ارشاد کا مصداق اولین ائمہ اہل بیتؓ ہیں!

پیغمبروںؑ کی زبان سے قاتلینِ حسینؓ پر لعنت

ام المؤمنین ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جبریلؑ نے رسول اللہ ﷺ کو شہادت گاہ حسینؓ کی کچھ کنکریاں دی تھیں اور آپؐ نے انہیں ایک شیشی میں رکھوا دیا تھا، جب حسینؓ کی شہادت ہوئی تو اس شب میں نے ایک ہاتف غیبی کو یہ کہتے ہوئے سنا:

ایھا القاتلون جھلاً حسیناً

ابشروا بالعذاب والتذلیل

قدلعنتم علی لسان ابن داؤ

د و موسی و حامل الانجیل

ترجمہ: "ازراہ جہل و تعصب حسینؓ کو قتل کرنے والو! تمہیں

عذاب اخروی اور ذلت دنیوی کی بشارت ہو،

ابن داؤدؑ، موسیٰ اور حامل انجیل عیسیٰ کی زبان سے تم ملعون قرار پائے ہو"۔

یہ سن کر میں رو پڑی اور میں نے وہ شیشی کھولی تو کنکریاں خون بن چکی تھیں"

(الصواعق المحرقہ: ۱۹۳)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیلی انبیاء کرامؑ کے یہاں شہادت امام حسینؓ کا تذکرہ رہا۔

مدینہ میں کنکریوں کا خون بنا تعجب خیز نہیں، روایت گزر چکی ہے کہ اس دن جو پتھر بھی اٹھایا گیا اس کے نیچے سے تازہ خون برآمد ہوا۔

گویا یہ ایسا دردناک سانحہ تھا کہ پتھروں کے دل پگھل گئے اور وہ بھی خون کے آنسو روئے!

اور یہ تو تھیں ہی شہادت گاہ کی کنکریاں!

گذشتہ صفحات میں امّ الفضلؓ کی روایت میں مذکور ہے کہ جبریلؑ نے آپؐ

کو تربت حسینؓ کی سرخ مٹی دی تھی۔

اس روایت میں مذکور کنکریاں وہی سرخ مٹی ہے، جو آپؐ نے شیشی میں رکھوادی، اور یہ شیشی ام سلمہؓ کے پاس رہی۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت عائشہؓ اور دوسری ازواج مطہراتؓ کے ہوتے ہوئے آپؐ نے جبریل امینؑ کی دی ہوئی امانت حضرت امّ سلمہؓ کے سپرد کی، کسی اور کو نہیں دی!

واقعۂ کساء بھی حضرت ام سلمہؓ کے یہاں پیش آیا!

مناقب اہل بیتؓ کی بہت سی روایات بھی آپؓ سے ہی مروی ہیں!

وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نگاہ نبوت سے دیکھ رہے تھے کہ دور ابتلا میں ازواج مطہراتؓ میں سے صرف ام سلمہؓ ہی زندہ ہوں گی اور وہی ان واقعات کو بیان کریں گی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا!

اس اعتبار سے یہ روایت دلیل نبوت بھی ہے۔ صلی اللہ علیہ و آلہ وبارک وسلم

(حضرت امّ سلمہؓ کا تمام ازواجؓ کے بعد ۸۴ برس کی عمر میں ۶۲ھ یا ۶۳ھ میں انتقال ہوا۔ سیرۃ النبی ﷺ :۲/۴۲۵)

فرات کنارے ایک ذبیحہ
بائبل میں ذکر حسینؓ؟

عہد نامہ قدیم میں خداوند کا کلام، جو یرمیاہؑ نبی پر اقوام کی بابت نازل ہوا، مذکور ہے۔ شاہ بابل بنوکدرضر نے شاہ مصر فرعون نکوہ کو شکست دی تھی، فرعون کی فوج دریائے فرات کے کنارے ''کرکمیس'' میں ڈیرا ڈالے ہوئے تھی، اس پس منظر میں مصری فوج کو ہدایات دی گئیں، ان کی ہمت بڑھائی گئی اور انتقام لینے پر ابھارا گیا، ان ہدایات کے آخر میں مذکور ہے:

''خداوند رب الافواج کے لیے شمالی سرزمین میں دریائے فرات کے کنارے ایک ذبیحہ ہے'' (یرمیاہ ۴۶:۱۰)

مجھے معلوم نہیں کہ بائبل کے شارحین اس آیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں، میں تو یہ کہتا ہوں کہ تاریخ انسانی میں فرات کنارے ''خداوند کے لیے ایک ذبیحہ'' حسینؓ کے سوا کون ہوا!

قرآن مجید میں گزشتہ امت کا ''ایک ذبح عظیم'' مذکور ہے۔ ابوالکلامؒ اور اقبالؒ کے اشارات کی روشنی میں ہماری امت کے ذبح عظیم حسینؓ ہیں، جو فرات کنارے اللہ کی راہ میں ذبح ہوئے۔

ام سلمہؓ کی مذکورہ بالا روایت سے یہ معلوم ہوا تھا کہ اسرائیلی پیغمبروںؑ میں شہادت امامؓ کا ذکر رہا، اس قرینے کی روشنی میں دیکھا جائے تو بائبل کی اس آیت میں ''ایک ذبیحہ'' سے مراد امام حسینؓ ہی ہیں، اور اس باب میں مصری فوج کو جو فتح کی بشارت سنائی گئی ہے، وہ اسی ''ایک ذبیحہ'' کے صدقے میں ہے۔

یہ خیال نہ کیا جائے کہ شہادت امامؓ اور قاتلین پر لعنت کا اب بائبل میں ذکر نہیں ملتا، اس لیے کہ قرآن کا بیان ہے کہ اہل کتاب نے تحریف و ترمیم سے اصل

کتاب کی صورت بگاڑ ڈالی ہے۔

خود رسول اللہ ﷺ کے بارے میں قرآن مجید میں ہے:

"الذی یجدونہ مکتوباً عندھم فی التوراۃ والانجیل"

(اعراف:۱۵۷)

لیکن موجودہ بائبل میں صراحت سے حضور ﷺ کا ذکر کہاں ملتا ہے؟ ہاں "انجیل برنباس" میں موجود ہے، لیکن موجودہ مسیحی اس انجیل کی صحت کا انکار کرتے ہیں!

صحابہ کرامؓ کی اللہ تعالیٰ نے دو مثالیں بیان فرما کر بتلایا:

"ذلک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل"

(الفتح:۲۹)

لیکن اب بائبل میں یہ مثالیں اس حوالے سے کہاں ملتی ہیں؟

یزید کی نوخیز امارت پر انجیل میں لعنت

مسند احمد میں عامر شعبیؒ سے روایت ہے کہ عامر بن شہرؓ نے فرمایا: ''(ایک معاملے میں) میں نے دو باتیں سنی ہیں، ایک بات نبی ﷺ سے اور دوسری نجاشی سے، رسول اللہ ﷺ کو تو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''قریش کو دیکھو، ان کا قول تو لے لو اور ان کے فعل چھوڑ دو'' ...... اور جب میں ہجرت کر کے حبشہ گیا تھا تو ایک دن نجاشی کے پاس بیٹھا تھا کہ اس کا بیٹا آیا اور انجیل کی ایک آیت پڑھی، میں نے اس آیت کو پہچان لیا اور اسے سمجھ کر ہنس دیا۔

نجاشی نے کہا: تم اللہ کی کتاب پر یوں ہنستے ہو؟

میں نے کہا: اللہ کی قسم جو کتاب عیسیٰؑ پر نازل کی گئی ہے، اس میں ایک آیت یہ بھی ہے: "ان اللعنة تکون فی الارض اذا کان امراء ھا الصبیان" (جب ملک کے اُمرا بچگانہ مزاج نوجوان ہوں گے تو ملک پر لعنت پڑے گی) (مسند احمد: ۴۲۸/۳)

''اس روایت میں رسول اللہ ﷺ نے جن قریش کا ذکر کیا، اس سے مراد نوخیز قریشی امراء ہیں، جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے:

"ھلاک امتی علی یدی غلمة سفھاء من قریش"

(مسند احمد: ۲۸۸/۲)

(''میری امت قریش کے چند بیوقوف لڑکوں کے ہاتھوں تباہ ہوگی'')

یہ بیوقوف لڑکے یزید، زیاد، عبید اللہ بن زیاد، مروان، عبد الملک بن مروان، حجاج بن یوسف وغیرھم ہیں، جن کی غلط کاریوں کی وجہ سے ساری امت پر مصیبت آئی۔ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسینؓ کو شہید کرنے والے اسی قسم کے لوگ تھے..... خلفائے راشدینؓ کے بعد جب زمام حکومت بچوں کے ہاتھ میں آئی تو سارا اجتماعی نظام درہم برہم ہوگیا اور ساری امت خلفشار کا شکار ہوگئی، یہ ایسا سخت خلفشار تھا

جس کے بعد اصلاح کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی......'' (دروس الحدیث:۱/۱۹۶)

اس روایت سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ امام حسینؓ کے عہد کا گذشتہ انبیاء کرامؑ سے لے کر نبی آخر الزمان ﷺ تک تذکرہ رہا۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی جن لوگوں نے بچگانہ مزاج، لاابالی پن اور حرص و ہوس میں اندھے ہو کر امام حسینؓ کی مخالفت کی، پیغمبروںؑ نے ان کے دور امارت کو باعث لعنت و ہلاکت قرار دیا ہے۔

چھ آدمیوں پر اللہ اور رسول ﷺ کی لعنت

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''چھ آدمیوں پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور میں بھی ان پر لعنت کرتا ہوں، اور ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے:

۱۔ کتاب اللہ میں اضافہ کرنے والا

۲۔ اللہ کی تقدیر کو جھٹلانے والا

۳۔ میری امت پر جبر و جور سے مسلط ہونے والا، تا کہ جنہیں اللہ نے عزت مند قرار دیا ہے، انہیں ذلیل کرے اور جنہیں اللہ نے ذلیل ٹھہرایا ہے، انہیں معزز بنائے۔

۴۔ اللہ کے حرم کو حلال کرنے والا۔

۵۔ میری عترت کو اللہ نے جو حرمت عطا فرمائی ہے، اُسے پامال کرنے والا۔

۶۔ سنت کو (معمولی اور غیر ضروری سمجھ کر) ترک کرنے والا''

(روح المعانی: ۲۶/۲، مستدرک حاکم: ص ۴۰، حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث معیار بخاریؒ کے مطابق صحیح ہے، اسے نسائی، بیہقی اور رزین نے بھی روایت کیا ہے۔ مشکوۃ مع مرقاۃ: ۱/۱۸۰)

اس حدیث میں حرم پاک کے ساتھ عترت پاک کا ذکر عترت کی عظمت وفضیلت کو ظاہر کر رہا ہے اور یہ بتلا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے حرم کا احترام لازم ہے تو رسول اللہ ﷺ کی نسبت سے عترت کا احترام لازم ہے۔

امام حسینؓ کے قاتلوں اور گستاخوں سے خدائی انتقام

''امام حاکمؒ نے کئی سندوں سے ابو نعیم سے روایت کیا ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبریل نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں نے یحییٰ بن زکریا کے خون کے بدلے میں ستر ہزار قتل کیے اور میں حسین بن علی کے خون کے بدلے میں بھی ستر ہزار قتل کروں گا'' (الصواعق: ۱۹۹)

حضرت یحییٰؑ کے قتل ناحق کے بعد بنی اسرائیل میں فتنہ پھوٹ پڑا، جس میں ہزاروں لوگ قتل ہوئے، اسی طرح امام حسینؓ کے قتل ناحق کے بعد سے اب تک ہزاروں لوگ اسی حوالے سے قتل ہو چکے ہیں اور خدا جانے مزید کتنے ہوں گے۔ اس خون ریزی کا وبال اُن لوگوں پر ہے، جنہوں نے اپنے ذاتی اور سیاسی مفاد کے لیے ناحق قتل کیا۔

یوں تو ہر قتل ناحق سنگین جرم ہے، لیکن پیغمبر کا قتل سنگین ترین جرم ہوتا ہے، یہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ ٹکراؤ ہوتا ہے، اس لیے اس کی سزا بھی نہایت سنگین دی جاتی ہے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حسینؓ کے خون کو پیغمبر کے خون کی حرمت عطا فرمائی، اس لیے کہ اپنے عہد میں آپ ہی سیدنا خاتم الانبیاء ﷺ کے سچے وارث اور شبیہ تھے، اس روایت سے امام حسینؓ کی عظمت شان بھی واضح ہوتی ہے۔

(حاکمؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے، ذھبیؒ نے تصحیح میں موافقت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت امام مسلمؒ کی شرط کے مطابق ہے۔ الصواعق: ۲۰۰)

''امام زھریؒ فرماتے ہیں: جو جو لوگ امام حسینؓ کے قتل میں شریک ہوئے، وہ سب دنیا ہی میں خدائی انتقام کی لپیٹ میں آئے، ان میں سے کچھ قتل ہوئے، کچھ

بینائی سے محروم ہوئے، کچھ کے چہرے سیاہ ہو گئے اور کچھ تھوڑی ہی مدت میں اقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھے"۔ (الصواعق: ۱۹۵)

امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: "قاتلین حسینؓ سے خدائی انتقام کے بارے میں جو روایات وارد ہوئی ہیں، وہ اکثر صحیح ہیں۔ جو جو لوگ اس قتل ناحق میں شریک رہے، ان میں سے شاید ہی کوئی دنیوی زندگی میں آفت اور مصیبت سے بچا ہو، ان میں سے ہر شخص دنیا ہی میں کسی خوفناک مرض میں ضرور مبتلا ہوا اور اکثر تو پاگل ہو گئے"۔

(الصواعق: ۱۹۵۔ حاشیہ)

آیئے! تاریخ کی زبان سے چند قاتلوں کا عبرت ناک انجام سنتے ہیں:

یزید کا انجام

بندر کی فطرت میں خست، دنائت، مکر و فریب، حیلہ سازی اور شہوت پرستی ہے۔ غالباً اللہ تعالیٰ نے اسی لیے بنی اسرائیل کو یوم سبت کے بارے میں حیلہ سازی کی سزا یہ دی کہ انہیں بندر بنا دیا۔

فرمایا: "کونوا قردۃ خاسئین" (البقرۃ: ۶۵، الاعراف: ۱۶۶)

یزید کی طبیعت میں بھی ایسے ہی اوصاف پائے جاتے تھے، اسی لیے انسانوں پر تسلط پانے کے باوجود اُس کا طبعی میلان جانوروں بالخصوص بندروں کی طرف رہا۔

ابن کثیرؒ یزید کے مشاغل کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"بندروں کو زرنگار ٹوپیاں اڑھاتا تھا، ریچھ اور بندر کے درمیان لڑائی کا کھیل کھیلتا تھا، جب کوئی بندر مر جاتا تو اس پر غمگین رہتا تھا، کہا جاتا ہے کہ اس کی موت کا سبب بھی یہ ہوا کہ ایک بندریا اٹھا کر نچا رہا تھا کہ اُس نے اسے کاٹ کھایا"۔

(تاریخ ابن کثیر: ۸/۲۳۶)

طبی اندازہ یہ ہے کہ جیسے کتے کے کاٹنے سے انسان باؤلا ہو جاتا ہے، اسی

طرح بندر کے زہر سے بھی انسان بندر جیسی حرکتیں کرتے ہوئے مرتا ہے۔ گویا حیلہ ساز اور مکار اسرائیلیوں کی سزا کا ایک نمونہ اللہ تعالیٰ نے پھر دکھلا دیا۔

کیا اب بھی یقین نہیں آتا: "ان اللہ عزیز ذو انتقام"!

حکومت چھن گئی

یزید کی حکومت تین سال نو ماہ رہی، پھر اس کے بیٹے معاویہ کو حکومت سونپی گئی، لیکن وہ بھی اس جابرانہ حکومت کا بوجھ برداشت نہ کر سکا اور چالیس ہی دن میں حکومت سے الگ ہوگیا، پھر علیحدگی سے چالیس یا ستر روز بعد ۲۱ یا ۲۳ برس کی عمر میں اس جہان ہی سے لاولد رخصت ہوگیا۔ (حیاۃ الحیوان: ۱/۸۹،۸۸)

جس حکومت کو خاندانی اور موروثی بنانے کے لیے اتنے جتن کیے تھے، وہ اتنی قلیل مدت میں ریت کی طرح ہاتھوں سے سرک گئی!

یوں قرآن کا بیان کس شان سے پورا ہوا:

"خسر الدنیا و الآخرۃ ، ذلک ھو الخسران المبین" (الحج:۱۱)

نسل مٹ گئی

یزید نے امام حسینؓ اور اہل بیتؓ کو بے دریغ تہ تیغ کر کے آل محمد ﷺ کا نام و نشان مٹانا چاہا تھا، لیکن مالک الملک کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

شہادت کے وقت امام حسینؓ کی صلبی نرینہ اولاد میں صرف امام زین العابدینؓ زندہ بچے تھے، جبکہ یزید کی موت کے وقت اُس کی صلبی اولاد کی تعداد بیس تھی، جن میں پندرہ لڑکے تھے اور پانچ لڑکیاں۔

آج حسینی سادات تو اسلامی ممالک کے گوشہ گوشہ میں آپ کو مل جائیں گے، لیکن یزید کی نسل اُسی زمانہ سے ایسی نابود ہونا شروع ہوئی کہ آج روئے زمین پر آپ کو کوئی یہ کہنے والا نہیں ملے گا کہ میں یزید کی نسل سے ہوں:

شبیرؓ کے فرزند تو لاکھوں ہیں مگر
ڈھونڈو بھی تو ملتی نہیں اولاد یزید

حافظ ابن کثیرؒ نے تصریح کی ہے: "سب ایسے ختم ہوئے کہ یزید کی نسل میں سے کوئی ایک بھی تو باقی نہ بچا"! (تاریخ ابن کثیر: ۸/۲۲۷)

اللہ تعالیٰ نے بالکل سچ فرمایا: "ان شانئک ھو الابتر"

قاتلین روندے گئے

یزیدی قاتلوں نے شہداء کربلا کی لاشوں پر گھوڑے دوڑائے تھے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی دنیا میں اُنہیں اِس کی سزا ملی۔

"مختار بن ابی عبید نے انتقام کا نعرہ لگایا، بہت سے لوگ اپنی تقصیروں کے داغ دھونے کے لیے اُس کے ساتھ ہو گئے، انہوں نے کوفہ پر کنٹرول حاصل کر لیا، پھر انہوں نے قتل حسینؓ میں شریک چھ ہزار افراد کو بے دردی سے قتل کیا، ان میں قاتلوں کا سردار عمر بن سعد بھی شامل تھا، شمر ذی الجوشن کو تو خاص طور پر گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندا گیا، کیونکہ شہداء کربلا کی لاشوں کی بے حرمتی میں یہی شخص پیش پیش تھا" (الصواعق: ۱۹۸)

سچ ہے: "جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا" (الشوریٰ: ۴۰)

خدائی آگ دریا میں بھی نہ بجھی

سدی کا بیان ہے کہ میں کربلا میں ایک شخص کے یہاں مہمان تھا، مجلس میں یہ بات چل نکلی کہ جس جس نے قتل حسینؓ میں اعانت کی، موت سے پہلے گرفتارِ بلا ہوا اور بدترین موت مرا۔

میزبان نے کہا: بالکل غلط ہے، میں بھی شریک تھا، مجھے تو کچھ نہیں ہوا!
یہ شخص آخر شب چراغ درست کرنے کے لیے اٹھا، چراغ درست کر رہا تھا کہ آگ نے اُسے پکڑ لیا، آگ آگ چلاتے ہوئے دریائے فرات میں چھلانگ لگا

دی، لیکن آگ دریا میں بھی نہ بجھی! آخر مر گیا۔

سدّی کہتے ہیں: واللہ میں نے اسے دیکھا، لگتا تھا جیسے کوئلہ ہے: (الصواعق: ۱۹۵)

پیاس نہیں بجھتی تھی

شہادت سے تین دن پہلے امام حسینؓ اور اصحاب پر پانی بند کرنے کا حکم جاری ہوا۔

کیا ستم ہے کہ جس رسول رحمت ﷺ نے ذبح سے پہلے جانور کو پانی پلانے کی تلقین فرمائی، اُس کی امت نے اُسی کی اولاد پر قتل سے پہلے پانی بند کر دیا!

عبداللہ بن ابی حصین ازدی آیا اور بڑی سرمستی سے امام حسینؓ سے کہا: ''حسین! دیکھتے ہو پانی ہے گویا وسط آسمانی ہے، واللہ! اِس سے ایک قطرہ بھی نہیں چکھے گا، حتی کہ پیاسا مرے گا''۔

اس پر امام حسینؓ نے فرمایا: ''اے اللہ! اسے پیاسا مار اور اسے کبھی نہ بخشنا''

حمید بن مسلم کا بیان ہے: اس واقعہ کے بعد وہ بیمار پڑ گیا، میں عیادت کے لیے گیا، قسم ہے اُس اللہ کی جس کے سوا کوئی الہ نہیں، میں نے اسے دیکھا کہ پانی پیے جاتا تھا، پیے جاتا تھا، پھر قے کر دیتا تھا، پھر پینے لگتا تھا، پیٹ بھر جاتا تھا، لیکن پیاس نہیں بجھتی تھی۔ یہی اُس کا حال رہا، یہاں تک کہ اس کی جان نکل گئی''

(تاریخ طبری: ۴۱۲/۵)

بددعا کے نتیجے میں دنیوی سزا پوری ہوئی، اخروی سزا بھی، انشاء اللہ، مل کر رہے گی:

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

مجھے پیاس نے مار ڈالا

امام حسینؓ کا لشکر جب مغلوب ہوا تو آپؓ گھوڑے پر سوار ہو کر فرات کی جانب چلے۔ ایک ابانی چیخا: ''تمہیں کیا ہوا؟ حسین اور پانی کے درمیان حائل ہو جاؤ''

چنانچہ وہ اپنا گھوڑا بڑھا کر ساتھیوں سمیت رکاوٹ بن گیا۔

امام حسینؓ نے دعا کی: ''اے اللہ! اسے پیاسا رکھ''

ابانی نے تیر نکالا اور امام حسینؓ کے گلے میں پیوست کر دیا، امام حسینؓ نے تیر کھینچ کر نکال دیا، پھر اپنے ہاتھ پھیلائے تو وہ خون سے بھر گئے، اس موقعہ پر امام حسینؓ نے دعا کی:

''اے اللہ! تیرے نبی کی بیٹی کے بیٹے سے جو سلوک کیا جا رہا ہے، اُس کی میں تجھی سے شکایت کرتا ہوں!''

تھوڑی ہی مدت گذری تھی کہ اللہ نے اس پر پیاس انڈیل دی، قاسم بن اصبغ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ٹھنڈا شربت، دودھ بھرے پیالے اور پانی کے مٹکے اس کے قریب دھرے ہوتے تھے اور وہ کہہ رہا ہوتا تھا:

''کم بختو! مجھے پلاؤ، مجھے پیاس نے مار ڈالا!''

اتنا بڑا پیالا، جس سے ایک گھر والے سیر ہو سکتے تھے، اسے پلایا جاتا، لیکن جونہی پیالا منہ سے ہٹاتے، تڑپنے لگتا، کہتا:

''کم بختو! مجھے پلاؤ، مجھے پیاس نے مار ڈالا!''

واللہ! جتنی مدت جیا، یہی حال رہا، یہاں تک کہ اس کا پیٹ اونٹ کے پیٹ کی طرح بڑھ کر پھٹ گیا''۔ (تاریخ طبری: ۴۵۰/۵)

اندھا ہو گیا

سبط ابن جوزیؒ واقدی سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص قتل کے وقت صرف

حاضر تھا، وہ اندھا ہو گیا۔ اُس سے سبب پوچھا گیا تو بتلایا کہ میں نے خواب میں نبی اکرم ﷺ کو دیکھا، آپؐ نے آستینیں چڑھائی ہوئی تھیں، ہاتھ میں تلوار تھی اور سامنے چمڑے کا ایک دستر خوان بچھا ہوا تھا، میں نے دیکھا کہ اس پر حسینؓ کے دس قاتل ذبح کیے ہوئے رکھے ہیں، آپؐ نے مجھے لعنت ملامت کی کہ تم وہاں حاضر ہو کر اُن کی تعداد میں اضافے کا باعث بنے! اس کے بعد آپؐ نے خون حسینؓ میں ڈوبی ہوئی سلائی میری آنکھوں میں پھیر دی، صبح جب میں اٹھا تو اندھا تھا''۔

(الصواعق:۱۹۵)

یہ بعد از وفات حضور اکرم ﷺ کا معجزہ ہے۔ امام بوصیریؒ کو آپؐ خواب میں بردہ شریف عطا فرمائیں اور وہ صحت یاب ہو جائیں تو اس پر تعجب نہ ہو تو خواب میں خون بھری سلائی پھیرنے سے یہ شخص اندھا ہو جائے تو اس پر تعجب کیوں ہو!

اور اس کی آنکھوں میں خون بھری سلائی اس لیے پھیری گئی کہ یہ شخص اپنی آنکھوں سے اپنے پیغمبرؐ کے نورِ نظر کا قتل ناحق دیکھتا رہا اور اسے غیرت نہ آئی۔

امام احمدؒ سے ایک اور واقعہ مروی ہے ''کہ ایک شخص نے شہادت امام حسینؓ کے بعد یوں کہا:

''اللہ نے فاسق ابن فاسق حسین کو قتل کر دیا''

تو اللہ تعالیٰ نے اُس کی آنکھوں میں موتیا باری کر دی (سفید موتیا نکل آیا) اور وہ اندھا ہو گیا'' (الصواعق:۱۹۶)

گویا اللہ تعالیٰ نے مزا چکھایا کہ حسینؓ اور ان کے ابا علیؓ اِن آنکھوں سے تمہیں فاسق نظر آتے تھے!

(یہاں اصل میں عبارت یوں ہے: ''رماہ اللہ بکوکبین فی عینیہ'' سفید موتیے کی شکل کوکب سے ملتی جلتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ شہاب ثاقب سے جنّ شیطانوں کو رجم کرنے کا کام لیتا ہے، اسی طرح کبھی اللہ تعالیٰ شیطان نظر

انسانوں کی رمی سفید موتیے کے کوکبوں سے کر دیتا ہے!
اور ترجمے میں ''موتیاباری'' کی ترکیب سے اسی مفہوم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔)

چہرہ سیاہ ہو گیا

اسی یزیدی ٹولے میں سے ایک شخص نے امام حسینؓ کا سر اقدس اپنے گھوڑے کی کاٹھی کی رسیوں سے لٹکایا تھا، چند ہی روز میں اُس کا چہرہ تارکول سے بھی زیادہ سیاہ ہو گیا۔

پوچھا گیا: تم تو عرب کے شگفتہ رُو جوان تھے؟!

اس نے بتلایا: جب سے میں نے اُس سر کی توہین کی ہے، اُس وقت سے ہر رات دو آدمی آتے ہیں، بغلوں میں ہاتھ ڈال کر مجھے دھکیلتے ہوئے بھڑکتی آگ کے پاس لے جاتے ہیں اور اوندھے منہ مجھے اُس میں دھکا دے دیتے ہیں، وہ آگ مجھے جھلساتی رہتی ہے، اس وجہ سے میرے چہرے کا یہ حال ہو گیا ہے!

کچھ ہی عرصہ میں یہ شخص قبیح ترین موت مر گیا'' (الصواعق:۱۹۶)

شکل مسخ ہو گئی

منصور کا بیان ہے کہ میں نے شام میں ایک شخص دیکھا، جس کی شکل خنزیر جیسی تھی۔

میں نے پوچھا تو اُس نے بتایا کہ میں روزانہ ہزار مرتبہ علیؓ پر لعنت بھیجتا تھا اور ہر جمعہ کو اُن پر اور اُن کی اولاد پر کئی ہزار مرتبہ لعنت دھراتا تھا...... میں نے خواب میں نبی اکرم ﷺ کو دیکھا...... پھر طویل خواب ذکر کیا...... اس کے ذیل میں یہ بتایا کہ حسنؓ نے بارگاہ اقدس میں میری شکایت کی، اس پر حضور اکرم ﷺ نے مجھ پر لعنت کی اور میرے چہرے پر تھوک دیا، تھوک گرتے ہی میری شکل خنزیر جیسی ہو گئی اور لوگوں کے لیے نشان عبرت بن گئی ہے'' (الصواعق:۱۹۶)

حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ''جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے صلوۃ بھیجا کرو، تمہاری صلوٰۃ مجھے پیش کی جاتی ہے'' (مشکوۃ، باب الجمعہ، عن اوسؓ)

لیکن اس شخص نے صلوۃ کے بجائے جمعہ کا دن آپ کی آل پر لعنت بھیجنے کے لیے مخصوص کیا، جب آپؐ کے حضور یہ عمل پیش ہوتا ہوگا تو آپؐ کے قلب اقدس کو کتنی تکلیف ہوتی ہوگی!

یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے غصے سے اس گستاخ کے چہرے پر تھوکا، چنانچہ طوق لعنت میں گرفتار ہوا اور شکل مسخ ہوگئی۔

نعوذ باللہ من غضبہ وغضب رسولہ

وصلی اللہ علی النبی الأمی وآلہ وبارک وسلم

سر پاش پاش ہوگیا

میدان کربلا میں ایک شخص گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور امام حسینؓ کے مقابل آ کھڑا ہوا، زور سے پکارا:

''کیا تم میں حسین ہے؟''

امام حسینؓ چپ رہے، جب اس نے تیسری مرتبہ یہی پکارا تو آپؓ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

''اسے کہو، ہاں یہ حسین ہیں، تم کیا چاہتے ہو؟

کہا: ''حسین! تمہیں آگ کی بشارت ہو''

فرمایا: تم نے جھوٹ کہا، میں تو رب غفور اور شفیع مطاع (ﷺ) کے پاس جا رہا ہوں، تم کون ہو؟

بولا! ابن حوزہ

امام حسینؓ نے یہ سن کر اپنے ہاتھ اتنے اوپر اٹھائے کہ ہمیں کپڑوں کے اوپر سے بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی، پھر آپؓ نے (اس کے نام کی مناسبت سے) دعا کی:

''اللھم حُزہ الی النار'' ''اے اللہ! اسے آگ میں داخل فرما''

ابن حوزہ نے طیش میں آ کر آپؓ کی جانب گھوڑے کو ایڑ لگائی، درمیان میں ایک نہر تھی، گھوڑا بدکا، اُس کا پاؤں رکاب میں پھنس گیا اور خود نیچے آ رہا، اب گھوڑا جو بھاگا تو اسے بھی گھسیٹتے ہوئے ساتھ لے گیا، اسی بھاگ دوڑ میں اس کا سر پتھروں اور درختوں کے تنوں سے ٹکراتا رہا، یہاں تک کہ مر گیا"۔ (تاریخ طبری: ۴۳۱/۵)

اللہ اکبر! یہی دماغ تھا، جو بغض اہل بیتؓ سے بھرا اور سڑا ہوا تھا، فوری سزا یہ ملی کہ اپنی ہی سواری نے، اللہ کے حکم کے تحت، اسے پتھروں سے ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش کر دیا، آخرت میں کیسی سزا ملے گی، اللہ ہی بہتر جانتا ہے!

فقر و شر کا شکار ہو گیا

مالک بن نُسیر نے امام حسینؓ پر تلوار سے حملہ کیا تھا، آپؓ اُس وقت لمبی ٹوپی (بُرنُس) پہنے ہوئے تھے، تلوار ٹوپی کاٹ کر سر مبارک تک پہنچ گئی اور ٹوپی خون سے بھر گئی، اس وقت امام حسینؓ نے فرمایا تھا:

"اس کے بدلے کھا سکے نہ پی سکے اور اللہ تیرا حشر ظالموں کے ساتھ کرے"

اس کے ساتھیوں کا بیان ہے کہ "اس کے بعد وہ فقر و شر میں مبتلا رہا، یہاں تک کہ موت نے آ دبوچا۔" (تاریخ طبری: ۴۴۸/۵)

کوڑھی ہو گیا

شہادت کے بعد "بحر بن کعب" نے امام حسینؓ کا لباس اتار لیا اور جسم مبارک برہنہ کر دیا...... انا للہ وانا الیہ راجعون، انا للہ وانا الیہ راجعون، انا للہ وانا الیہ راجعون ...... پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ بحر بن کعب کے دونوں ہاتھوں سے موسم سرما میں گندا پانی رستا رہتا تھا اور موسم گرما میں دونوں ہاتھ یوں سوکھ جاتے تھے، گویا لکڑیاں ہیں" (تاریخ طبری: ۴۵۱/۵)

حذر اے چیرہ دستاں کہ سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

خدائی چھڑی نے گستاخِ امامؓ کا بھیجا چاٹ لیا

انسؓ فرماتے ہیں کہ ”میں ابن زیاد کے پاس بیٹھا تھا، جب حضرت حسینؓ کا سر مبارک لایا گیا (اور ایک طشت میں رکھ دیا گیا۔ بخاری)

ابن زیاد ایک چھڑی آپؓ کی ناک میں مارنے لگا اور کہا: یہ بھی کوئی حسن ہے؟

میں نے کہا: سنو! یہ سب سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے مشابہ ہیں!“

(ترمذی، مشکوۃ: مناقب اہل بیتؓ)

طبرانی کی روایت میں ہے کہ ”آپؓ کی آنکھوں اور ناک میں چھڑی مارنے لگا تو میں نے کہا: اپنی چھڑی اٹھالو، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ جگہ چومتے ہوئے دیکھا ہے“۔

بزار کی روایت میں ہے کہ ”میں نے کہا: جہاں تری چھڑی ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ جگہ سونگھتے دیکھا ہے“ (مرقاۃ: ۱۱/۳۹۷)

یزیدی عمال کی یہ باتیں اور یہ حرکتیں کیا واضح نہیں کرتیں کہ اِن لوگوں کے دل بغض اہل بیتؓ سے لبریز تھے؟

اب بھی کوئی یزیدی اقدامات کا دفاع کرے اور اِسے ایک اتفاقی حادثہ سمجھے تو اُسے خدا سمجھے!

اب دیکھیے کہ اس گستاخی کی سزا کیا ملی؟

ظالموں کا یہ ٹولہ محبانِ امامؓ کے ہاتھوں یوں اپنے انجام کو پہنچا کہ ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر کاٹ کر کوفہ لائے گئے اور اُسی جگہ رکھے گئے جہاں امام حسینؓ کا سر رکھا گیا تھا، لوگوں کا ایک بڑا مجمع تھا۔

عمارہ بن عمیر کہتے ہیں کہ ”جب میں پہنچا تو ایک شور ہو رہا تھا: وہ آیا، وہ آیا، میں نے دیکھا کہ ایک سانپ آیا، سب سروں سے ہوتا ہوا عبیداللہ بن زیاد کے نتھنوں میں داخل ہو گیا، کچھ دیر اس کے اندر رہا، پھر نکلا اور چلا گیا یہاں تک کہ نظروں سے غائب ہو گیا۔

پھر شور اٹھا: وہ آیا، وہ آیا، چنانچہ سانپ نے آ کر پہلے والا عمل دہرایا...... یہ کاروائی دو یا تین مرتبہ ہوئی"۔ (ترمذی، مرقاۃ: ۱۱؍۳۹۷)

ابن زیاد نے امامؓ کی ناک اور آنکھوں پر چھڑی ماری تھی، اللہ تعالیٰ نے سانپ کی صورت میں اپنی چھڑی بھیجی...... سانپ اور چھڑی کی شکل ملتی جلتی ہے، عصائے موسیٰ بھی بوقت ضرورت سانپ بن جاتا تھا!......اور اس خدائی چھڑی نے ناک ہی کی راہ سے داخل ہو کر وہ دماغ چاٹا جو بغض امامؓ سے بھرا تھا!

ابن زیاد نے دو یا تین مرتبہ چھڑی ماری تھی، خدائی چھڑی نے بھی اس سے دو یا تین مرتبہ ہی انتقام لیا!

یہ تو دنیا کا انجام تھا، آخرت کا انتقام اللہ ہی جانے!

"إن بطش ربک لشدید"

گستاخ اہل بیتؓ کو آج بھی سزا ملتی ہے

خیال نہ کیا جائے کہ یہ عہد ماضی کے قصے ہیں، جو خوش عقیدہ لوگوں نے ذہنی تسکین کے لیے بیان کیے ہیں۔ بے ادبی اور گستاخی کی سزا آج بھی جاری وساری ہے۔ گستاخی خواہ صحابہ کرامؓ کی ہو یا اہل بیتؓ عظام کی، ایمان وعرفان کا نور سلب کر لیتی ہے۔ بغض اہل بیتؓ اور بغض صحابہؓ دونوں درحقیقت روحانی کینسر ہیں، جو مسلمان کی روحانی شخصیت کو مسخ کر دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جو وحشت اور لعنت گستاخان صحابہؓ کے چہروں سے ٹپکتی ہے، گستاخانِ اہل بیتؓ کے چہروں پر بھی ویسی ہی پھٹکار برستی ہے، ایسے لوگوں کی صحبت سے طبیعت میں ایک عجیب سا انقباض پیدا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جنہیں ایمان واعتدال کی دولت عطا فرمائی ہے، وہ کبھی دقتِ نظر سے ایسے لوگوں کا جائزہ لیں، اُن کا دل اس حقیقت کی تصدیق کرے گا۔

عبرت کے طور پر چند مشاہدے نذر قارئین ہیں:

☆ ایک صاحب بڑے تیز طرار قلم کے مالک تھے، زبان وبیان کے بھی دھنی تھے، لیکن گفتگو اہل بیتؓ کی گستاخی سے آلودہ رہتی تھی، رفتہ رفتہ دینی خدمات سے محروم ہوتے گئے...... دینی خدمت کی توفیق اہل دین کی محبت اور ادب سے ملتی ہے، جن کے گھر دین نازل ہوا، اُن کی گستاخی کرے اور پھر دینی خدمت کی توفیق بھی ملے، یہ کیسے ممکن ہے!...... وطن چھوٹا، دیار غیر میں دنیا کی خاطر ہر ذلت اٹھائی، آخر بے کسی کی موت مرے، آخر عمر میں شکل بجو نما ہو گئی تھی، **العیاذ باللہ!**

☆ ایک اور صاحب اچھے خطیب اور قلم کار تھے، لیکن دل بغض اہل بیتؓ سے لبریز تھا، گفتگو میں بھی اس کا اثر نمایاں رہتا تھا، چنانچہ دینی خدمات کا دائرہ رفتہ رفتہ سکڑتا گیا، ایک ناقابل بیان علت میں مبتلا ہوئے اور پھر ایک مسیحی نوجوان سے خوب بلیک میل ہوئے، آخر اِسی ذہنی دباؤ میں اچانک دنیا سے رخصت ہو گئے،

آخر عمر میں چہرا وحشت سرا ہو گیا تھا، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

☆ ایک اور صاحب جمعہ کے دن دو دو مسجدوں میں خطاب کرتے تھے اور بہت خوش رُو تھے، کاروبار بھی اچھا تھا، ذہن ایسا بھٹکا کہ اہل بیتؓ کی گستاخی کرنے لگے، سزا یہ ملی کہ دینی خدمت سے تقریباً محروم ہو گئے، کاروبار تباہ ہو گیا، معمولی درجے کے لوگوں کی خوشامد اور گھٹیا حرکتوں سے گذر اوقات کرتے تھے، سرخ وسفید چہرا سیاہ اور بدنما ہو گیا تھا اور اسی حال میں دنیا سے رخصت ہوئے۔ معاذ اللہ

☆ ایک اور صاحب خطابت کے ساتھ تجارت کرتے تھے، اہل بیتؓ کے بارے میں دریدہ دہن ہو گئے، سزا یہ ملی کہ جھوٹ کی عادت ہو گئی، کاروبار رفتہ رفتہ تباہ ہو گیا، خطابت میں لطف باقی نہ رہا، بیماریوں نے گھیر لیا، چہرے کی رونق رخصت ہو گئی، اولاد کے صدمے اس پر مستزاد تھے، جب کبھی ملاقات ہوتی تو یوں لگتا ایک اجڑے ہوئے بدحال شخص سے ملاقات ہو رہی ہے، اچانک موت واقع ہوئی اور چل دیے، معاذ اللہ.

☆ ایک مصنف اہل بیتؓ کے بارے میں قلبی عناد رکھتے تھے، ان کی تحریروں سے نہایت درجہ گستاخی ٹپکتی تھی، نتیجہ یہ نکلا کہ کریہہ المنظر ہو گئے اور بدترین موت مارے گئے۔

☆ ایک صاحب ہر وقت یزید کے وکیل صفائی بنے رہتے تھے اور اس کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے، اس کا اثر یہ ہوا کہ زندگی کے آخری سالوں میں انتہا درجے کے یاوہ گو اور بدزبان ہو گئے اور اچھی بھلی صورت ایسی بگڑی کہ عبرت ہوتی تھی! معاذ اللہ ثم معاذ اللہ

☆ ایک صاحب علم کئی کتابوں کے مصنف تھے، خطیب تھے، ان کی قرآنی خدمت کا عالمی تعارف ہے، مجھے ان سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا، اتفاقاً ایک

مجلس میں ملاقات ہوگئی تو چہرے پر قرآن کا نور اور گفتگو میں محبت کا سرور نہیں پایا، بہت تعجب ہوا۔

اُن کے ہم مسلک ایک محقق عالم نہایت اہتمام سے امام حسینؓ کے موقف کا اثبات اور مودّتِ اہل بیتؓ کی تاکید کیا کرتے تھے۔ میں نے دوران گفتگو میں اُن کے حوالے سے پوچھا کہ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

تو بڑی خشونت اور یبوست سے جواب دیا: ہماری رائے سراسر اُن کے خلاف ہے۔

یہ سن کر میرا تعجب جاتا رہا کہ قرآن کی خدمت تو ہے لیکن قرآن والوں سے محبت نہیں!

یہ وحشت اسی مکروہ سوچ کا اثر ہے۔

☆ عصر حاضر میں ناصبیت اور یزیدیت کے مردہ فتنے کو کراچی کے ایک صاحب نے دجالی انداز تحریر سے زندہ کیا اور ہزاروں لوگوں کو گمراہ کیا۔

دینی حوالے سے ان صاحب کا حال یہ تھا کہ نماز پنجگانہ تو کجا جمعہ کی بھی پروانہیں کرتے تھے، صوم رمضان کی بھی ان کے ہاں کوئی اہمیت نہ تھی، قرآن مجید اور وحی کے بارے میں ذہن صاف نہیں تھا، آخر اسی حال میں دار آخرت کو روانہ ہوئے۔

نمازوں کے بارے میں سستی اور لاپروائی صرف اِنہی صاحب کا وتیرہ نہ تھا، بلکہ اوپر جتنے لوگوں کا ذکر ہوا ہے، دینی خدمات سے تعلق رکھنے کے باوجود تقریباً سبھی نمازوں اور دیگر دینی اعمال میں کوتاہ تھے۔

درحقیقت یہ یزید کی محبت کا اثر ہے، ابن کثیرؒ کی روایت کے مطابق: ''یزید میں شہوات کی طرف شدید میلان پایا جاتا تھا، بعض اوقات بعض نمازیں چھوڑ دیتا تھا اور اکثر اوقات نمازیں فوت تو کر ہی دیتا تھا''۔ (تاریخ ابن کثیر: ۲۳۰/۸)

اس کے برعکس امام حسینؓ کے سچے پیروکار ارکان دین کے پابند اور صدق و

صفا سے آراستہ ہوتے ہیں، اس لیے کہ خود امام حسینؓ دین کے سچے پیروکار اور صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے۔

ان سزاؤں کے ساتھ سب سے بڑی سزا جو اِن گستاخوں کو ملی، وہ یہ تھی کہ ان میں سے کسی کو توبہ کی توفیق نہیں ہوئی۔

طاعات کی طرح معاصی کے بھی خواص ہیں، گستاخی اور بے ادبی کی معصیت کا خاصہ یہ ہے کہ اس سے توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اہل بیت کرامؓ اور صحابہ عظامؓ کی محبت اور ادب عطا فرمائے اور سوءِ خاتمہ سے بچائے!

اضافہ: ڈاکٹر برہان الدین فاروقی عہد قریب کے ایک نامور دانشور اور فلسفی تھے ایک دن ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، میں تشریف فرما تھے، کسی حوالے سے کراچی کے انہی صاحب کا ذکر چھڑ گیا تو فرمایا:

''ایک مرتبہ میرے پاس آئے تھے، کہنے لگے:

''طبیعت پر انتہائی بوجھ رہتا ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ دل سیاہ ہو گیا ہے۔''

''اس وحشت سے چھٹکارا مشکل نہیں، ابھی مہلت ہے، توبہ کر لو اور اس کا اعلان کر دو، ہو سکے تو علیؓ و حسینؓ کے مناقب پر کتاب لکھو تا کہ گناہ کی تلافی ہو جائے'' میں نے کہا۔

''کئی دفعہ یہ سوچا، لیکن کیا کروں توفیق نہیں ہوتی'' انہوں نے جواب دیا''

اللہ جل شانہ نے سچ فرمایا:

''کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون'' (المطففین: ۱۴)

گستاخی کی سزا لسانِ نبوت سے

ابو سعید خدریؓ سے ایک طویل روایت ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے یمن سے کچھ سونا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا، آپؐ اسے تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص کھڑا ہوا، جس کی آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں اور رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں، پیشانی باہر کو نکلی ہوئی، داڑھی گھنی، سر منڈا اور تہ بند چڑھا ہوا تھا...... بعض روایات میں اس کا نام "ذوالخویصرة" مذکور ہے، یہ بنو تمیم سے تھا......

کہنے لگا: "یارسول اللہ! اللہ سے ڈرو اور عدل کرو"

آپؐ نے فرمایا: "کیا روئے زمین پر بسنے والے انسانوں میں میں تقویٰ اور خوف خدا کا سب سے زیادہ حقدار نہیں! میں عدل نہیں کروں گا تو کون کرے گا؟!"

اس پر وہ غصے میں بھرا چلا گیا، جب وہ جا رہا تھا تب آپؐ نے فرمایا: "اِس شخص کے ہم نسب اور ہم مزاج ایسے لوگ ہوں گے جو مزے لے لے کر کتاب اللہ کی تلاوت کریں گے لیکن کتاب اللہ اُن کے گلوں سے نیچے نہیں اترے گی، وہ لوگ دین سے اس طرح خارج ہوں گے جس طرح تیر شکار سے پار نکل جاتا ہے"۔

(تجرید البخاری: حدیث ۴۹۸، مشکوۃ، المعجزات)

یعنی جس طرح تیر بہت تیزی سے شکار میں ایک طرف سے پیوست ہوتا ہے اور دوسری طرف سے یوں نکل جاتا ہے کہ اس پر خون وغیرہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا اسی طرح یہ گستاخ مزاج اور بے ادب لوگ ظواہر دین کی تو بہت شدّ و مدّ سے پابندی کریں گے لیکن دین کے حقائق و مقاصد کا اِن کے دلوں پر کوئی اثر نہیں ہوگا، جس تیزی سے دین میں داخل ہوں گے، اُسی تیزی سے بالکل کورے، دین سے نکل جائیں گے، دین سے اِن کو کوئی فائدہ نہ اِن سے دین کو کوئی فائدہ، البتہ دین کو اِن سے نقصان ضرور پہنچے گا۔

خارجیوں، ناصبیوں اور یزیدیوں کو دیکھیے، حدیث میں مذکور گستاخ شخص کے بالکل ہم مزاج پائیں گے، قرآن تو پڑھتے ہیں اور بہت خوش الحانی سے پڑھتے ہیں لیکن قرآن والوں سے بغض رکھتے ہیں، اس لیے اِن لوگوں کی دین پرستی کا انجام وہی ہوتا ہے جو حدیث میں مذکور ہوا۔

اللہ تعالیٰ گستاخی اور بے ادبی سے بچائے۔

اہل بیتؓ شعائر اللہ میں داخل ہیں

امام نوویؒ، المتوفی ۶۷۶ھ نے اپنے مشہور آفاق مجموعۂ احادیث ''ریاض الصالحین'' میں اہل بیتؓ کے اکرام وفضیلت کے بیان میں مستقل باب قائم کیا ہے، اوراس کے تحت یہ آیت بھی نقل کی ہے:

''ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب'' (الحج:۳۲)

ترجمہ: ''اور جوکوئی شعائر اللہ کی تعظیم کرے تو یقیناً یہ بات دلوں کے تقویٰ سے (پیدا ہوتی) ہے''

اس سے معلوم ہوا کہ شعائر اللہ کی تعظیم تقویٰ کی علامت ہے، اور اہل بیتؓ شعائر اللہ میں داخل ہیں تو ان کی تعظیم وتکریم بھی حصول تقویٰ کے لیے لازم ہے۔

جس شخص کا دل اہل بیتؓ کی محبت وحرمت سے خالی ہے، وہ لاکھ عبادتیں کرے، طرح طرح ریاضتیں کرے، تقویٰ سے محروم ہی رہے گا، اور جو تقویٰ سے محروم، وہ اللہ کے یہاں عزت سے محروم!

اس سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا علیؓ، امیر المؤمنین سیدنا حسنؓ اور امیر المؤمنین سیدنا حسینؓ (مبارک کرمانی نے خواجہ نظام الدینؒ اولیاء کے حوالے سے آپؓ کو امیر المومنین ہی لکھا ہے! ''سیر الاولیاء'') کے اقدامات میں اللہ تعالیٰ کی رضا شامل تھی اور آپ کے فیصلے خطا سے پاک تھے، اس لیے کہ اگر شعائر ہی بھٹک جائیں تو ہدایت کہاں سے ملے!

اس آیت سے عبرت کا ایک اور پہلو بھی سامنے آتا ہے۔

بہت پہلے ثمود نے از راہ طغیان اللہ کی قدرت کی ایک نشانی، اونٹنی، کی توہین کی تھی، پیغمبر وقت حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں بہتیرا سمجھایا کہ اللہ کی

اونٹنی اور اس کے پانی کا خیال رکھو، لیکن شقاوت انہیں کھینچ رہی تھی، انہوں نے پروانہ کی اور اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈالیں، اس کی سزا میں اللہ کا عذاب آیا اور سب کو تباہ و برباد کر گیا۔ (الشمس: ۱۱۔۱۵)

قرآن نے یہ داستان عبرت کے لیے بیان کی تھی، لیکن افسوس لوگوں نے اس سے عبرت حاصل نہ کی، دنیا طلبی کا ثمودی جذبہ غالب آیا، رسول اللہ ﷺ کی ساری نصیحتیں اور وصیتیں نظر انداز کر ڈالیں، اللہ کے شعائر رضی اللہ عنہم سے برسرپیکار ہوئے، پانی بند کیا اور بے دردی سے شہید کیا۔

اس کے نتیجے میں اللہ کا عذاب آیا اور قوم ثمود کی طرح یہ لوگ بھی نشان عبرت بن گئے!

نعوذ باللہ من غضبہ وغضب رسولہ وغضب اہل بیتہ

وصلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم

جنت میں اہل بیتؓ کا مقام بلند

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(ترجمہ) ''اور جو لوگ ایمان لائے اور اُن کی ذرّیت نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی تو ہم (اپنے فضل و کرم سے) اُن کی ذرّیت کو (جنت میں) انکے ساتھ لاحق کر دیں گے اور اُن کے عمل سے ہم کچھ بھی کم نہ کریں گے''۔ (الطور:۲۱)

فطری امر ہے کہ انسان کتنے ہی اچھے مقام میں ہو، اُس کی خوشی تب تمام ہوتی ہے، جب اُس کا گھرانہ بھی اس کے سامنے ہو۔

انسان کو پیدا کرنے والی ہستی نے انسان کی ان نفسیات کی رعایت کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ آباء اپنے کمالِ ایمان و عمل کی وجہ سے جنت کے اعلیٰ مقام میں ہوں اور اولاد نسبتاً ادنیٰ مقام میں ہو، تو آباء کرام کے اکرام میں اولاد کو اُن کے درجے میں پہنچا دیا جائے گا۔

اہل بیتؓ بذات خود بہت اونچے مقام کے حامل ہیں، لیکن نبی اکرم ﷺ کا مقام تو سب سے اونچا ہوگا۔

علی و فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنھم کو دیکھ دیکھ کر دنیا میں حضور ﷺ کو قرار ملتا تھا، جنت میں ان کے بغیر سکون کیسے ملے؟ تو آپ ؐ کی دلداری کی خاطر ان حضراتؓ کو آپ ؐ کے درجے میں پہنچایا جائے گا!

اور یہ وہ مقام ہے جو کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوگا!

زہے نصیب!

پاک نبی پاک گھرانا
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قرآن مجید میں اللہ جل شانہ کا ارشاد پاک ہے:

"انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیراً" (الاحزاب:۳۳)

ترجمہ: "اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ اے اہل بیت! تم سے گندی باتیں دور کردے اور تمہیں ایک خاص شان سے پاک صاف کردے۔"

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کے گھر والوں کو ان احکام (مذکورہ) پر عمل کرا کر خوب پاک صاف کردے اور اُن کے رتبے کے موافق ایسی قلبی صفائی اور اخلاقی ستھرائی عطا فرمائے جو دوسروں سے ممتاز و فائق ہو...... یہاں تطہیر سے مراد تہذیبِ نفس، تصفیۂ قلب اور تزکیۂ باطن کا وہ اعلیٰ مرتبہ ہے، جو کامل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے اور جس کے حصول کے بعد وہ معصوم تو نہیں بن جاتے، ہاں محفوظ کہلاتے ہیں۔" (فوائد عثمانیؒ)

اس آیت میں تطہیر کا معنیٰ ایک دوسری آیت سے واضح ہوتا ہے۔

سورۂ آل عمران میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت مریمؑ سے کہا:

"یٰمریم ان اللہ اصطفکِ وطھرکِ واصطفک علی نساء العلمین" (آل عمران:۴۲)

ترجمہ: "اے مریم! یقیناً اللہ نے تجھے چن لیا ہے اور تجھے پاک صاف کردیا ہے اور تجھے سب جہان کی عورتوں پر فضیلت بخشی ہے"۔

تطہیر کا جو معنیٰ یہاں "طھّرکِ" میں مراد ہے وہی "یطھرکم تطھیراً" میں مراد ہے۔

جیسے یہاں تطہیر سے صرف طہارت حاصل ہوئی، نبوت نہیں، اسی طرح اہل بیتؓ بھی الٰہی تطہیر سے طہارتِ اخلاق واعمال کے بلند اور محفوظ مقام پر فائز ہوئے، البتہ نبوت ورسالت کا سلسلہ حضور اکرم ﷺ پر بند ہو گیا، اور خیال رہے کہ عصمت خاصۂ نبوت ہے۔

اس آیت میں اہل بیت کا خطاب کن سے کیا گیا؟

علامہ عثمانیؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اہل بیت میں اس جگہ ازواجِ مطہرات کا داخل ہونا یقینی ہے بلکہ آیت کا خطاب اولاً ان ہی سے ہے، لیکن چونکہ اولاد وداماد بھی بجائے خود اہل بیت میں شامل ہیں، بلکہ بعض حیثیات سے وہ اس لفظ کے زیادہ مستحق ہیں، جیسا کہ مسند احمد کی ایک روایت میں ''احق'' کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے، اس لیے آپ کا حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنھم کو ایک چادر میں لے کر ''اللھم ھولاء اھل بیتی'' فرمانا اور حضرت فاطمہؓ کے مکان کے قریب سے گذرتے ہوئے ''الصلوۃ اھل البیت یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس......'' سے خطاب کرنا اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے تھا کہ گو آیت کا نزول بظاہر ازواج کے حق میں ہوا ہے اور ان ہی سے خطاب ہو رہا ہے، مگر یہ حضرات بھی بطریق اولیٰ اس لقب کے مستحق اور فضیلتِ تطہیر کے اہل ہیں......'' (فوائد عثمانیؒ)

علامہ عثمانیؒ نے جس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے، یہ صحیح مسلم کی روایت ہے اور حضرت عائشہؓ، جی ہاں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، فرماتی ہیں:

''نبی ﷺ ایک صبح باہر نکلے، آپؐ پر سیاہ اونی چادر تھی، حسن بن علی آئے، آپ نے انہیں اس میں داخل کر لیا، پھر حسین آئے، اور ان کے ساتھ داخل ہو گئے، پھر فاطمہ آئیں، آپؐ نے انہیں بھی داخل کر لیا، پھر علی آئے، آپؐ نے انہیں بھی داخل کر لیا،

پھر یہ آیت پڑھی: "انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیراً" (مسلم، مشکوۃ: مناقب اہل بیتؓ)

جنہیں رسول اللہ ﷺ قرآن مجید کی تفسیر وتعمیل میں اہل بیت میں داخل کریں اور اس شان سے داخل کریں کہ چادر میں لے کر انہیں اپنے ساتھ چمٹا لیں، اب کس کی ہمت ہے کہ انہیں اہل بیت سے خارج کرے؟

اور جنہیں خود اللہ تعالیٰ نے اخلاقی ستھرائی اور قلبی صفائی کا ممتاز مرتبہ عطا فرمایا اور جن کے اعمال کی حفاظت خود اپنے ذمے لی ہو، کیا ان کے قلوب حب جاہ اور حب مال کی گندگی سے آلودہ ہو سکتے ہیں؟ کیا ان کے قدم شریعت کے خلاف اٹھ سکتے ہیں؟

ایسے پاک طینت اور پاکباز نفوس کی نیتوں پر شک وشبہ بد باطنی اور شقاوت اخروی کی علامت ہے۔

یہ لوگ تو اخلاق واعمال کا زندہ بیان تھے،
جو لوگ اِن سے ٹکرائے، وہ درحقیقت قرآن سے ٹکرائے،
جنہوں نے اِن کا سر قلم کیا، انہوں نے درحقیقت قرآن کا سر قلم کیا،
اور قرآن تو قیامت تک کے لیے ہے، کوئی اسے ختم کر نہیں سکتا، یہی وجہ ہے کہ جو قدسی نفوس قرآن کے زندہ پیکر تھے، قتل وغارت اور کردار کشی کے باوجود وہ زندہ رہے اور قیامت تک زندہ رہیں گے، اور اصلاحِ امت کے لیے اپنا کردار ادا کرتے رہیں گے۔

چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پیشگوئی فرمائی ہے:

(ترجمہ) "دنیا فنا نہیں ہوگی یہاں تک کہ عرب (اور اہل اسلام) کا سربراہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص ہو لے، جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا"۔

یہ ترمذی کی روایت ہے اور ابوداؤد کی روایت میں ہے: ''اگر دنیا کا صرف ایک ہی دن باقی رہ گیا تو اللہ تعالیٰ اسی دن کو لمبا کر دے گا اور اس میں میرے اہل بیت سے ایک شخص کو مبعوث کرے گا، جس کا نام میرے نام پر اور باپ کا نام میرے باپ کے نام پر ہوگا اور وہ زمین کو عدل وانصاف سے یونہی بھر دے گا جیسا کہ وہ اس وقت ظلم وجور سے بھری ہوگی''

ابوسعید خدریؓ کی روایت میں اس پر عزم اور باہمت شخص کا لقب 'مہدی' مذکور ہے۔ (مشکوۃ: ۲/۴۷۰)

امام مہدیؑ کے بارے میں وارد روایات اس بات کی بھی دلیل ہیں کہ آپؐ کی نسل پاک قیامت تک باقی رہے گی!

یا اللہ! ہمارے سید و مولا کی نسل پاک کو بڑھا
اور ہمیں ان کی خدمت ونصرت نصیب فرما!
صلی اللہ علیہ و آلہ وبارک وسلم

رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں اہل بیتؓ باطل کے مقابل صف آرا ہوتے ہیں

۹ھ میں نجران کے نصاریٰ کا ساٹھ آدمیوں پر مشتمل وفد بڑی آن بان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے مسیحی عقائد پر مناظرے کے لیے حاضر ہوا، کئی دن بحث ہوتی رہی، لاجواب ہونے کے باوجود جب انہوں نے ہٹ دھرمی نہ چھوڑی تو آیت مباہلہ نازل ہوئی، جس کا ترجمہ یہ ہے:

''پھر جو آپؐ سے اس بارے میں جھگڑے بعد اس کے کہ آپؐ کے پاس (حقیقت کا) علم آچکا تو آپ کہہ دیجیے کہ آؤ ہم بلاتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو، اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنے آپ کو اور خود تمہیں، پھر ہم گڑگڑا کر دعا کریں کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت پڑے۔'' (آل عمران:۶۱)

صحیح مسلم میں سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ ''آیت مباہلہ نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین کو بلایا اور عرض کیا: اے اللہ! یہی تو میرے اہل بیت ہیں'' (مشکوۃ: مناقب اہل بیتؓ)

پھر جب آپؐ اللہ کے اس حکم کی تعمیل میں سراپا ''اسلام'' بن کر، ابراہیمی جذبے سے لبریز، علی و فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے ساتھ باہر تشریف لا رہے تھے تو:

''یہ نورانی صورتیں دیکھ کر اُن کے لاٹ پادری نے کہا میں ایسے پاک چہرے دیکھ رہا ہوں، جن کی دعا پہاڑوں کو اُن کی جگہ سے سرکا سکتی ہے، اِن سے مباہلہ نہ کرنا، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور ایک نصرانی بھی زمین پر باقی نہ رہے گا''

''آخر انہوں نے مقابلہ چھوڑ کر سالانہ جزیہ دینا قبول کیا اور صلح کر کے واپس چلے گئے''

حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اگر مباہلہ کرتے تو وادی آگ بن کر ان پر برستی اور اللہ تعالیٰ نجران کو بالکل تباہ و برباد کر دیتا اور ایک سال کے اندر اندر تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔''

(فوائد عثمانیؒ، روح المعانی: ۱۸۸/۳، سیرت المصطفی ﷺ: ۱۲۴/۳)

اہل بیتؓ کے چہروں کا یہ نور، جس سے نصاریٰ مرعوب ہو کر سرنگوں ہوئے، تطہیر الٰہی کا نور تھا۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سب کی موجودگی میں رسول اللہ ﷺ صرف انہی کو کیوں لائے؟

وجہ یہ ہے کہ الٰہی ارادے سے یہ حضرات پاک صاف ہو چکے تھے اور نبوت کی خصوصی توجہ اور محبت کا مرکز تھے، اب رسول اللہ ﷺ انہیں باطل سے مقابلے کی تربیت دے رہے تھے۔

اس موقع پر آپؐ نے انہیں دنیائے عیسائیت کے سامنے کھڑا کیا اور ساری دنیا کو بتلا دیا کہ باطل کے مقابلے میں یہی میرے نمائندے ہیں، جہاں یہ کھڑے ہوں گے، وہاں در حقیقت میں کھڑا ہوں گا، ان کے قول و عمل کا ذمے دار میں ہوں!

چنانچہ آئندہ ادوار میں جب بھی حق و باطل کے درمیان کشمکش ہوئی، یہ حضرات حق کے علمبردار رہے۔

سیدنا علیؓ اپنی پوری زندگی میں قائم بالحق رہے۔

سیدنا حسنؓ اپنے دور میں امام برحق تھے، آپؓ نے جو فیصلہ فرمایا، وہی حق تھا۔

پھر سیدنا حسینؓ نے اپنے دور میں امامت کا حق ادا کیا۔

لوگ کہتے ہیں کہ صرف امام حسینؓ ہی کیوں کھڑے ہوئے؟

میں کہتا ہوں کہ اُس دور میں مباہلہ کے تربیت یافتہ لوگوں میں سے کوئی اور تھا، جو کھڑا ہوتا؟!

اس دور میں رسول اللہ ﷺ کے خاص تربیت یافتہ اور ربانی تطہیر سے منور صرف امام حسینؓ ہی تھے، اس لیے اُنہی کے قلب روشن پر خلافت سے ملوکیت کی طرف انحراف کا انکشاف سب سے پہلے اور سب سے شدید ہوا اور اسی لیے انہوں نے پوری قوت کے ساتھ قیام فرمایا۔

دیکھیے! دشمن کا جہاز میلوں دور ہوتا ہے لیکن ریڈار (Radar) پر نمودار ہو جاتا ہے اور عام شخص کو اس وقت پتہ چلتا ہے، جب وہ سر پر آ جاتا ہے اور بم برساتا ہے۔

اب یہ کہنا کہ صرف ریڈار ہی کو کیوں پتہ چلا؟ سب لوگوں کو کیوں علم نہ ہوا؟ جہالت ہے۔

بالکل اِسی طرح اہل بیتؓ کے قلوب حق کے ریڈار تھے، انہوں نے باطل کو بہت دور سے بھانپ لیا اور اِسے روکنے کی اپنی سی کوشش کی، دوسروں کو اس وقت پتہ چلا، جب باطل کے مفاسد کھل کر سامنے آئے، لیکن اُس وقت پچھتاوے کے سوا کیا ہو سکتا تھا!

"میں قرآن اور اہل بیتؑ تم میں چھوڑے جا رہا ہوں"

"قرآن اور اہل بیتؓ ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے"

جزیرۂ عرب کو باطل قوتوں سے پاک کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حج کیا۔ اس موقعے پر آپؐ نے عرفات میں تاریخ ساز خطبۂ حج ارشاد فرمایا، اس خطبے میں رسول اللہ ﷺ کا انداز الوداعی ہے...... چنانچہ یہ حج، الوداعی حج ہی ثابت ہوا...... یوں محسوس ہوتا ہے کہ رؤف ورحیم باپ...... ﷺ ......کو آئندہ حالات کا اندازہ ہو گیا ہے اور وہ رخصت ہوتے ہوئے اپنی روحانی اولاد کو ان فتنوں سے بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔

جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرفہ کے دن رسول اللہ ﷺ کو اپنی اونٹنی قصواء پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا اور اس میں یہ فرماتے ہوئے سنا:

"لوگو! میں تم میں وہ (مآخذ) چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم (علم وعمل میں) انہیں پکڑے رہے تو ہرگز گمراہ نہ ہونے پاؤ گے:

اللہ کی کتاب

اور میری عترت میرے اہل بیت"

(مشکوۃ: مناقب اہل بیتؓ، ترمذی)

یہ نصیحت خطبۂ حجۃ الوداع کا اہم حصہ ہے، ہمارے ہاں خطبۂ حجۃ الوداع تو اہتمام سے شائع ہوتا ہے، لیکن اس نصیحت کو دانستہ یا نادانستہ حذف کر دیا جاتا ہے، معلوم نہیں کیوں؟

پھر یہ نصیحت صرف عرفات ہی میں نہیں فرمائی، بلکہ واپسی کے سفر میں وقتاً فوقتاً اس کی یاد دہانی کرواتے رہے۔

"جحفہ" مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک قصبہ ہے، اس سے

تین میل کے فاصلے پر "خُــمّ" نامی ایک بن تھا اور اس کے قریب ایک تالاب تھا، اس بن کے حوالے سے اس تالاب کو "غدیر خُمّ" کہہ دیتے تھے۔
(شرح نووی بر حاشیہ صحیح مسلم: ۲/۲۷۹)

حج سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے یہاں پڑاؤ کیا تھا اور ایک دن یہاں خطاب بھی فرمایا تھا۔

زید بن ارقمؓ "خطابِ خم" روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپؐ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا:

"لوگو! آگاہ ہو جاؤ، میں ایک بشر ہی ہوں، ہو سکتا ہے کہ عنقریب میرے رب کا پیغامبر (فرشتۂ موت) میرے پاس آئے اور میں پیغام قبول کروں،
میں تم میں دو گراں قدر چیزیں (ثقلین) چھوڑ رہا ہوں:
ان میں پہلی چیز اللہ کی کتاب ہے، اس میں ہدایت اور نور ہے، اللہ کی کتاب کو پکڑ لو اور اسے تھامے رکھو، (ایک روایت میں الفاظ یوں ہیں...... کتاب اللہ، یہی اللہ کا رسا ہے، جو اس کے پیچھے چلتا رہا، وہ سیدھے راستے پر رہے گا، اور جس نے اسے چھوڑا، گمراہ ہو جائے گا)
اور میرے اہل بیت، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں تنبیہ کر رہا ہوں، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں یاددہانی کرا رہا ہوں"

یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ جامع ترمذی میں "خطاب خم" کی یہ نصیحت زید بن ارقمؓ ہی سے یوں مروی ہے:

"میں تم میں وہ (مآخذ) چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم انہیں

تھامے رہے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے، ان میں ایک
دوسرے سے عظیم تر ہے،
(ایک ماخذ) کتاب اللہ ہے، یہ رسا ہے، جو آسمان سے زمین
تک لٹک رہا ہے،
اور (دوسرا ماخذ) میری عترت، میرے اہل بیت ہیں، اور
دونوں ہرگز جدا نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ حوض (کوثر) پر
میرے پاس وارد ہو جائیں گے،
سو دھیان رکھو کہ ان کے بارے میں میری وصیت پر تم کیسے عمل
کرتے ہو!'' (مشکوۃ: مناقب اہل البیتؓ)

امام احمدؒ اور طبرانیؒ نے یہی وصیت زید بن ثابتؓ سے روایت کی ہے اور اس میں ''ثقلین'' کی جگہ ''خلیفتین'' کا لفظ ہے، یعنی ''میں تم میں دو خلیفے چھوڑ رہا ہوں، کتاب اللہ اور میری عترت، میرے اہل بیت......'' (مرقاۃ المفاتیح: ۳۸۶/۱۱)

اس ارشاد مبارک میں رسول اللہ ﷺ نے راہِ ہدایت پر قائم رہنے اور ضلالت سے بچنے کے لیے وصیت فرمائی کہ قرآن اور اہل بیتؓ سے چمٹے رہو، اہل بیتؓ سے محبت و مودت لازم جانو، ان کی حرمت کا خیال رکھو، ان کے قول پر اعتماد کرو اور ان کی روایت پر عمل کرو۔

اہل بیتؓ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد اس فطری اصول کے عین مطابق ہے کہ ''صاحب البیت ادری بمافیه'' یعنی ''گھر والا گھر کی چیزوں کو بہتر اور زیادہ جانتا ہے۔''

قرآن کریم اِنہی کے گھر نازل ہوا، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کا گھرانا انہی کو بنایا، اس لیے قرآنی اسرار و رموز اور نبوی اخلاق و اطوار سے ان سے زیادہ واقف نہ کوئی تھا اور نہ ہو سکتا تھا، اِسی لیے رسول اللہ ﷺ بار بار قرآن اور اہل

بیتؓ سے رجوع کرنے کی وصیت فرما رہے تھے۔

اس کے ساتھ آپؐ نے یہ بشارت بھی ارشاد فرمائی کہ قرآن اور اہل بیتؓ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے،

لہٰذا جو شخص اہل بیتؓ کی سیرت اپناتا ہے اور ان کی رفاقت اختیار کرتا ہے، وہ درحقیقت قرآنی سیرت اپنا رہا ہے اور قرآنی رفاقت میں چل رہا ہے۔

علامہ طیبیؒ نے ''دونوں ہرگز جدا نہیں ہوں گے'' کا یہ پر کیف مفہوم بیان کیا ہے کہ جس نے اِس دنیا میں اپنے آقا و مولا ﷺ کی اس وصیت کی لاج رکھی اور قرآن و اہل بیتؓ سے چمٹا رہا، قیامت کے دن قرآن و اہل بیتؓ ہرگز اس سے جدا نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ حوض کوثر پر اسے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں لے آئیں گے، آپؐ سے اس کے حسن کردار اور حسن تعمیل کی تعریف کریں گے۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس اسے انعام و اکرام سے نوازیں گے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ جو جزا عطا فرمائے گا، اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے!

(مرقاۃ المفاتیح: ۳۸۶/۱۱)

اب جس کا جی چاہے اس وصیت پر عمل کرے اور اپنی عاقبت سنوار لے اور جس کا جی چاہے اس وصیت کو نظر انداز کرے اور اپنی عاقبت برباد کر لے!

قیامت میں ان کا انجام تو جب قیامت قائم ہوگی، نظر آئے گا، تاریخ بتلا رہی ہے کہ جن لوگوں نے اس وصیت کو ٹھکرایا، ان کی دنیا بھی برباد ہو گئی اور وہ جیتے جی نشان عبرت بن گئے، فاعتبروا یا اولی الابصار!

ہمیں یوں تو ''صحیح مسلم'' کی روایات پر بے پناہ اعتماد ہے، لیکن ''حدیث ثقلین'' کچھ مسلموں کے فہم نازک پر ثقیل ہو جاتی ہے۔

کبھی کہتے ہیں: اس وصیت میں ''عترتی'' درست نہیں، یہ ''سنتی'' کی تصحیف ہے۔

کبھی کہتے ہیں: حدیث میں "اولھما" مذکور ہے، "ثانیھما" مذکور نہیں، اور "ثانیھما" سنت ہے، عترت نہیں۔

غور کیجئے تو یہ باتیں تعصب کے بلبلے ہیں، حقیقت ہے کہ "سنت" کی پیروی کا حکم تو خود کتاب اللہ میں پہلے سے موجود ہے، ارشاد ہے:

"ما آتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا" (الحشر: ۷)

اور فرمایا: "وما ارسلنا من رسول الالیطاع باذن اللہ" (النساء: ۶۴)

نیز فرمایا: فلاوربک لایؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مماقضیت ویسلموا تسلیماً" (النساء: ۶۵)

حجۃ الوداع کے بعد رسول اللہ ﷺ جہاں فانی سے تشریف لے جا رہے تھے، اب آئندہ حالات اور نئے معاملات میں کتاب اللہ کا فہم اور آپ کی سنت کی پیروی کیسے ممکن ہو؟

اس کے لیے آپؐ نے اہل بیتؓ کو عملی اسوہ کے طور پر پیش فرمایا اور اس خبر صادق کے ساتھ پیش فرمایا کہ قرآن اور اہل بیتؓ ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے، میری زندگی میں تم میرے قول و عمل سے قرآن سمجھتے ہو، میرے بعد میرے اہل بیتؓ کے عمل کو دیکھ کر قرآن کی تعمیل کرنا۔

چنانچہ خلافت اُولیٰ سے لے کر کربلا تک اہل بیتؓ کے عمل ہی سے قرآن کا مفہوم اور مطلوب واضح ہوا ہے۔

اس وصیت کے مطابق ہمارے لیے ہدایت کے دو بڑے مآخذ ہیں:

قرآن اور اہل بیتؓ

قرآن علمی ماخذ ہے اور اہل بیتؓ عملی ماخذ ہیں،

قرآن و سنت سے دین معلوم ہوتا ہے اور عمل اہل بیتؓ سے تعمیل دین کا

طریقہ معلوم ہوتا ہے۔

افتراق واختلاف کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ نے راہ نجات پانے کے لیے "ما انا علیه واصحابی" بھی فرمایا ہے، اور "اصحابی کالنجوم فبایهم اقتدیتم اهتدیتم" بھی فرمایا، اس لیے طریقۂ اصحابؓ بھی طریقِ نجات وہدایت ہے۔

لیکن اہل بیتؓ کو شرف صحبت کے ساتھ شرف تربیت بھی حاصل ہے، یہاں نسبت کے ساتھ نسب کی خصوصیت بھی جمع ہے، اس لیے اصحاب کرامؓ میں اہل بیتؓ کو فطری اور شرعی اختصاص حاصل ہے، بنابریں عترت واھل بیتؓ بجا طور پر اسوۂ عمل ہیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ "لن یتفرقا" آپؐ نے صرف اہل بیتؓ کے حق میں فرمایا ہے، کسی اور کے بارے میں نہیں!

اس لیے حدیثِ ثقلین، حدیثِ سنت خلفاء راشدینؓ، حدیثِ افتراق اور معاذ بن جبلؓ کی حدیثِ اجتہاد کی روشنی میں کسی بھی معاملے میں دینی رہنمائی حاصل کرنے کی ترتیب یوں ہوگی:

۱۔ کتاب اللہ

۲۔ سنت رسول اللہ ﷺ

۳۔ سنت اہل بیتؓ اور سنت صحابہؓ

۴۔ اجتہاد

خوش نصیب ہیں وہ جنہیں دینی احکام کی تعمیل میں یہ ترتیب نصیب ہو جائے!

آل محمد ﷺ اور اہل بیتؓ کا مفہوم قرآن کی روشنی میں

آل اور اہل بیت کا مصداق متعین کرنے کے لیے چار لفظوں پر غور کرنا ضروری ہے:

(۱) آل (۲) اھل (۳) ذریت (۴) عترت

سب سے پہلے آل اور اھل کا معنی لغت اور قرآن میں تلاش کرتے ہیں۔

لغوی اعتبار سے آل کا لفظ اھل سے مقلوب ہے، چنانچہ آل کی تصغیر اھیل ہے۔ (مفردات، راغب اصفہانیؒ)۔

اس لیے آل اور اھل دراصل ایک ہی لفظ ہیں اور ان کا مصداق بھی ایک ہی ہے۔

قران مجید نے بھی حضرت لوطؑ کے تذکرے میں ایک ہی مفہوم بیان کرنے کے لیے کہیں اھل کا لفظ استعمال کیا ہے اور کہیں آل کا۔

ارشاد ہے:

"رب نجنی و اھلی ممایعملون" (شعراء:۱۶۹)

"انا منجوک و اھلک الاامرأتک" (عنکبوت:۳۳)

"فاسر باھلک بقطع من الّیل" (حجر:۶۵)

ان آیات میں اھل کا لفظ استعمال ہوا ہے، لیکن درج ذیل آیات میں اِسی تذکرے میں آل کا لفظ استعمال ہوا ہے:

"قالوا انا ارسلنا الی قوم مجرمین الا آل لوط" (حجر:۵۸، ۵۹)

"فلما جاء آل لوط المرسلون" (حجر:۶۱)

"اخرجوا آل لوط من قریتکم" (نمل:۵۶)

تو لغت اور قرآنی استعمال سے معلوم ہوا کہ آل اور اهل کا مصداق ایک ہی ہے۔
اب دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید نے آل اور اهل کے دائرے میں کن کن

افراد کو لیا ہے:

(۱) ماں، باپ، بہن، بھائی اهل بیت ہیں۔

حضرت یوسفؑ کے تذکرے میں ہے:

"اذا انقلبوا الی اهلهم لعلهم یرجعون" (یوسف:۶۲)

"ونمیر اهلنا" (یوسف:۶۵)

"مسّنا واهلنا الضّر" (یوسف:۸۸)

حضرت موسیٰؑ کی بہن نے فرعون کے گھر والوں سے کہا:

"هل ادلکم علی اهل بیت یکفلونه لکم" (قصص:۱۲)

حضرت موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ کے لیے دعا کی:

"واجعل لی وزیراً من اهلی هرون اخی" (طٰہٰ:۲۹،۳۰)

بھائی اهل ہے تو بھائی کی اولاد بھی اهل ہے۔

خیال رہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا میں یہاں ہارونؑ کی جگہ علیؓ کا نام لیتے تھے...... روایت گذشتہ اوراق میں گذر چکی ہے...... لہٰذا علیؓ بھی اہل بیت میں داخل ہیں اور علیؓ کی اولاد بھی اہل بیتؓ میں داخل ہے۔

(۲) بیوی اہل بیت ہے۔

ہمارے ہاں بھی کہا جاتا ہے: اہلیہ، گھر والی، زیادہ احترام سے ذکر کرنا ہو تو کہتے ہیں: گھر والوں نے کہا، اور مراد صرف بیوی ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے بھی بیوی کے لیے اہل کا لفظ اور صیغہ جمع استعمال کیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے تذکرے میں ہے:

"فقال لاهله امکثوا إنی آنست ناراً" (طٰہٰ:۱۰)

حالانکہ اس موقعے پر آپؑ کے ساتھ صرف آپؑ کی اہلیہ تھیں، جیسا کہ فرمایا:

"فلما قضیٰ موسیٰ الاجل وسار با هله" (قصص:۲۹)

حضرت ابراہیمؑ کے پاس جب فرشتے آئے تو صرف حضرت سارہؓ آپؑ کے ساتھ تھیں اور قرآن ان کے لیے صیغہ جمع کے ساتھ اہل کا لفظ استعمال کر رہا ہے:

"رحمة الله وبركاته عليكم اهل البيت" (ھود:۷۳)

غزوہ احد کے ذکر میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے:

"واذغدوت من اهلک" (آل عمران:۱۲۱)

یہاں اہل سے مراد ازواج مطہراتؓ ہیں۔

سورۃ احزاب میں آیت ۲۸ سے آیت ۳۴ تک صیغہ جمع مؤنث کے ساتھ ازواج مطہراتؓ سے خطاب ہے۔ آیت ۳۳، جو آیۃ تطهیر کے عنوان سے معروف ہے، میں ضمیر جمع مذکر اور اهل البیت کا لفظ استعمال ہوا ہے، یہ سیاق واضح کر رہا ہے کہ ازواجؓ بھی اہل بیت میں داخل ہیں۔

(۳) بیٹا بھی اہل بیت میں شامل ہے۔

حضرت نوحؑ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی:

"ان ابنی من اهلی" (ھود:۴۵)

(۴) بیٹی بھی اہل بیت اور آل میں شامل ہے۔

حضرت لوط سے فرمایا گیا:

"فاسر باهلک" (حجر:۶۵)

"فلما جاء آل لوط المرسلون" (حجر:۶۱)

حضرت لوطؑ کی اولاد صرف بیٹیاں تھیں۔ انہیں آل اور اہل قرار دیا جا رہا ہے۔

سورۃ تحریم میں ہے:

"ومريم ابنت عمران" (تحریم:۱۲)

اور سورۃ آل عمران میں ہے:
"ان اللہ اصطفیٰ آدم و نوحاً و آل ابراھیم و آل عمران علی العالمین"
(آل عمران:۳۳)

ابراہیمؑ کی اولاد بیٹے، عمرانؑ کی اولاد صرف بیٹی مریمؑ اور مریمؑ کی اولاد صرف عیسیٰؑ، ان سب کے لیے برابر طور پر آل کا لفظ استعمال فرمایا گیا۔
اس سے معلوم ہوا کہ جیسے بیٹا اور بیٹے کی اولاد آل ہے اسی طرح بیٹی اور بیٹی کی اولاد بھی آل ہے۔
یہی وجہ ہے کہ آیۃ تطہیر نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے علی وفاطمہ اور حسن وحسین رضی اللہ عنھم کو اپنی مبارک چادر میں لے کر اور اپنے ساتھ چمٹا کر فرمایا: "یہی تو میرے اہل بیت ہیں" علیؓ بھائی بھی ہیں اور بیٹے بھی، فاطمہؓ بیٹی ہیں، حسنؓ اور حسینؓ بیٹی اور بھائی کی اولاد ہیں۔
دور جاہلیت میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ بیٹی کی جب شادی ہو جاتی ہے تو وہ پرائی ہو جاتی ہے اور اپنے گھرانے سے نکل جاتی ہے، اسی طرح بیٹی کی اولاد بھی آل میں شمار نہیں کی جاتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل سے اس جاہلی تصور کی اصلاح فرمائی کہ شادی کے بعد بھی بیٹی اہل بیت میں داخل رہتی ہے اور نہ صرف بیٹی بلکہ بیٹی کی اولاد بھی اہل بیت میں شمار ہوتی ہے۔
رسول اللہ ﷺ تو جاہلی رسوم کو توڑتے ہوئے سیدہ فاطمہؓ اور ان کی اولادؓ کو اپنے اہل بیت میں شمار کریں اور جاہلان عصراب بھی جاہلی نظریات کے تحت اس مقدس خانوادے کو اہل بیت نبوی سے باہر رکھنے پر اصرار کریں! بریں عقل و دانش بباید گریست
اس حوالے سے ایک روایت فیصلہ کن ہے۔
صحیح بخاری، کتاب التیمم میں حضرت عائشہؓ آیت تیمم کی شان نزول بیان

فرماتی ہیں کہ دوران سفر میں **بیداء یا ذات الجیش** نامی جگہ میں میرا ہار ٹوٹ کر گر گیا، سفر رک گیا، پڑاؤ ایسی جگہ ہوا جہاں پانی دستیاب نہیں تھا، لوگ پریشان ہو کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے، حضرت ابوبکرؓ نے مجھے ڈانٹا، رسول اللہ ﷺ آرام فرما رہے تھے، بیدار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کا حکم نازل فرمایا، چنانچہ سب نے تیمم کیا۔
اس پر حضرت اُسید بن حضیرؓ نے کہا:

"ماھی باوّل بر کتکم یا آل ابی بکر"

ترجمہ: "آل ابی بکر! یہ تمہاری کوئی پہلی برکت نہیں ہے!"

(تجرید البخاری حدیث: ۲۱۶)

دیکھیے! شادی کے بعد بھی حضرت عائشہؓ کو آل ابی بکرؓ میں شمار کیا جا رہا ہے۔
اب بھی اگر کوئی نہ سمجھے تو اُسے خدا سمجھے!

(۵) حضرت مریمؑ اپنی خالہ اور خالو حضرت زکریاؑ کے پاس رہتی تھیں، قرآن مجید نے اس سلسلے میں فرمایا:

"اذ انتبذت من اھلھا مکاناً شرقیاً" (مریم: ۱۶)

تو خالو اور خالہ بھی اہل بیت ہوئے۔
اس سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی طرف سے رشتہ دار بھی اھل میں داخل ہیں۔

قرآن مجید کے ان استعمالات سے یہ بات سامنے آئی کہ **آل** اور **اھـل** کے دائرے میں وہ افراد داخل ہوتے ہیں، جن سے خاندانی قرابت اور خونی رشتہ ہو یا ان سے زوجیت کا تعلق ہو۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی آل اور **اھـل بیت** بھی آپ کا خاندان، اولاد اور ازواج ہیں۔

کچھ لوگوں کو آیت: **"ادخلوا آل فرعون اشدالعذاب"** (مومن: ۴۶) سے غلط فہمی ہوئی، انہوں نے کہا کہ جیسے آل فرعون سے مراد پوری قوم ہے، اسی طرح

آل محمد ﷺ سے بھی پوری امت مراد ہے۔

یہ درست نہیں، اس لیے کہ مصر میں دو ہی قبیلے آباد تھے: سبطی اور قبطی۔

سبطی بنی اسرائیل ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ نے آل یعقوبؑ، آل موسیٰ اور آل ہارونؑ فرمایا۔

اور قبطی فرعون کا قبیلہ تھا، یہ فرعون کے رشتے دار بھی تھے اور پیروکار بھی، انہیں آل فرعون رشتے دار ہونے کی وجہ سے کہا گیا، صرف پیروکار ہونے کی وجہ سے نہیں۔ ہاں دو چار نوکر چاکر اگر قبیلے سے باہر کے بھی ہوں اور فرعونی لشکر میں شامل ہونے کی وجہ سے ان کا انجام آل فرعون کا سا ہوا ہو، تو اس سے آل فرعون کے بیان کردہ مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس لیے کہ تغلیب کا استعمال کلام میں عام ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ قرآنی استعمالات کی روشنی میں آل محمد ﷺ اور اہل بیتؓ کے زمرے میں داخل ہونے کے یہ ضروری ہے کہ:

آپؐ کے رشتے دار بھی ہوں اور پیروکار بھی۔

صرف رشتے دار ہونا یا صرف پیروکار ہونا اہل بیتؓ کے دائرے میں داخل ہونے کے لیے کافی نہیں۔

ذرّیت:

آل محمد ﷺ کا مصداق متعین کرنے کے لیے تیسرا اہم لفظ ذرّیت ہے۔

قرآن مجید میں یہ لفظ کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے بارے میں فرمایا:

"ولقد ارسلنا رسلاً من قبلک وجعلنا لھم ازواجاً و ذرّیۃ" (رعد: ۳۸)

ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی:

"ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع" (ابراہیم: ۳۷)

حضرت زکریاؑ نے دعا کی:

"رب هب لی من لدنک ذریةً طیبةً انک سمیع الدعاء" (آل عمران:۳۸)

یہ ذرّیت کیا ہے؟

ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

"هی نسل الانسان من ذکر أو انثی"

''ذرّیت انسان کی نسل ہے، لڑکے سے ہو یا لڑکی سے''(مرقاۃ:۳۳۹/۲)

سورۃ الانعام، آیت:۸۴، ۸۵ میں سیدنا عیسیٰؑ کو سیدنا ابراہیمؑ کی ذریت میں شمار کیا گیا ہے۔ سیدنا عیسیٰؑ کو ذریت ابراہیمی میں داخل ہونے کا شرف صرف اپنی والدہ ماجدہ سیدہ مریمؑ کے ذریعے حاصل ہوا، کیونکہ آپ کی پیدائش بن باپ ہوئی تھی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بیٹی کی اولاد بھی ذریت میں داخل ہے۔

تفسیر کبیر میں ہے کہ امام ابو جعفرؒ نے حجاج بن یوسف کے سامنے سیدہ فاطمہؓ کی اولاد کے ذریت نبوی ہونے پر آیت مذکورہ بالا اور آیت مباہلہ سے استدلال کیا تھا۔

اسی طرح امام موسیٰ کاظمؒ نے بھی زیر بحث مسئلہ میں عباسی حکمران رشید کے سامنے آیت بالا کو حجت کے طور پر پیش کیا تھا۔

علامہ محمود آلوسی بغدادی (المتوفی ۱۲۷۰ھ) اس بحث کے آخر میں فرماتے ہیں: ''ہمارے اصحاب کے فتاویٰ اس مسئلے میں مختلف ہیں، اور میرا میلان اس قول کی جانب ہے کہ بیٹی کی اولاد بھی ذریت میں داخل ہے''۔ (روح المعانی:۲۱۴/۷)

اس لیے حضور ﷺ کی بنات طاہراتؓ کی اولاد آپ ﷺ کی ذریت ہے، اور صلوٰۃ وسلام میں آل محمد ﷺ کا مصداق آپ کی یہی ذریت ہوتی ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ آپ ﷺ کی نسل سیدہ فاطمہؓ سے چلی، دوسری بنات طاہراتؓ میں بعض

کے ہاں تو اولاد ہی نہیں ہوئی اور بعض کے ہاں اولاد تو ہوئی، لیکن سلسلہ آگے چلا نہیں۔
یہ ایک تکوینی شرف ہے، جو حضرت فاطمہؓ اور آپؓ کی اولاد امجادؓ کو حاصل ہوا کہ نہ صرف آپؓ کی اولاد باقی رہی بلکہ خوب بڑھی اور تا قیامت بڑھتی رہے گی۔ "انا اعطینک الکوثر" کا ایک نمونہ یہ نسل کثیر بھی ہے۔
یوں بھی صورت و سیرت میں آپؐ سے جو مشابہت اور آپ کی جو محبت و عطوفت سیدہ فاطمہؓ کو حاصل ہوئی، وہ کسی اور کو حاصل نہ ہوئی، یہ نسلی بقا کا شرف غالباً اُسی محبت کا اثر ہے! "ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء"

بیٹی کی اولاد کو اہل بیت میں شامل فرمانا عظیم سماجی انقلاب ہے

آپؐ نے قرآن مجید کی روشنی میں بیٹیؓ کی اولاد کو اپنے اہل بیت اور اپنی آل قرار دے کر دختر کش معاشرے میں بیٹی کا مقام بلند فرمایا اور جاہلی سماج کے بندھنوں کو توڑ دیا۔
بیٹیوں کے معاملے میں ہم ابھی تک جاہلی اثرات سے آزاد نہیں ہو سکے۔
شجرۂ نسب میں اب بھی بیٹیوں اور ان کی اولاد کا ذکر نہیں ہوتا۔
لوگ نسل کے لیے بیٹا حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، بیوی پر ظلم ہوتا ہے، طلاقیں ہوتی ہیں۔
بیٹی کو ابھی تک کمتر درجے کی اولاد تصور کیا جاتا ہے۔
اگر حضور اکرم ﷺ کی اس انقلاب آفرین سنت کو اپنایا جائے تو ہزاروں پریشانیوں سے نجات ملتی ہے۔
اولاد صرف مرد ہی کی تو نہیں ہوتی، بلکہ مرد اور عورت دونوں کی ہوتی ہے، لہٰذا پیدا ہونے والے بچے یا بچی کا تعلق دونوں گھرانوں سے ہونا چاہیے۔ بنا بریں یہ انقلابی سنت فطرت کے عین مطابق ہے۔
خیال رہے کہ وراثت کا معاملہ بالکل الگ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے جس

کا جو حصہ مقرر فرما دیا ہے، وہی ملے گا۔
اسی طرح ہمارے یہاں مغرب کے جاہلی رواج کے مطابق یہ ہوتا ہے کہ شادی سے پہلے بیٹی باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے اور شادی کے بعد شوہر کی طرف۔
رسول اللہ ﷺ نے عورت کے تشخص کو عظمت عطا فرمائی، اس کے نسب کو ہر حال میں محفوظ رکھا۔ آپؐ نے اپنی ازواج کو خدیجہ محمد، عائشہ محمد ﷺ نہیں کہلوایا بلکہ خدیجہؓ بنت خویلد، عائشہ بنت ابی بکرؓ کہا، سیدہ فاطمہؓ شادی سے پہلے بھی بنت محمد ﷺ تھیں، شادی کے بعد بھی بنت محمد ﷺ ہی رہیں، آپ کو فاطمہ علیؓ نہیں کہا گیا۔
عصر حاضر کے مغربی رواج میں رسول اللہ ﷺ کی یہ سنت ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔

عِتُرت

احادیث میں عترت کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے، اس کا مفہوم بھی سمجھ لینا چاہیے۔
علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں: (ترجمہ) "کسی شخص کی عترت اس کے اہل بیت اور اس کا قریبی قبیلہ ہوتا ہے۔ عترت کا لفظ چونکہ بہت سے مفاہیم رکھتا ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے (زید بن ارقمؓ اور جابرؓ کی روایت میں) "عترتی" کے بعد "اھل بیتی" کا لفظ استعمال فرمایا، تاکہ معلوم ہو جائے کہ عترت سے آپ کی مراد اپنی نسل، اپنے قریب ترین قرابت دار اور اپنی ازواج ہیں۔" (مرقاۃ:۱۱/۳۸۵)
حاصل کلام یہ ہے کہ آل اور اھل، ذریت اور عترت کا لغوی مفہوم اور ان کے قرآنی اور حدیثی استعمالات متعین کرتے ہیں کہ آل محمد ﷺ سے مراد صرف آپ کا خاندان اور آپ کا گھرانا ہے۔

صلوٰۃ وسلام میں آل محمد ﷺ کا مصداق ازواجؓ و ذریتؓ ہے

درود ابراہیمی اہم ترین درود ہے، جو خود آپؐ نے نماز میں پڑھنے کے لیے تلقین فرمایا۔
یہ درود شریف روحانی برکتوں کے علاوہ صلوۃ وسلام میں آل محمد ﷺ کی تفسیر بھی کرتا ہے۔

اس درود میں رسول اللہ ﷺ نے آل محمد کے لیے آل ابراھیم جیسی رحمتوں اور برکتوں کی دعا کی ہے، اس لیے پہلے دیکھتے ہیں کہ آل ابراھیم کا مصداق کون ہیں؟

قرآن مجید نے زوجۂ ابراہیمؑ سارہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"رحمت اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت" (ھود:۷۳)

اس آیت اور درود ابراہیمی میں اَللّٰھُمَّ صَلِّ اور اَللّٰھُمَّ بَارِکْ کے الفاظ کا مفہوم ایک ہے۔ درود میں آل ابراہیم کا لفظ ہے اور یہاں آیت میں اہل البیت کا، جبکہ خطاب زوجہ سے ہے تو معلوم ہوا کہ آل اور اہل البیت میں زوجہ داخل ہے۔

حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ سے فرمایا:

"ویتم نعمتہ علیک وعلی آل یعقوب کما أتمھا علی ابویک من قبل ابراھیم واسحق" (یوسف:٦)

اس میں آل کا لفظ ذریت کے لیے استعمال ہوا ہے۔

ابراہیمؑ نے اپنی آل کے لیے رحمتوں، برکتوں کی دعائیں کیں، قرآن مجید میں ان دعاؤں کا یوں ذکر ہے:

"ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا أمة مسلمة لک" (بقرہ:۱۲۸)

"قال انی جاعلک للناس اماماً، قال ومن ذریتی" (بقرۃ:۱۲۴)

"رب اجعلنی مقیم الصلوۃ ومن ذریتی ربنا وتقبل دعاء" (ابراہیم:۴۰)

درود ابراہیمی میں رسول اللہ ﷺ انہی دعاؤں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی آل کے لیے دعا کر رہے ہیں۔

اب درود ابراہیمی میں رحمت وبرکت کی دعا کے حوالے سے آل ابراھیمؑ کا لفظ ہے، اور قرآنی دعاؤں میں آل کی جگہ ذریت کا لفظ ہے، اس سے متعین ہو جاتا ہے کہ آل سے مراد ذریت ہے۔

تو قرآن مجید کے ان استعمالات سے یہ بات سامنے آئی کہ آل ابراھیمؑ

سے مراد ازواج و ذریت ہے، لہٰذا جو مصداق آل ابراھیم کا ہے، وہی مصداق آل محمد ﷺ کا ہونا چاہیے۔

اور خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے اس کی یہی توضیح فرمائی ہے۔

ہم نماز میں عام طور پر جو درود پڑھتے ہیں، یہ کعب بن عجرہؓ کی روایت ہے اور متفق علیہ ہے، اس میں ''آل محمد'' کا لفظ ہے۔ یہی درود ابو حمیدؓ الساعدی سے بھی مروی ہے اور یہ روایت بھی متفق علیہ ہے، اس روایت میں الفاظ یوں ہیں:

''اللھم صل علی محمد وازواجه وذریته کما صلیت علی آل ابراھیم وبارک علی محمد وازواجه وذریته کما بارکت علی آل ابراھیم، انک حمید مجید''

(مسلم، الصلوۃ: 615، ابوداؤد، الصلاۃ: 982, 832، ابن ماجہ، اقامۃ الصلاۃ: 895 مشکوۃ: الصلاۃ علی النبی ﷺ، متفق علیہ)

اس روایت نے قطعی طور پر متعین کردیا کہ آل محمد ﷺ اور اھل بیت سے مراد ازواج مطہرات اور ذریت اطہار رضی اللہ عنھم ہیں۔

ازواج واولاد کے لیے دعا رحمٰن کے بندوں کی شان ہے اور فطرت کا تقاضا ہے، قرآن مجید میں ہے کہ رحمٰن کے بندے یہ دعا کرتے رہتے ہیں:

''ربناھب لنا من ازواجنا وذریتنا قرّۃ اعین واجعلنا للمتقین إماما''

(الفرقان:۷۴)

یہ دعا بھی قرینہ ہے کہ درود میں آل کا مصداق ازواجؓ وذریتؓ ہے، اس لیے کہ انسان کو آنکھوں کی ٹھنڈک انہی کے آرام اور سکون سے حاصل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو اور اہل وعیال کو آگ سے بچانے کی تلقین فرمائی:

''قوا انفسکم واھلیکم ناراً'' (تحریم:٦)

اولاد کی اصلاح کے لیے دعا تعلیم فرمائی: ''واصلح لی فی ذریتی'' (احقاف:١۵)

داؤدؑ کے گھرانے کو نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے اعمال صالحہ کا حکم دیا:

"اعملوا آل داؤد شکراً" (سبا:۱۳)

ان تعلیمات سے معلوم ہوا کہ گھرانا اسلام کی نظر میں نہایت اہمیت رکھتا ہے، حضور ﷺ بھی امت سے اپنے گھرانے کے لیے رحمت و برکت کی دعا طلب فرما رہے ہیں۔

تو یہاں درود میں آل محمد ﷺ کا وہی مفہوم ہے، جو آیت مذکورہ میں آل داؤد کا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ابراہیمی دعاؤں کا حوالہ اور رسول اللہ ﷺ توضیح اور قرآنی تعلیم متعین کردیتی ہے کہ جو مصداق آل ابراھیمؑ کا ہے، وہی مصداق آل محمد ﷺ کا ہے۔

لیکن کچھ لوگوں کی سوچ عجیب ہے، آل ابراھیمؑ میں تو گھرانا، ذریت اور اولاد مراد لیتے ہیں، لیکن آل محمد ﷺ میں یہی مفہوم چھوڑ کر پوری امت کو داخل کر لیتے ہیں!

دیکھیے! اللہ تعالیٰ نے آیتِ اِصطفا (آل عمران:۳۳) میں اعلان فرمایا کہ آل ابراہیمؑ اور آل عمران سب اہل جہان میں ہمارے مصطفیٰ، منتخب اور برگزیدہ ہیں،

آل محمد ﷺ آل ابراھیمؑ میں داخل ہے...... بلکہ علامہ آلوسیؒ تو روح المعانی میں یہ روایت نقل فرماتے ہیں اور بلا تردید نقل فرماتے ہیں کہ ائمہ اہل بیتؓ اس آیت میں یوں پڑھتے تھے: "و آل محمد علی العالمین" یہ قرآت اگرچہ شاذ ہے، لیکن تفسیر تو بن سکتی ہے!...... بہرکیف! یہ آیت بتلا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آل محمد ﷺ کو اہل جہان پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔

کوئی یہ نہ کہے کہ یہ ایمانی فضیلت ہے!

اس لیے کہ کافروں کے مقابلے میں ایمانی فضیلت تو سبھی مومنین کو حاصل ہے، یہاں اہل ایمان پر بھی فضیلت عطا فرمائی جا رہی ہے، اور یہ ہے نسبت کے ساتھ نسب کی فضیلت......

اب سوچنے کی بات ہے کہ اگر پوری امت آل ہے تو آل محمد ﷺ کی شان اِصطفا کیا ہوئی؟ ان کا کیا اعزاز باقی رہا؟

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دین کے ساتھ دنیا تو سب کو دی، لیکن اپنے خاندان اور بالخصوص اپنے گھرانے کے لیے صرف دین کو پسند کیا، زکوۃ و صدقات سے تو اپنے خاندان کو عمومی طور پر محروم فرمایا، لیکن خاص اپنے لیے اور اپنے گھرانے کے لیے فقر اختیار فرمایا۔

ازواج مطہراتؓ نے نان ونفقہ میں اضافے کا سوال کیا تو ارشاد ہوا: (ترجمہ) ''اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دیتا ہوں اور خوبصورتی کے ساتھ تمہیں رخصت کر دیتا ہوں'' (احزاب:۲۸)

سیدہ فاطمہؓ خادم مانگنے آئیں تو تسبیح، تحمید اور تکبیر کا تحفہ ملا۔

ابن سعدؒ یہ نصیحت آموز اور بصیرت افروز واقعہ نقل کرتے ہیں:

(ترجمہ) ''ایک دن علیؓ نے فاطمہؓ سے کہا:

''پانی کھینچ کھینچ کر میرے سینے میں درد ہونے لگا ہے، اللہ نے (مال غنیمت میں) تمہارے ابا (ﷺ) کو قیدی عطا فرمائے ہیں، جاؤ اور کوئی خادم مانگ لاؤ''

فاطمہؓ نے کہا: ''اور اللہ کی قسم آٹا پیس پیس کر میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں''۔

چنانچہ سیدہ فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

آپؐ نے پوچھا: بٹیا! کیسے آنا ہوا؟

عرض کیا: بس سلام کے لیے حاضر ہوئی تھی۔

مانگنے سے شرمائیں اور لوٹ گئیں۔

علیؓ نے پوچھا: کیا کر کے آئی ہو؟

کہا: مجھے مانگنے سے شرم آئی۔

پھر دونوں اکٹھے ہو کر خدمت والا میں حاضر ہوئے، اپنی اپنی تکلیفیں ذکر کر کے ایک خادم کی درخواست کی۔

اس پر آپؐ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم یہ نہیں ہوسکتا کہ تمہیں دے دوں اور اہل صفہ کو چھوڑ دوں، وہ بھوکے ہوتے ہیں اور میرے پاس ان پر خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں ہوتا، میں یہ قیدی بیچوں گا اور اِن کی قیمت اُن پر خرچ کروں گا''۔

دونوں خالی ہاتھ لوٹ آئے۔ بعد میں نبی کریم ﷺ ان کے پاس آئے، اس وقت دونوں اپنے کمبل میں داخل ہو چکے تھے، اور کمبل کا حال یہ تھا کہ سر ڈھانپا جائے تو پاؤں ننگے اور پاؤں پر ڈالا جائے تو سر ننگا۔ آپ کو دیکھ کر دونوں جلدی سے اٹھے، آپؐ نے فرمایا: بیٹھے رہو، کیا میں تمہیں تمہاری فرمائش سے بہتر نہ دے دوں؟

عرض کیا: کیوں نہیں!

فرمایا ''یہ چند کلمات ہیں جو مجھے جبریلؑ نے سکھائے ہیں، ہر (فرض) نماز کے بعد دس مرتبہ سبحان اللہ، دس مرتبہ الحمدللہ اور دس مرتبہ اللہ اکبر کہہ لیا کرو، اور جب بستر پر لیٹنے لگو تو 33 مرتبہ تسبیح، 33 مرتبہ تحمید اور 34 مرتبہ تکبیر کہہ لیا کرو''۔

علیؓ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم جب سے رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ کلمات سکھائے ہیں، میں نے کبھی انہیں ترک نہیں کیا۔

ابن الکواء نے پوچھا: صفین کی رات بھی نہیں؟!

فرمایا: اہل عراق! تمہیں خدا سمجھے، صفین کی رات بھی نہیں۔''

(طبقات ابن سعد: ۲۵/۸)

غالباً اسی تعلیم کے بعد حضرت علیؓ نے دنیا کو تین طلاقیں دی تھیں!

اور آپؐ نے اپنے ترکے کے بارے میں وصیت بھی یہ فرمائی:

''کوئی ہمارا وارث نہیں ہوگا، ہمارا ترکہ صدقہ ہے۔'' (صحیح بخاری: ۵۲۶/۱)

تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے اور اپنے گھرانے کے لیے زکوٰۃ و صدقات کو حرام ٹھہرانے کے ساتھ فقر اختیار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قربانی کا انعام صلوٰۃ وسلام کی صورت میں عطا ہوا، یہی آل محمد ﷺ کی شان اِصطفا

ہے اور اسی سے دین میں اُن کا مقام متعین ہوتا ہے۔ آل ابراھیمؑ ، جن کے حوالے سے حضور ﷺ نے اپنی آل کے لیے دعا کی ہے، انہیں بھی قربانیوں کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے یہی شان اصطفا عطا فرمائی تھی۔

الغرض صلوٰۃ وسلام بدل ہے فقر اختیاری کا، اور آپؐ نے فقر اختیار فرمایا اپنے لیے اور اپنی ازواجؓ وذریتؓ کے لیے، اس قرینے سے بھی متعین ہوتا ہے کہ صلوۃ وسلام میں آل محمد ﷺ سے مراد ازواج و ذریتؓ ہی ہے۔

درود میں آل محمد ﷺ کا مفہوم مزید سمجھنے کے لیے سورہٴ احزاب میں غور کیجیے۔

اس سورت میں سب سے پہلے تبنّی (منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا تصور کرنا) کی رسم توڑی گئی اور یہ رسم توڑنے میں آپؐ کے گھرانے نے آپؐ کا بھرپور ساتھ دیا۔ پھر غزوہٴ احزاب کا ذکر ہے، اس غزوے کی کامیابی میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اہل بیتؓ کا خاص حصہ ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ کو مثالی شخصیت اور آپؐ کے گھرانے کو مثالی گھرانا قرار دیا گیا۔ پردے کا حکم آیا، نکاح نبوی کے خصوصی احکام ارشاد ہوئے، اہل بیتؓ کے لیے نیکی کی جزا اور کوتاہی کی سزا دگنی رکھی گئی، اہل بیتؓ نے ان احکام کو دل وجان سے قبول کیا اور اسلامی معاشرہ برپا کرنے کے لیے بے مثال کردار ادا کیا اور تمام مخالفتوں کو بڑے حوصلے سے برداشت کیا۔

اس پس منظر میں فرمایا گیا:

”ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی“

(ترجمہ) ”یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں“

یعنی اے نبی! ہزار مخالفتوں اور اندیشوں کے باوجود آپ نے ہمارے احکام کی تعمیل میں جو کارنامے انجام دیے اور کوئی کسر نہ چھوڑی اس پر ہم اور ہمارے فرشتے آپ کو آفرین کہتے ہیں اور آپ کے کردار کی تحسین کرتے ہیں۔

"یاایها الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما" (احزاب:۵۶)

(ترجمہ) ''اے ایمان والو! تم بھی آپ پر صلوۃ اور خوب سلام بھیجو''

یعنی آپ کی خدمات اور احسانات کا دل و جان سے اعتراف کرو، اللہ سے آپ کے لیے رحمت کی دعا کرو اور آپ کے حضور سلام عقیدت پیش کرتے رہو۔

تو امت کی طرف سے صلوۃ وسلام درحقیقت خراج تحسین اور نذرانۂ عقیدت ہے۔

اب قرآن مجید نے تو صرف آپؐ پر صلوۃ وسلام کا ذکر فرمایا، لیکن جب آپؐ سے پوچھا گیا: ہم آپ پر صلوۃ کیسے بھیجیں؟

تو آپ نے فرمایا: یوں کہو: اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما .... گویا یہ بتلایا کہ ان احکام کی تعمیل میں میری آل اور میرے اہل بیت میرے معاون رہے، اس لیے تمہارے صلٰوۃ وسلام کے میرے ساتھ وہ بھی مستحق ہیں۔

پس سورہ احزاب کے ان احکام کے پس منظر میں صلوۃ وسلام کے قرینے سے بھی متعین ہوتا ہے کہ صلٰوۃ وسلام میں آل محمد ﷺ سے مراد صرف ازواجؓ و ذریتؓ ہی ہے، پوری امت آل کا مصداق نہیں۔

حاصل کلام یہ کہ آل محمد ﷺ کے دو دائرے ہیں: ایک عام اور دوسرا خاص، آل کا عمومی دائرہ آپؐ پر ایمان لانے والے خاندان کو شامل ہے، یہ حرمت زکٰوۃ وصدقات کا دائرہ ہے۔

اس دائرے میں آل علیؓ، آل عقیلؓ، آل جعفرؓ اور آل عباسؓ داخل ہیں، علیؓ، عقیلؓ اور جعفرؓ نے ایمان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی رفاقت وخدمت کی اور صعوبتیں برداشت کیں، عباسؓ نے خفیہ طور پر ایمان قبول کیا اور نہایت کڑے وقت میں اسلام کی خفیہ خدمت کی، اس لیے ان حضراتؓ کی آل کو ممتاز مقام عطا ہوا اور زکٰوۃ وصدقات ان کے لیے حرام قرار دیے گئے کہ یہ مال کا میل ہے، ان کی شان اس سے بالا ہے۔

آل کا ایک دائرہ خصوصی ہے، یہ آپ کی ازواج و ذریتؓ پر مشتمل ہے، یہ وہ دائرۂ

خاص ہے جس میں زکوٰۃ وصدقات کے علاوہ دنیا کا گذر بھی حرام ٹھہرایا گیا اور ان کے لیے فقر اختیار فرمایا گیا اور پوری امت کے لیے مثال اور اسوہ بننے کی ذمہ داری ان پر ڈالی گئی اور انہوں نے اس ذمے داری کو قبول کیا۔

آل کا یہ دائرۂ خاص رسول اللہ ﷺ کی خصوصی تربیت اور نگاہ شفقت کا مرکز رہا،

میدان مباہلہ میں خصوصی طور پر انہیں لایا گیا،

رسول اللہ ﷺ نے اپنی پاک چادر میں لے کر ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: "اللهم هولاء اهل بيتى" اے اللہ! یہی تو میرے خاص اہل بیت ہیں"

رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد ان کے احترام واکرام کی خصوصی وصیت فرمائی،

اس لیے عمومی احترام تو سبھی آل کے لیے ہے، لیکن خصوصی احترام یعنی صلوٰۃ وسلام خصوصی آل یعنی ازواج مطہرات اور ذریت اطہار کے لیے ہے۔

صلى الله عليه و آله وسلم۔

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

"وكلما كانت جهة القرابة اقوى كان طلب المودة اشد، فمودة العلويين الفاطميين الزم من محبة العباسيين" (روح المعانی: ۳۲/۲۵)

(ترجمہ) "رسول اللہ ﷺ سے جس کی جتنی قرابت زیادہ ہوگی، اس کے بارے میں مودت کا تقاضا اتنا ہی شدید ہوگا، لہٰذا بنی فاطمہؓ کی مودت بنی عباسؓ کی محبت سے زیادہ لازم ہے۔"

الغرض زکوٰۃ وصدقات کے مسائل میں جہاں آل محمد ﷺ کا ذکر آتا ہے، وہاں اہل ایمان خاندان مراد ہوتا ہے اور صلوۃ وسلام میں آل محمد ﷺ سے ازواجؓ وذریتؓ مراد ہوتی ہے۔

حقیقی اور حکمی اہل بیتؓ

رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ مثلاً سلمان فارسیؓ، عبداللہ ابن مسعودؓ کو ان کے اخلاص، وفا، قربت کی بنا پر اہل بیت میں محسوب فرمایا، لیکن یہ صورت حکمی اہل بیت کی ہے، حقیقی اہل بیت وہی ہیں، جن سے قرابت اور زوجیت کا تعلق ہے۔

قرابت اور قربت میں جو لطیف فرق ہے، یہی حقیقی اور حکمی اہل بیت کا مرتبہ متعین کرتا ہے!

جیسے سورۂ اخلاص تہائی قرآن کا ثواب رکھتی ہے، لیکن یہ ثواب حکمی ہے، حقیقی تہائی قرآن کا ثواب اس سے کہیں زیادہ یعنی دس گنا ہے، اسی طرح اہل بیتؓ میں بھی حقیقی اور حکمی کا فرق ملحوظ رکھنا چاہیے۔

ازواج اور اقرباء میں فرق

کسی بھی شخص کی ازواج اور اقربا اس کے اہل بیت ہیں، لیکن اس فرق کے ساتھ کہ ازواج تا نکاح اہل بیت ہیں اور اقربا تابقا اہل بیت ہیں، رشتہ نکاح ٹوٹا، اہلیہ اہل بیت سے خارج، لیکن اقربا سے رشتۂ خون ٹوٹ نہیں سکتا، اس لیے اقربا دائمی اہل بیت ہیں۔

"خطاب خم" کی روایت میں زید بن ارقمؓ نے اسی فرق کی طرف اشارہ کیا ہے،
راوی حصینؒ نے زید بن ارقمؓ سے پوچھا:

''زید! آپ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی ازواج آپ کے اہل بیت میں نہیں ہیں؟''

فرمایا: ''آپ کی ازواج آپ کے اہل بیت سے ہیں، لیکن آپ کے اہل بیت وہ ہیں، جن پر آپ کے بعد بھی صدقہ حرام رہا''۔

پوچھا: ''وہ کون ہیں؟''

فرمایا: ''آل علیؓ، آل عقیلؓ، آل جعفرؓ، آل عباس'' (صحیح مسلم:۲/۲۷۹)

غالباً اسی فرق کی وجہ سے کتب احادیث میں مناقب اہل بیتؓ اور مناقب ازواجؓ عموماً الگ الگ ابواب میں ذکر کیے جاتے ہیں۔

ازواج مطہراتؓ کو البتہ یہ امتیاز حاصل ہے کہ کوئی زوجۂ مطہرہؓ آپؐ سے جدا نہیں ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں ''امہات المؤمنین'' کا شرف عطا فرمایا۔ (احزاب:۶)

اور حرمت ایذاء رسول ﷺ کی وجہ سے آپؐ کی وفات کے بعد ازواج مطہراتؓ سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ٹھہرایا۔ (احزاب:۵۳)

اسی طرح ازواج مطہراتؓ آپؐ کی حیات طیبہ میں جن بیوت میں رہتی تھیں، آپؐ کی وفات کے بعد بھی انہی بیوت میں قیام پذیر رہیں۔

اس لیے ازواج مطہراتؓ جیسے آپؐ کی حیات مقدسہ میں اہل بیت میں داخل تھیں، اسی طرح آپؐ کی وفات کے بعد بھی اہل بیت میں شامل رہیں، اور قیامت تک صلوۃ وسلام میں آل محمد کے دائرے میں ذریت کے ساتھ شامل رہیں گی۔

صلی اللہ علیہ و آلہ وبارک وسلم

صلوٰۃ وسلام صرف محمد و آل محمد کا حق ہے

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

مستند کتب احادیث میں صحیح سند کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلوٰۃ وسلام کے جتنے صیغے وارد ہوئے ہیں، ان میں "محمد ﷺ کے ساتھ اکثر روایات میں "آل محمد" کا لفظ استعمال ہوا ہے اور بعض روایتوں میں اسی کی وضاحت "وازواجه وذریته" کے الفاظ سے ہے۔

صحیح بخاریؒ، صحیح مسلمؒ، مؤطا امام مالکؒ، سنن ترمذیؒ، سنن ابی داوٗدؒ، سنن نسائی، سنن ابن ماجہؒ، مسند احمدؒ، سنن دارمیؒ، مصنف ابن ابی شیبہؒ کی روایاتِ صلوٰۃ وسلام ہمارے سامنے ہیں...... اختصار کی وجہ سے روایات نقل نہیں کر رہا، متعلقہ مقامات دیکھیے...... ان میں کسی روایت میں "محمد و آل محمد" ﷺ پر اضافہ نہیں ہے۔

جن دو تین روایتوں میں الفاظ مختلف ہیں یا اضافہ ہے، اولاً تو ایسی روایات ثانوی درجے کی کتب میں ہیں اور پھر موقوف ہیں یا منقطع، ان روایات کی سند ضعیف ہے۔

صلوٰۃ وسلام ہمارے لیے ایک اہم عبادت ہے، اور عبادات میں ہم رسول اللہ ﷺ کے بتلائے ہوئے طریقے کے پابند ہیں، صحیح اور مرفوع روایات میں صرف "محمد وآل محمد" ﷺ کا ذکر ہے، اس لیے ضعیف روایات کے سہارے اس میں زیادت درست نہیں۔

سطور بالا میں سورہ احزاب کے حوالے سے یہ بات آچکی ہے کہ دین کی اقامت و اشاعت میں آل محمد ﷺ نے جس طرح محمد ﷺ کی نصرت واعانت کی، نزول وحی سے تادم آخر تنفیذِ دین کے لیے جو مثالی کردار ادا کیا اور مثالی زندگی بسر کی، صلوٰۃ وسلام درحقیقت ان قربانیوں کا ربانی صلہ ہے۔

علاوہ ازیں دور نبوی سے تا امروز اسلام کی دشمن تین قوتیں ہیں: مشرکین، یہود، نصاریٰ، ان اسلام دشمن قوتوں کی سرکوبی میں اہل بیتؓ کا خصوصی کردار ہے،

بدر، احد، احزاب اور پھر حنین میں مشرکین کے مقابلے میں سیدنا علیؓ نے شجاعت کی نئی مثالیں قائم کیں،
یہود کے مرکز خیبر کی فتح سیدنا علیؓ کے ہاتھ پر ہوئی،
میدان مباہلہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سیدنا علیؓ، سیدہ فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ نصاریٰ کے مقابل صف آرا ہوئے اور نصرانیت نے ہتھیار پھینک دیے۔
اوران تمام معرکوں میں ازواج مطہراتؓ آپ کی دلجوئی کرتیں اور ڈھارس بندھاتی رہیں،
تاریخ اسلام کے روحانی مقابلوں میں بھی ذریت اطہارؓ کی پاکیزہ روحانیت نے اہل اسلام کی لاج رکھی،
اور دور آخر میں اہل بیتؓ ہی کے فرزند جلیل مھدی آخر الزمانؑ اسلام دشمن قوتوں سے نبرد آزما ہوں گے،
اہل بیتؓ کی یہ وہ عظیم الشان خدمات ہیں، جن پر امت تا قیامت ان کی احسان مند رہے گی،
اس لیے صلوۃ وسلام، جو ایک پہلو سے امت کا خراج تحسین بھی ہے، کے حقدار یہی حضرات قدسی صفات ہیں، صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
اس پر یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ قرآن مجید میں حضور اکرم ﷺ کو فرمایا گیا:
"وصل علیھم ، ان صلوتک سکن لھم" (توبہ:۱۰۳)
اور آپؐ نے خود دعا فرمائی اور یہ صحیح سند سے مروی ہے:
"اللھم صلّ علی آل ابی اوفی"
اس لیے کہ اضافت سے لفظ کا معنی ومفہوم بدل جاتا ہے۔ صلوٰۃ کا معنی صلوٰۃ بھیجنے والے کی حیثیت سے متعین ہوتا ہے، جب صلوٰۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو معنی اور، فرشتوں کی طرف ہو تو معنی اور، امت کی طرف ہو تو معنی اور، اسی طرح جس پر صلوٰۃ

بھیجی جا رہی ہے، اس کی حیثیت سے بھی معنی بدل جائے گا۔ اللہ اور فرشتے نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں "ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی" (احزاب:۵۶) اور امت پر بھی صلوۃ بھیجتے ہیں: "ھو الذی یصلی علیکم وملائکتہ" (احزاب ۴۳) لیکن پیغمبر ﷺ پر صلوٰۃ کی نوعیت اور ہے اور، امت کے لیے اور، امت کے لیے صلوٰۃ کا مفہوم اسی آیت کا اگلا جملہ خود واضح کر رہا ہے: "لیخرجکم من الظلمٰت الی النور" اسی طرح "ان صلوتک سکن لھم" کے قرینے سے واضح ہوتا ہے کہ "صل علیھم" میں عمومی دعائے رحمت مراد ہے، جو آپؐ صدقہ لانے والے ہر شخص کے لیے کیا کرتے تھے۔

عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی (ارشاد ربانی کی تعمیل میں) عادت تھی کہ جب کوئی شخص آپؐ کے پاس صدقہ لاتا تو آپؐ دعا کرتے "اللھم صلّ علی آل فلان" جب میرے والد آپؐ کی خدمت میں صدقہ لے کر حاضر ہوئے تو آپؐ نے دعا کی: اللھم صل علی آل ابی اوفی"

(صحیح بخاری: باب وجوب الزکوۃ)

لیکن وہ صلوۃ وبرکت جو "کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم" اور "کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم" میں ہے، صلوۃ کی یہ نوعیت صرف "محمد و آل محمد ﷺ" کے لیے مخصوص ہے۔

یہی وجہ ہے کہ "آل ابی اوفی" والی روایت کے باوجود فقہاء کا فتویٰ ہے کہ غیر انبیاء پر بالاستقلال صلوٰۃ بھیجنا درست نہیں، حالانکہ اس روایت میں آل ابی اوفیؓ پر مستقل صلوٰۃ ہے! اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ یہاں صلوٰۃ کا مفہوم وہ نہیں، جو درود میں ہوتا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے یہاں دعا میں "صلوٰۃ" کا لفظ استعمال فرمایا، لیکن درود میں "آل محمد" کے علاوہ کسی اور کا ذکر نہیں فرمایا، اس سے بھی "صلوٰۃ" کی نوعیت کا فرق معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح "السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین" میں سلام اور "وسلموا تسلیماً" کی تعمیل میں محمد و آل محمد ﷺ پر سلام کی نوعیت بالکل مختلف ہے، ہر ایک پر سلام اُس کی شان اور مرتبے کے مطابق ہوتا ہے،
آخر ہم ایک دوسرے کو بھی تو "السلام علیکم" کہتے ہیں، کوئی کسی کا سلام پہنچائے تو وعلیک وعلیہ السلام کہتے ہیں، لیکن یہ سلام دعا ہے، وہ سلام عقیدت، یہ سلامِ التفات ہے، وہ سلامِ ارادت، یہ تالیف ہے، وہ تعمیل، یہ سنت ہے، وہ فرض، تو کہاں یہ سلام اور کہاں وہ سلام!
حاصل بحث یہ ہے کہ آیت صلوۃ وسلام کی تعمیل میں جو صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے، یہ "محمد و آل محمد" ﷺ کے لیے مخصوص ہے۔

صحابہ کرامؓ کے درمیان اہل بیتؓ مخصوص مقام رکھتے ہیں

یہاں ایک روایت قابل ذکر ہے۔
ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ "نبی اکرم ﷺ کے دور مبارک میں ہم کسی کو ابوبکرؓ کے برابر نہیں سمجھتے تھے، پھر عمرؓ کا شمار ہوتا تھا، پھر عثمانؓ کا، اس کے بعد ہم اصحابؓ (کے مراتب کا معاملہ) چھوڑ دیتے تھے کہ باہم ایک دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے"۔
(مشکوٰۃ، مناقب ابی بکرؓ، عن البخاری)
سوال پیدا ہوا کہ علیؓ، حسنینؓ اور عمینؓ کا امتیازی مقام تو مسلم ہے، ان کا ذکر کیوں نہیں کیا؟
ملا علی قاریؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:
(ترجمہ) "یہ ایک دوسرے پر فضیلت کی باتیں اصحابؓ کے درمیان ہیں" واما اھل البیت فھم اخص منھم وحکمھم یغایرھم" رہے اہل بیتؓ! تو وہ اصحابؓ میں مخصوص ترین ہیں، اور ان کا حکم ان سے مختلف ہے"۔ (مرقاۃ: ۱۱/۲۸۵)

جب اہل بیتؓ کا مقام مخصوص ہے تو اُن کے آداب بھی مخصوص ہونے چاہیں، اور ان کے مخصوص آداب یہی صلوٰۃ وسلام اور وجوبِ مودت ہے۔

صلوٰۃ وسلام کا اعزاز ذریت میں صرف اتقیاء کو حاصل ہوتا ہے

ہم دیکھتے ہیں کہ سادات میں بہت سے لوگ فاسقانہ زندگی بسر کرتے ہیں، کئی دنیا کے بندے ہیں، کچھ گمراہ ہو کر دائرۂ اسلام سے ہی نکل چکے ہیں، تو کیا ہمارا صلوٰۃ وسلام ان لوگوں کے لیے بھی ہے؟

ایک روایت سے اس کا جواب ملتا ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: ''ہم نبی ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، فتنوں کا ذکر شروع ہوا تو آپؐ نے بہت سے فتنوں کا ذکر فرمایا یہاں تک کہ ''فتنۂ احلاس'' کا ذکر ہوا تو ایک صاحب نے پوچھا:

فتنۂ احلاس کیا ہے؟

فرمایا: یہ بھگدڑ اور لوٹ مار کا فتنہ ہوگا، پھر خوشحالی کا فتنہ ہوگا، اس فتنے کی آگ میرے قدموں تلے سے میرے اہل بیت کا ایک شخص بھڑکائے گا، وہ سمجھتا ہوگا کہ وہ مجھ سے ہے، حالانکہ وہ مجھ سے نہیں ہے، میرے اولیاء تو بس متقین ہیں......''

(مشکوٰۃ: کتاب الفتن، الفصل الثانی عن ابی داؤد)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اہل بیت کا وہ فرد آل میں داخل رہے گا، جو تقویٰ کی زندگی بسر کرے، صلوٰۃ وسلام کا اعزاز اُس سید کو حاصل ہوگا، جس کے اعمال سے سنت کا نور جھلکتا ہو، جو نسب کے ساتھ نسبت کی بھی حفاظت کرے، خود صراط مستقیم پر چلے، دوسروں کو سیدھی راہ پر لانے کی کوشش کرے تو ایسے سید کا دہرا احترام واکرام واجب ہے۔

لیکن جو اپنے نسب کی لاج نہ رکھے، حضور ﷺ سے نسبت توڑ بیٹھے، فاسق وفاجر ہو، فتنہ باز ہو، خواہ دنیوی فتنے برپا کرے یا دینی، وہ آل محمد ﷺ سے خارج ہو کر صلوٰۃ

وسلام کے اعزاز سے محروم ہو جاتا ہے۔

یہاں ایک دوسری روایت کا ذکر بھی لازم ہے۔ دیلمی نے انسؓ سے روایت کیا ہے ک

''رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: آل محمد کون ہے؟

فرمایا: ہر تقی آل محمد سے ہے، پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی

(ترجمہ) ''اُس کے اولیاً صرف متقین ہیں'' (مرقاۃ: ۳۳۸/۲)

اس روایت کا یہ مطلب نہیں کہ جو ذریت میں نہ بھی ہو، صرف تقویٰ کی وجہ سے آل

میں داخل ہو جائے گا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ میری ذریت کا ہر تقی میری آل میں ہے

اور رہے گا، جو تقویٰ کی راہ سے ہٹ جائے گا، وہ میری آل سے نکل جائے گا......

مذکورہ بالا روایت اور گذشتہ دلائل کی روشنی میں اِس روایت کا یہ مفہوم متعین ہوتا ہے،

چنانچہ روایت بالا کے بارے میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

''وھذا ابلغ من حدیث آل محمد کل تقی'' (مرقاۃ ۱۳۳/۱۰)

یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوحؑ سے وعدہ کیا تھا کہ میں طوفان سے تمہارے

اہل کو بچاؤں گا، لیکن جب بیٹا ڈوب گیا تو نوحؑ نے عرض کیا:

''یا رب ان ابنی من اھلی وان وعدک الحق وانت احکم الحاکمین''

(ترجمہ) ''میرے رب! میرا بیٹا میرے اہل سے ہے، تیرا وعدہ سچا ہے اور تو احکم الحاکمین ہے''

جواب ملا: **''یا نوح انه لیس من اھلک''**

(ترجمہ) ''نوح! وہ تیرے اہل سے نہیں ہے''۔

اس لیے نہیں کہ نسب میں شک ہے بلکہ:

''انه عمل غیر صالح''

(ترجمہ) ''اس لیے کہ وہ سراپا بد عمل ہے''۔ (ھود: ۴۶،۴۵)

تو جیسے نوحؑ کا بیٹا بدعمل ہونے کی وجہ سے سفینۂ نجات ورحمت سے محروم رہا، اسی طرح اہل بیت اور ذریت نبوی میں جو بدعمل ہوگا، وہ صلوۃ وسلام کے شرف سے محروم رہے گا۔

یہی بات ابراہیمؑ نے اپنی ذریت کے بارے میں کہی:

"فمن تبعنی فانه منی ومن عصانی فانک غفور رحیم" (ابراہیم:۳۶)

(ترجمہ) "سو جو میری پیروی کرے گا، وہ مجھ سے ہے، اور جو میری نافرمانی کرے گا تو تو غفور رحیم ہے"۔

یعنی نافرمان میری آل اور میری ذریت سے خارج ہے، باقی آپ اُس کی مغفرت فرما دیں تو آپ کی شان ہے!

اسی طرح متقی اور تابع تو آل محمد میں داخل رہے گا، بدکردار اور معصیت شعار آل محمد سے خارج ہو جائے گا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یہ مضمون لکھا جا چکا تھا کہ حضرت خواجہ گیسودرازؒ کے ملفوظ سے اس کی تائید ملی، فرمایا:

"انؓ کے فرزندوں میں جو انؓ کی صفات اور سیرت سے متصف نہیں، وہ حسینی، علوی اور فاطمی کہلانے کا مستحق نہیں"۔ (جوامع الکلم:۱۹۴)

فالحمد للہ علی ذلک

صلوۃ وسلام کے بارے میں ایک اور عجیب رویہ ہے:

جو لوگ آل محمد ﷺ کو "ازواج وذریت" میں محدود سمجھتے ہیں اور اس کے ساتھ امت کے لیے بھی تبعاً صلوٰۃ وسلام کو جائز قرار دیتے ہیں، یہ لوگ صلوۃ وسلام میں آل کے بعد مزید طبقات کا ذکر کریں تو بات سمجھ آتی ہے، لیکن جو لوگ ہر متقی اور پوری امت کو آل میں داخل سمجھتے ہیں، وہ آل کے بعد اضافہ کیوں کرتے ہیں!

صلوۃ وسلام عبادت ہے، عبادت اضافوں سے پاک ہونی چاہیے،

جو وضاحتیں رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمائیں

جو اضافے رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمائے

ہم وہ وضاحتیں اور اضافے کیوں کریں؟

نوٹ:صلوۃ وسلام کے مذکورہ بالا مسئلے میں علماء کرامؒ کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ فقیر نے دلائل کی روشنی میں جس رائے کو راجح سمجھا، ذکر کر دیا، اس کے ساتھ فقیر دوسری آراء کا احترام کرتا ہے۔

"ولکل وجھۃ ھو مولیھا فاستبقوا الخیرات"

جعلی سادات کا فتنہ

سطور بالا میں یہ بات آئی کہ دنیا پرست، معصیت کوش سادات صلوۃ وسلام کے اعزاز سے محروم اور آل سے خارج ہیں۔

جب میں اپنے اردگرد دیکھتا تھا کہ سادات کی بڑی تعداد غفلت اور فسق و فجور کی زندگی بسر کر رہی ہے، تو دکھ کے ساتھ حیرت ہوتی تھی کہ اتنا عظیم نسب کیا اتنا ہی کمزور ہے!

ایک دن اسی حیرت میں ڈوبا ہوا تھا کہ ایک غوث نے دستگیری فرمائی!

''تذکرۂ غوثیہ'' حضرت سید غوث علی شاہ قلندرؒ پانی پتی (۱۸۰۴ء۔۱۸۸۰ء) کے حالات و ملفوظات کا ایک حسین تذکرہ ہے۔ حضرت غوثؒ نے کافی عرصہ سیاحت میں گزارا، بغداد شریف میں چار ماہ قیام پذیر رہے۔ فرماتے ہیں قیام بغداد کے دوران میں:

''ایک روز ہم نے سنا کہ ہندوستان کے تین چار جولا ہے سجادہ نشین صاحب کو ایک ایک ریال دے کر حسنی بن گئے اور نسب نامہ بھی حاصل کر لیا ہے۔''

حسب اتفاق ایک دن ہم اور ہمارے ہم نام اور میاں سید علی شاہ صاحب سجادہ نشین ایک دستر خوان پر کھانا کھا رہے تھے، اُس وقت میاں غوث علی شاہ کو، جو کہ سید حسینی تھے، ہم نے چھیڑا کہ میر صاحب آپ بھی ایک ریال حضرت کو نذر کر کے اولاد میں شامل ہو جائیے، پھر خوب بن آئے گی!

اس بات پر وہ بہت خفا ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم میں کچھ کسر ہے یا تم سے کچھ کم ہیں؟ اگر تمہارے ہاں ایک امام ہے تو ہمارے خاندان میں گیارہ امام ہیں، باقی رہا فقر کا معاملہ، وہ قبضۂ قدرت میں ہے، ملے یا نہ ملے، اس کی تلاش میں تشنہ لب پھرنا ہمارا کام ہے:

کامِ ما گر تر نہ شد از آبِ مقصد عیب نیست
زانکہ اولادِ حسینمؓ تشنگی میراث ماست

یہ بات سن کر سجادہ نشین صاحب نے فرمایا کہ تم کو کیوں رشک آیا؟

ہم نے کہا: صاحب! رشک تو نہیں، مگر شک ضرور پیدا ہو گیا کہ کہیں ہمارے بزرگ بھی دُھنیے جولاہے ہی نہ ہوں، یہاں نام لکھوا کر سید بن گئے ہوں، ہم کو تو آج سے اپنی سادات میں کلام ہو گیا!

میاں صاحب نے فرمایا: یہاں شاہ عبدالرزاق صاحب اور عبدالوہاب صاحب کی اولاد کا کچھ ذکر نہیں، یہ دونوں صاحب زادے تو حضرت کی زندگی ہی میں تشریف لے گئے تھے، ہمارے اصلی اور نقلی دفتر میں ان بزرگوں کا نام ہی نہیں، پھر ان کی اولاد کا کیا ذکر! یہاں تو صرف غریب شاہ عبدالعزیز صاحب کی اولاد ہے اور اسی خاندان میں ہم سب کو شامل کر لیتے ہیں کیونکہ مرید بھی بمنزلہ اولاد کے ہوتا ہے اور اس قسم کے لوگوں کا دفتر جدا بنا ہوا ہے" (تذکرۂ غوثیہ: ۱۰۸، ۱۰۹)

حضرت غوثؒ نے یہ راز کھول کر میری حیرت دور کر دی کہ گھٹیا اور نازیبا حرکتیں کرنے والے سید دراصل دفتر دوم کے ریالی سید ہیں!

یہ قصہ تو انیسویں صدی کا ہے، جب تبدیل نسب ایسے واقعات کم کم ہوتے تھے۔ بیسویں صدی تو انقلابات کی صدی ہے، اس صدی میں پوری دنیا میں جغرافیے کے ساتھ سیاست وثقافت اور تہذیب و تمدن میں انقلاب برپا ہوئے۔

ہمارے خطے میں ۱۹۴۷ء کا انقلاب اپنے جلو میں کئی طوفان لایا۔ اس میں جہاں امیر غریب اور غریب امیر ہوئے، شرفاء گمنام اور لٹیرے نامور ہوئے، وہاں اس انقلاب میں سماجی شناختیں اور خاندانی نسبتیں بھی زیروزبر ہوئیں۔

سید حسام الدین راشدی ہمارے ملک کے مشہور ادیب اور صاحب علم گذرے ہیں۔ وہ اپنے ایک مضمون "پنبہ کجا کجا نہم" میں رقمطراز ہیں:

"بہر حال علی گڑھ کے قفل ساز، آگرے کے موچی، میرٹھ کے قصائی، دلی کے مٹھائی فروش تو اکثر و بیشتر امیر بن گئے اور کئی ایک نے سید بن کر سجادے بھی آراستہ کر لیے

اور بعض نے کسی نہ کسی بوسیدہ قبر پر بیٹھ کر ولایت اور کرامات سے روپیہ پیسہ بٹورنا شروع کر دیا......

سید مطلبی فرید آبادی، خدا انہیں جیتا رکھے، مرحوم سید ہاشمی فرید آبادی کے چھوٹے بھائی ہیں، علم وفضل اور خاندانی ثروت اور وجاہت کی وجہ سے اس خاندان کو کون نہیں جانتا! ان کی روایت ہے کہ کراچی آتے آتے جب ملتان کے اسٹیشن پر ان کی گاڑی رکی تو سامنے مریدوں اور عقیدت مندوں کے بے پناہ جھرمٹ میں ایک صاحب انہیں نظر آئے، صاف سفید کپڑے، قیمتی شال کاندھے پر اور صوفیانہ عمامہ سر پر بندھا۔ انہیں شک گذرا، اتر کر جو دیکھا تو فرید آباد کا ایک میراثی نکلا، شبراتی نام تھا، لیکن فرید آباد کے لوگ اسے ابے او شبرؔ ادھر تو آ! کہہ کر پکارا کرتے تھے، شادی بیاہ کے موقع پر ادھر اُدھر پیغام پہنچانا اُس کے ذمے تھا......

پیر صاحب کی جب ان پر نظر پڑی تو مریدوں کے جمگھٹ سے فوراً نکل آئے، ادب سے مل کر علیحدہ لے گئے اور التجا کی کہ خدا کے واسطے میری لاج رکھیو، سید صاحب تیرے نانا کے دامن میں پناہ لی ہے، سید بن کر مریدوں کا اچھا خاصا گروہ پیدا کر لیا ہے، اب میری روزی پر لات نہ ماریو! باپ دادا کا واسطہ ہے"

(ماہ نامہ قومی زبان، ص: ۳۴، ۳۵۔ دسمبر ۱۹۸۲ء)

ایک اور مشہور ادیب یہ دلچسپ واقعہ نقل کرتے ہیں

قیام پاکستان کے بعد لاکھوں مہاجرین بھارت سے پاکستان آئے، انہیں ضلع وار بسایا جاتا تو اُن کے صدیوں پرانے سماجی اور ثقافتی رشتے نہ ٹوٹتے، لیکن وہ ملک کے مختلف حصوں میں آباد کر دیئے گئے، ان کا انفرادی اور خاندانی تشخص ختم ہو گیا، بہت سے مہاجرین نے جھوٹ بول کر بڑے بڑے کلیم منظور کرا لیے، بہت سوں نے ذاتیں بدل لیں، نیا ملک، نیا دور اور نئی ذات!

سرگودھا میں انبالہ کے اکثر لوگ آباد ہوئے، ایک خاندان انبالہ کے کسی بزرگ کے مزار کے مجاوروں سے تھا، یہ لوگ اپنی ذات جوگی یا فقیر بتاتے تھے، ان کے نام نھّو شاہ، پھتّو شاہ اور دھوتے شاہ وغیرہ تھے، مغربی پنجاب میں ''شاہ جی'' سید کو کہا جاتا ہے، چنانچہ یہ لوگ بھی اپنی ذات سید لکھوانے اور بتانے لگے، انہوں نے بڑے بڑے کلیم داخل کیے، لیکن ان سے غلطی یہ ہوئی کہ یہ اپنے بھتیجے ''جانی شاہ'' کو سید بننے پر آمادہ نہ کر سکے اور اس سے جائیداد کا تنازعہ بھی کھڑا کر لیا، چنانچہ انبالہ کی جائیداد کے بدلے میں کلیم کی منظوری اور تقسیم کا مقدمہ جب مقامی افسر بحالیات کی عدالت میں پیش ہوا تو کچھ اس طرح کا معاملہ تھا:

افسر بحالیات:...... ''تمہارا نام......''؟

نھّو شاہ:...... ''نھّو شاہ حضور!''

افسر:...... ''ولدیت''؟

نھّو شاہ:...... ''خیرے شاہ''

افسر:...... ''ذات''؟

نھّو شاہ:...... ''سید جناب والا، بخاری سید''

افسر:...... ''اس کلیم میں کون کون وارث ہیں؟''

نھّو شاہ:...... میں اور میرے دو بھائی پھتّو شاہ اور دھوتے شاہ اور میرے مرحوم بھائی مہر شاہ کا بیٹا جانی شاہ...... لیکن حضور ہم جانی شاہ کو اس کا حصہ نہیں دینا چاہتے۔

افسر:...... کیوں؟ تم تو کہتے ہو کہ وہ تمہارا سگا بھتیجا ہے''۔

نھّو شاہ:...... حضور بھتیجا تو ہے لیکن ہے ناخلف...... ہم نے اسے عاق کر دیا ہے۔

افسر: ''کیا یہاں جانی شاہ موجود ہے''......؟

جانی شاہ:...... ''میں موجود ہوں مائی باپ...... میرا ہی نام جانی شاہ ہے''۔

افسر:......"والد کا نام"؟

جانی شاہ:"مہر شاہ حضور"

افسر: ذات؟

جانی شاہ:......"جوگی ......فقیر......مائی باپ...... اللہ اور رسولؐ کا واسطہ دے کر مانگ کر کھانے والے"

افسر:......"لیکن تمہارے دونوں چچا تو اپنی ذات سید بتاتے ہیں"!

جانی شاہ: حضور اس سے اندازہ لگالیں کہ میرے دونوں چچاؤں نے سادات کو بھی نہیں بخشا، ان کی ذات پر قبضہ کرلیا سرکار! پھر مجھ غریب کی جائیداد پر قبضہ کیوں نہیں کریں گے، مجھے میرا حق دلوایا جائے حضور......میں غریب آدمی ہوں......"

اور افسر بحالیات نے جانی شاہ کو سچا آدمی قرار دیتے ہوئے اُسے اس کا حق دے دیا۔ لیکن اس معاشرے میں جانی شاہ کی طرح کتنے سچے لوگ ہیں......؟ اور اس افسر بحالیات کی طرح کتنے نیک دل اور منصف افسر......؟" (دوستی کا سفر: ص ۴۲۔۴۱)

ان واقعات سے گلوکاروں، فنکاروں، اداکاروں اور بھانڈوں کی سیادت کی قلعی کھل جاتی ہے، اسی طرح جو لوگ سیادت و شرافت کا نقاب اوڑھ کر علم و مشیخت کی آبروریزی کر رہے ہیں، یہ واقعات اُن کی اصلیت کا بھی راز فاش کرتے ہیں۔

اصلی سید کی مزید پہچان مطلوب ہو تو ملا علی قاریؒ کی خدمت میں چلتے ہیں۔

اصلی سید کی پہچان

ملا علی قاریؒ سید کے اوصاف کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''سید وہ ہے جو مغلوب الغضب نہ ہو''

سید وہ ہے جو خیر اور نیکی میں فائق رہے''۔ (مرقاۃ:۱۱/۳۷۹)

''سید وہ ہے جو مصائب و شدائد میں لوگوں کی پناہ گاہ ہو، جو ضرورت مندوں کے کام آئے، تکلیفوں میں ان کا ہاتھ بٹائے اور پریشان حالوں کا درماں بنے''۔ (مرقاۃ:۱۱/۴۵)

اور حضرت خواجہ گیسو درازؒ نے فرمایا:

''اہل بیتؓ میں دو چیزیں عام طور پر پائی جاتی ہیں اور ان سے کسی کو بھی خالی نہ دیکھو گے۔ ایک تو خوف خدا اور دوسرے عبادت و طاعت الٰہی، اس میں کوتاہی ان میں سے کسی میں دیکھی نہیں جاتی'' (جوامع الکلم:۸۷)

حاصل یہ ہے کہ سید صرف نسب میں نہیں بلکہ حسب اور علم و عمل میں بھی سید ہوتا ہے، جس طرح شیر اور شاہین اپنے خصائص سے پہچانے جاتے ہیں، اسی طرح سادات بھی اپنے نسلی اوصاف سے پہچانے جاتے ہیں۔

یہ تو وصفی پہچان ہے۔ محدث احمد بن حجر مکیؒ (۸۹۹۔۹۷۴ھ) نے ایک عملی پہچان بھی لکھی ہے، جو بہت کڑی ہے، فرماتے ہیں:

(ترجمہ) ''عباسی حکمران متوکل کے سامنے ایک عورت نے دعویٰ کیا کہ وہ سیدہ ہے۔ اس نے پوچھا: اس کی تحقیق کس سے کی جائے؟ تو امام علی عسکریؒ کا نام لیا گیا۔ چنانچہ انہیں بلوایا گیا، جب وہ تشریف لائے تو انہیں اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اور زیر بحث دعویٰ کے بارے میں دریافت کیا، آپؒ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے حسنینؓ کی اولاد کا گوشت شیروں پر حرام کیا ہے، اس عورت کو شیروں کے سامنے ڈالا جائے''

عورت کے سامنے یہ بات رکھی گئی تو اس نے اپنے جھوٹ کا اعتراف کرلیا۔

اس کے بعد کسی نے متوکل سے کہا: آپ اس بات کا خود ان پر تجربہ کیوں نہیں کرتے؟

چنانچہ متوکل نے تین شیر منگوائے اور اپنے قصر کے صحن میں چھوڑ دیے، پھر امام علی عسکریؒ کو بلا بھیجا، جب وہ صحن میں داخل ہوئے تو دروازہ بند کر دیا گیا، اس وقت حال یہ تھا کہ شیروں کی دھاڑ سے کان بہرے ہو رہے تھے، جب امام صحن سے گذر کر زینے کی جانب بڑھے تو شیر پرسکون ہو کر آپ کی طرف آئے اور آپ کے گرد گھومنے لگے اور اپنا جسم آپؒ کے ساتھ رگڑنے لگے، امام بھی آستین کے ساتھ اپنا ہاتھ ان پر پھیر رہے تھے، پھر وہ بیٹھ گئے تو آپ زینے پر چڑھ گئے اور متوکل کے ساتھ کچھ دیر گفتگو فرماتے رہے، جب آپ واپس جانے کے لیے نیچے اترے تو شیروں نے آپ سے پھر وہی فرماں برداری اور محبت کا برتاؤ کیا، یہاں تک کہ آپ باہر نکل گئے۔ اس سے متاثر ہو کر متوکل نے بڑا ہدیہ آپ کی خدمت میں بھجوایا۔

متوکل سے کہا گیا: تم بھی یونہی کرو جیسا تمہارے ابن عمؒ (امام علی عسکری) نے کیا۔ لیکن اُسے جرأت نہ ہوئی اور کہا: کیا تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو! پھر حکم دیا کہ اس قصے کا افشا نہ کریں"۔ (الصواعق المحرقہ: ۲۰۵)

اور یہ واقعہ ایک ہی مرتبہ پیش نہیں آیا، بلکہ اس سے پہلے بھی یہ امتحان ہو چکا، ابن حجر مکی نقل فرماتے ہیں:

"یحییٰ بن عبداللہ المحض بن الحسن المثنی بن الحسن السبطؓ جب بھاگ کر دیلم گئے اور وہاں سے گرفتار ہو کر رشید کے پاس لائے گئے تو اس نے آپ کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ کو ایک گہرے حوض میں پھینک دیا گیا، جس میں بھوکے شیر تھے، لیکن وہ آپ کو کھانے سے باز رہے، وہ آپ پر حملہ آور ہونے سے ڈرتے تھے اور آپ کے پہلو میں پناہ چاہتے تھے۔" (الصواعق المحرقہ: ۲۰۷)

جو قادر و مقتدر ہستی ابراہیمؑ کو بھڑکتی آگ میں زندہ رکھ سکتی ہے، اسماعیلؑ کا حلقوم تیز چھری سے بچا سکتی ہے، وہ ہستی اگر ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی سچی اولاد کو شیروں کے منہ بچائے تو اس پر تعجب کیسا؟

جو لوگ اس دور میں سیادت و شرافت کے لیے تہمت بنے ہوئے ہیں انہیں امتحان کے اس مرحلے سے گذارنا چاہیے!

قرآن مجید کی روشنی میں

مودّتِ اہل بیتؓ ہر مومن پر واجب ہے

سورۂ شوریٰ میں نہایت دلکش اور واشگاف الفاظ میں مشرکین کو سمجھایا گیا کہ ایمان اور عمل صالح کی زندگی بسر کرو، دین حق اور قرآن مجید جیسے صحیفۂ ہدایت کی قدر کرو، مان لو گے تو ابدی نجات پا کر جنت میں داخل ہو جاؤ گے، نہ مانو گے تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کا ایندھن قرار پاؤ گے۔ یہ مضمون بیان فرمانے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

"قُلْ لَّا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْراً اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى"

(الشوریٰ:۲۳)

(ترجمہ) "(اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ میں اس (کام) پر تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا مگر "قربیٰ" میں مودت ضرور چاہتا ہوں"۔

مقصود یہ ہے کہ میں جو تمہاری نجات کے لیے جان کھپا رہا ہوں اور تکلیفیں اٹھا رہا ہوں یہ صرف خیر خواہی کے جذبے سے ہے، میں اس خدمت اور تبلیغ پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا، ہاں "مودت فی القربیٰ" ضرور چاہتا ہوں۔

یہ قربیٰ کیا ہے؟

اس کی تفسیر میں مفسرین کی تین آراء ہیں:

(۱) قربیٰ کا معنی ہے "قرابت" (رشتہ داری، جس کی بنیاد خونی اور رحمی تعلق ہو) اس معنی کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہے کہ "میں تم سے اس کام پر کوئی اجر نہیں چاہتا، مگر یہ ضرور چاہتا ہوں کہ میرے اور تمہارے درمیان جو قرابت ہے، اس کی وجہ سے کم از کم مجھ سے مودت رکھو، حق قرابت کا تو لحاظ کرو، اگر نصرت نہیں کرتے، نہ کرو، کم از کم اذیت تو نہ پہنچاؤ، صلۂ رحمی ترک نہ کرو"۔

(۲) قربیٰ، قرابت کے معنی میں ہے اور مراد ہے، اہل قرابت، اقارب۔
آیت کا مطلب یہ ہوا کہ "میں اس کام پر تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا، بس اتنا چاہتا ہوں کہ میرے اقارب سے محبت ومودت کا سلوک رکھو"۔
(۳) "قربیٰ" زلفیٰ اور بشریٰ کی طرح مصدر ہے اور قرب اور تقرب کے معنی میں ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ "میں تم سے اس کام پر کوئی اجر اس کے سوا نہیں چاہتا کہ تمہارے اندر اللہ کے قرب کی چاہت پیدا ہو جائے" یعنی تم راہ راست پر آ جاؤ، اعمال صالحہ کرنے لگو، بس یہی میرا اجر ہے۔
ان میں پہلی تفسیر حضرت ابن عباسؓ اور دوسرے اکابر مفسرین سے منقول ہے اور اسے راجح قرار دیا گیا ہے۔
زیر نظر آیت کریمہ میں ایک اہم بحث استثنا کی ہے کہ یہاں استثنا منقطع ہے یا متصل؟
اور غور کیا جائے تو یہ بحث بھی دراصل قربیٰ کے مفہوم میں اختلاف کا نتیجہ ہے!
سورۂ شعراء میں سیدنا نوحؑ، سیدنا ھودؑ، سیدنا صالحؑ، سیدنا لوطؑ اور سیدنا شعیبؑ کا یہ مقولہ نقل کیا گیا ہے کہ "میں تم سے اس تبلیغ وتزکیہ پر کوئی اجر نہیں چاہتا، میرا اجر تو بس رب العالمین کے ذمے ہے"
اور سورۂ ص میں یہی بات خود سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی زبانی بیان کی گئی ہے۔
ان آیات اور مزاجِ رسالت کو سامنے رکھتے ہوئے اکثر مفسرین نے کہا کہ سورۂ شوریٰ کی زیر نظر آیت میں استثنا منقطع ہے، کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہے، لہٰذا مودت فی القربیٰ اجر ہے ہی نہیں کہ آیات میں ٹکراؤ ہو۔
لیکن اگر استثناء کو متصل بھی مانا جائے تو کوئی حرج نہیں۔
استثناء متصل کی صورت میں اجر معنوی اور اخلاقی ہوگا، اور اجر اخلاقی حقیقی اجر نہیں، بلکہ صوری اجر ہے۔ جن آیات میں طلب اجر کی نفی کی گئی ہے، وہاں اجر ظاہری اور اجر مادّی مراد ہے، اور ظاہر ہے کہ دین کے ذریعے دنیوی اور مادی اجر کی طلب مذموم

ہے۔ جبکہ اجر اخلاقی کی طلب مذموم نہیں، بلکہ مخاطب کی جذبۂ فکر کو تحریک بخشتی ہے، لہٰذا صوری مشاکلت کی وجہ سے استثناء کو متصل قرار دینا بھی صحیح ہوگا۔

غالباً صاحبِ مدارک اسی لیے فرماتے ہیں کہ: "یجوز ان یکون استثناء اً متصلاً"

علامہ آلوسیؒ نے بھی استثنا متصل کا احتمال ذکر کیا ہے اور بلاتردید ذکر کیا ہے! (قربیٰ کے مفہوم اور استثناء کی بحث کے لیے روح المعانی دیکھیے)

اس تمام قیل و قال سے ہٹ کر مجھے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے قرابت کی بنیاد پر مخاطبین سے مودت و محبت کا سوال کیا...... جیسا کہ راجح تفسیر ہے......تو اگر مشرکین سے آپ کی قرابت آپ کی مودت و محبت کی متقاضی ہے تو آپؐ سے قرابت، قرابت داروں کی مودت کی متقاضی کیوں نہ ہوگی؟ اور قرابت دار بھی وہ جنہوں نے ایمان کی گود میں آنکھ کھولی اور رسالت کے گہوارے میں پرورش پائی!

حاصل یہ کہ علتِ قرابت کے اشتراک کی وجہ سے آل محمد ﷺ کی مودت و محبت واجب ہے، جیسے قرابت کی وجہ سے مشرکین کے لیے رسول اللہ ﷺ کا لحاظ اور مودت واجب تھی، اسی طرح حضور اکرم ﷺ سے قرابت کی وجہ سے آل محمد ﷺ کی مودت اور ان کے حقوق کا خیال رکھنا لازم ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں: "پوری امت مودت اہل بیتؓ کی مکلف ہے"۔ (روح المعانی: ۳۱/۲۵)

قرآن مجید میں اس آیت کے نزول کے وقت اگرچہ اقارب اس سے مراد نہیں تھے، لیکن اشتراک علت کی وجہ سے اپنے اپنے دور میں تمام اہل بیتؓ اس آیت کے مصداق میں داخل ہوتے چلے گئے، چنانچہ جس نے بھی اس آیت کی تفسیر اقارب اور اہل بیت سے کی ہے، انہوں نے غالباً اسی اشتراک علت کو مدنظر رکھا ہے......اور جبکہ یہ تفسیر ائمہ اہل بیتؓ سے منقول ہے، تو اسے کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے!

ذاذن روایت کرتے ہیں کہ سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا: "آل حم میں ایک

آیت ہمارے بارے میں ہے، ہماری مودت کا خیال صرف مومن ہی رکھتا ہے۔''

(روح المعانی: ۳۱/۲۵)

ابن جریر ابی الدیلم سے نقل کرتے ہیں کہ: جب علیؓ بن حسینؓ (زین العابدین) کو گرفتار کر کے لایا گیا اور (بغرض رسوائی) دمشق کے (بازار میں) سٹیج پر کھڑا کیا گیا تو ایک شامی باشندہ کھڑا ہوا اور بولا: اُس اللہ کا شکر ہے جس نے تمہیں قتل کیا اور تمہاری بیخ کنی کر دی۔

اس پر زین العابدین علیؓ نے فرمایا: کیا تم نے قرآن پڑھا ہے؟

بولا: ہاں

پوچھا: آلِ حم پڑھی ہے؟

بولا: ہاں

فرمایا: کیا تم نے ''قل لااسئلکم علیه اجراً الاالمودة فی القربی'' نہیں پڑھا؟

بولا: تو کیا وہ لوگ تم ہو؟

فرمایا: ہاں'' (روح المعانی: ۳۱/۲۵)

علامہ آلوسیؒ بڑی محبت و مدحت سے اپنے ایک معاصر عزیز سید عمر الھیتیؒ کے یہ اشعار نقل کرتے ہیں:

بـــاٰیة آیة یـــاتـــی یـــزیـــد ... غداة صحائف الاعمال تتلی

وقام رسول رب العرش یتلو ... وقد صمت جمیع الخلق قل لا

ترجمہ: ''جس روز اعمال نامے پڑھے جائیں گے، تمام مخلوق ساکت وصامت ہوگی اور رب العرش کے رسول ﷺ کھڑے ہوں گے اور آیت ''قل لا اسئلکم......'' تلاوت کریں گے تو یزید کون سی آیت پیش کرے گا!''

(روح المعانی: ۳۱/۲۵)

علاوہ ازیں اصول یہ ہے کہ "العبرة لعموم الالفاظ لا لخصوص المورد"۔ اب قرآن اور دین کی قدر اور ایمان وعمل صالح پر جو بشارت مشرکین کو دی گئی، کیا یہ مضامین اہل ایمان کے لیے نہیں ہیں؟ کیا ان مضامین سے اہل ایمان کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی؟ پھر اہل ایمان کی اصلاح وتربیت کے لیے آپؐ نے جو مشقتیں برداشت کیں اور امت کی نجات کے لیے آپؐ جس طرح راتوں کو جاگ جاگ کر روتے رہے، اس کے بعد اگر اہل ایمان سے یہ کہا جائے کہ:

"لااسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربیٰ" تو اس میں کیا قباحت ہے؟ جبکہ ان کی مودت صرف اقارب ہونے ہی کی حیثیت سے نہیں بلکہ نمونۂ ہدایت ہونے کی حیثیت سے بھی ہے۔

یہ فرمائش دراصل اس نفسیاتی حقیقت پر مبنی ہے کہ اہل بیت کو ایذا ذاتی ایذا سے زیادہ اذیت ناک ہوتی ہے۔ اگر یہ فرمایا جاتا کہ: "میری نصیحت کا کوئی اجر نہیں الا یہ کہ مجھ سے مودت رکھو اور مجھے اذیت نہ دو" اور یہ برا نہ ہوتا، بالکل اسی طرح یہ فرمانا کہ "میری تبلیغ کا کوئی اجر نہیں الا یہ کہ میرے اقارب سے مودت رکھو اور انہیں اذیت مت پہنچاؤ" کیسے برا ہو سکتا ہے؟ اس لیے کہ ان اقاربؑ کو ایذا خود رسول اللہ ﷺ کو ایذا ہے۔

درج ذیل روایت یہ مضمون مزید واضح کر رہی ہے:

"عبدالمطلب بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ عباسؓ غصے کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، میں وہاں موجود تھا، آپؐ نے پوچھا: "آپؓ غضبناک کیوں ہیں؟"

عباسؓ نے جواب دیا: "یا رسول اللہ! ہمارا (بنو ہاشم) اور (باقی) قریش کا کیا معاملہ ہے؟ جب وہ آپس میں ملتے ہیں تو ہنستے مسکراتے ملتے ہیں، اور جب ہم سے ملتے ہیں تو بجھے بجھے ہوتے ہیں۔"

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کو اتنا غصہ آیا کہ چہرہ سرخ ہو گیا پھر فرمایا: ''قسم ہے اُس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ اللہ کی وجہ سے اور اس کے رسول کی وجہ سے تم سے محبت رکھے''۔

پھر فرمایا: ''لوگو! جس نے میرے چچا کو اذیت پہنچائی، اس نے مجھے اذیت پہنچائی، اس لیے کہ چچا باپ کی مثل ہی تو ہوتا ہے!'' (مشکوۃ مع مرقاۃ: ۱۱/۳۸۷ عن الترمذی)

اور امام احمدؒ کی روایت میں الفاظ یوں ہیں:

''...... واللہ! کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ اللہ کی وجہ سے اور میری قرابت کی وجہ سے تم سے محبت رکھے''۔ (مرقاۃ: ۱۱/۳۸۸)

آیتِ مودت فی القربیٰ کی اس سے بڑھ کر تفسیر اور کیا ہوگی!

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں: ''حق یہ ہے کہ آپؐ کے اقارب سے، اقارب ہونے کی حیثیت سے، محبت واجب ہے، خواہ وہ کیسے ہی ہوں!

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

داریت اهلک فی هواک وهم عدا

ولأجل عین الف عین تکرمُ

''میں نے تیری محبت میں تیرے خاندان سے مدارات برتی، حالانکہ وہ میرے دشمن تھے، کیونکہ ایک شخص کی وجہ سے ہزاروں کا اکرام کرنا پڑتا ہے''۔

(روح المعانی: ۲۵/۳۲)

صرف نزولِ قرآن کا دور نہیں بلکہ یزیدی دور ذہن میں رکھ کر یہ آیت پڑھیے، تب یہ حقیقت کھلتی ہے کہ مودت کی فرمائش کیوں کی جا رہی تھی!

امت کے لیے تڑپنے والے رسول ﷺ کی ذریت پر کربلا میں جو بیتا، اس پر رسول اللہ ﷺ کتنے تڑپے ہوں گے؟ آپؐ کے قلب اقدس کو کتنی ٹھیس پہنچی ہوگی؟

کوئی اس کا اندازہ کرسکتا ہے!

کیا اس ظلم کی تلافی ہو سکتی ہے!

اہل بیتؓ کا مظلوم قافلہ جب دمشق سے مدینہ پہنچا تو سیدنا عقیلؓ بن ابی طالب کی دختر محترمہؒ نے اِسی آیت کے پس منظر میں بالکل بجا کہا:

ماذا تقولون ان قال النبی لکم

ماذا فعلتم وأنتم آخر الامم!

بعترتی و باهلی بعد مفتقدی

منهم اساریٰ وقتلیٰ ضرجوا بدم!

ما کان هذا جزائی اذ نصحت لکم

أن تخلفونی بسوء فی ذوی رحمی!

(طبری: ۴۶۶/۵)

ترجمہ: ''اگر نبی اکرم ﷺ نے تم سے پوچھ لیا کہ تم نے آخری امت ہو کر میری جدائی کے بعد میری عترت اور میرے اہل بیت سے کیا سلوک کیا کہ آج اُن میں کچھ قیدی ہیں اور کچھ خون میں لت پت مقتول ہیں، تو تم کیا جواب دو گے؟
میں جو زندگی بھر تمہیں وعظ و نصیحت کرتا رہا تو اس کی جزا یہ نہ تھی کہ تم میرے بعد میرے قرابتداروں سے ایسی بدسلوکی کرو!''

یہ ہدایتوں کی جزا ملی، یہ عنایتوں کا صلہ ملا!

جو سرور میرے دل کا تھا، اُسے خاک میں ملا دیا

کسی نے بالکل سچ کہا ہے:

أترجو أمة قتلت حسيناً

شفاعة جده يوم الحساب

(الصواعق المحرقہ: ۱۹۴)

ترجمہ: ''جن لوگوں نے حسینؓ کو قتل کیا، کیا وہ روزِ حساب اُن کے جدِ امجد ﷺ کی شفاعت کی امید رکھتے ہیں!''

امام شافعیؒ اسی آیت کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''یا اھل بیت رسول اللہ حبکم
فرض من اللہ فی القرآن أنزلہ
کفاکم من عظیم القدر انکم
من لم یصل علیکم لاصلاۃ لہ

(الصواعق: ۱۴۸)

ترجمہ: ''اے رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت! آپ کی محبت اللہ کی طرف سے ہم پر فرض ہے اور اللہ نے یہ حکم قرآن میں نازل فرمایا ہے، آپ کی عظمت شان کے لیے یہی کافی ہے کہ جس نے آپ پر درود نہیں پڑھا اس کی نماز نہیں ہوئی''۔

اور شیخ جلیل شمس الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں:

''رایت ولائی آل طہ فریضۃ
علی رغم اھل البعد یورثنی القربا
فما طلب المبعوث اجراً علی الھدی
بتبلیغہ الا المودۃ فی القربی''

(الصواعق: ۱۷۰)

ترجمہ: ''میں آل طہ ﷺ سے اپنی وِلا اور مودت کو فریضہ سمجھتا ہوں، اہل بُعد کی ناگواری کے باوجود مجھے اس ذریعے سے قرب حاصل ہو رہا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہدایت کی تبلیغ پر مودت فی القربیٰ کے سوا کچھ اجر نہیں چاہا (لہٰذا مودت فریضہ ہے)''

آخر میں مناسب ہے کہ زیرِ نظر آیت کا آخری حصہ بھی مطالعہ کر لیا جائے۔

مودت فی القربیٰ کے حکم کے بعد ارشاد ہے:

''وَمَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْناً إِنَّ اللهَ غَفُورٌ شَكُورٌ'' (الشوریٰ:۲۳)

ترجمہ: ''اور جو کوئی نیکی کمائے گا ہم اس کے لیے اس نیکی میں خوبی کا اضافہ کردیں گے، بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا، قدر دان ہے۔''

یعنی انسان بھلائی اور نیکی کا راستہ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی اس نیک سعی میں خوبی عطا فرماتا ہے، دنیا میں خوبی یہ کہ سعی سے بڑھ کر نیک مزاج بنا دیتا ہے اور آخرت میں یہ کہ عمل سے زیادہ اجر عطا فرماتا ہے اور اس کوشش میں جو کمی کوتاہی رہ جاتی ہے، اسے معاف فرماتا رہتا ہے۔

اس آیت میں ''حسنة'' سے کیا مراد ہے؟

اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ ہر نیکی اور بھلائی اس سے مراد ہے۔

اور ابن عباسؓ اور سدیؒ سے مروی ہے کہ ''حسنة'' سے مراد مودت اہل بیتؓ ہے۔ اب مفہوم یہ ہوا کہ جو شخص مودت اہل بیتؓ میں زندگی بسر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی زندگی میں خوبی کا اضافہ فرماتے ہیں اور اسے زیادہ سے زیادہ نیکیوں اور بھلائیوں کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔

اصول ہے کہ انسان جس سے محبت کرتا ہے اس کے اوصاف اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اہل بیتؓ یقیناً منعم علیھم تھے، اب جو ان کی مودّت سے سرشار ہوگا تو انہی کے راستے پر چلے گا (صراط الذین انعمت علیھم) اور نیکی میں بڑھتا چلا جائے گا اور آخرت میں انہی مبارک ہستیوں کی رفاقت اور معیت نصیب ہوگی (وحسن اولئک رفیقاً...... المرء مع من احب) یہ ہے نیکی میں خوبی کا اضافہ!

اور علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ اگر ''حسنة'' سے مراد ہر نیکی اور بھلائی ہو، تب بھی مودت اہل بیتؓ سب سے پہلے اس آیت کا مصداق قرار پائے گی، کیونکہ

یہ عظیم ترین نیکی ہے!

علامہ آلوسیؒ یہ بھی نقل فرماتے ہیں کہ یہ آیت سیدنا ابوبکرؓ کے بارے میں نازل ہوئی، کیونکہ انہیں اہل بیتؓ سے بہت گہری اور شدید محبت تھی! (روح المعانی: ۲۵/۳۳)

اہل بیتؓ کا یہ مقام اور مرتبہ کیوں نہ ہو؟

"اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ شَکُوْرٌ"

"یقیناً اللہ آل محمد کی خطاؤں سے بہت درگزر کرنے والا اور ان کی نیکیوں کا بڑا قدر دان ہے"۔ (روح المعانی: ۲۵/۳۳)

یہ مضمون مکمل ہو چکا تھا کہ محی الدین اورنگ زیب عالمگیرؒ کی بارہ وصیتیں نظر نواز ہوئیں، ان میں نویں وصیت احترام سادات کے بارے میں ہے، فرماتے ہیں:

"بارہ کے سادات لازم السعادات کے ساتھ آیہ کریمہ "وآت ذا القربیٰ حقه" ("اور قرابت دار کو اس کا حق دو" بنی اسرائیل: ۲۶) کے مطابق عمل کرنا چاہیے اور ان کے احترام و رعایت میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ آیہ کریمہ "قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربیٰ" (الشوریٰ: ۲۳) کے بموجب اس جماعت کی محبت اجر نبوت ہے، اس میں ہرگز کوتاہی نہیں ہونا چاہیے کہ دنیا و آخرت میں خیر و فلاح کی ثمر آور ہے۔" (احکام عالم گیری: ۱۳۵)

اورنگ زیب عالمگیرؒ جیسے عالم، فقیہ اور پابند شریعت بادشاہ کا اپنی وصیت میں مودت سادات کو اجر نبوت لکھنا اور علماء و فقہا کا اسے قبول کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اہل حق اس موقف اور تعبیر کو قرآن و سنت کے خلاف نہیں سمجھتے تھے اور اس معاملے میں شدت اور تنگ نظری بعد کے ادوار میں پیدا ہوئی۔

مودت اہل بیتؓ کے بارے میں صحابہؓ، تابعینؒ، ائمہؒ اور اولیاؒ کا طرز عمل

قرآن وسنت کی ہدایات کی روشنی میں صحابہ کرامؓ اور اولیاؒ امت نے ہر دور میں مودت اہل بیتؓ کو حرز جان بنائے رکھا۔ یہ تمام اکابرؒ اپنے قول وعمل سے مودت کا اقرار و اظہار کرتے رہے، دامن اہل بیتؓ سے وابستگی کو سرمایۂ ایمان سمجھتے رہے اور دربار اہل بیتؓ میں عقیدت وارادت کے پھول نچھاور کرتے رہے اور حق تو ہے کہ جسے جو ملا اسی در سے ملا، اِسی گھر سے ملا، تو اِن کی مودت سے مومن کا دل آباد ہونا اور ان کی محبت سے فکر ونظر کا شاد ہونا ایمانی بلکہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔

آیئے! سلف صالحینؒ کے چند واقعات پڑھتے ہیں اور ایمان تازہ کرتے ہیں!

سیدنا ابوبکرؓ کے نزدیک اہل بیتؓ کا اکرام رسول ﷺ کے اکرام میں داخل ہے

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ایک باب قائم کیا ہے: مناقب قرابة رسول الله ﷺ" اور اس باب کے تحت سیدنا ابوبکرؓ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

ترجمہ: "اہل بیت نبویؐ کے بارے میں محمد ﷺ کا خیال رکھو"

تاکید مزید یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا یہ ارشاد سیدنا ابن عمرؓ نے نقل کیا ہے!

(بخاری: ۱/۵۲۶)

اور اسی باب میں حضرت عائشہؓ سے ایک طویل روایت میں مروی ہے حضرت علیؓ نے جب ایک سلسلۂ گفتگو میں رسول اللہ ﷺ کی قرابت کا ذکر کیا تو ابوبکرؓ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور انہوں نے فرمایا:

''قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے رسول اللہ ﷺ کے قرابت دار مجھے اپنے قرابتداروں سے زیادہ پیارے ہیں اور تم (اہل بیتؓ) سے صلہ رحمی مجھے اپنے رشتہ داروں کی صلہ رحمی سے زیادہ محبوب ہے۔'' (بخاری:۱/۵۲۶،۲/۶۰۹)

جی ہاں! سچی محبت کے ثمرات یہی ہوتے ہیں!

ابوبکرؓ علیؓ اور عباسؓ کے لیے اپنی جگہ چھوڑ دیتے ہیں

''انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ علیؓ آئے، سلام کیا پھر کھڑے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی کہ کہاں بیٹھوں، رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کی طرف دیکھا کہ کون ان کے لیے مجلس میں گنجائش پیدا کرتا ہے!

ابوبکرؓ آپ ﷺ کی دائیں جانب تھے، آپ علیؓ کے لیے اپنی جگہ سے سرک گئے اور کہا: ابوالحسن! یہاں بیٹھیے!

چنانچہ علیؓ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ کے درمیان بیٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر چہرۂ اقدس پر مسرت کے آثار نمودار ہوئے اور فرمایا:

''ابوبکر! اہل فضیلت کا مقام بس اہل فضیلت ہی پہچانتے ہیں''۔

(الصواعق:۱۷۷)

دارقطنی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مجلس آرا ہوتے تو ابوبکرؓ آپ ﷺ کی دائیں جانب ہوتے، عمرؓ بائیں جانب اور عثمانؓ آپ ﷺ کے سامنے بیٹھتے...... اس دوران میں عباسؓ بن عبدالمطلب آجاتے تو ابوبکرؓ اپنی جگہ سے ہٹ جاتے اور عباسؓ وہاں تشریف فرما ہوتے''۔ (الصواعق:۱۷۷)

ابوبکرؓ علیؓ کے چہرۂ انور کی طرف کثرت سے دیکھا کرتے تھے

ابن عبدالبر کی روایت ہے کہ ابوبکرؓ سیدنا علیؓ کے روئے مکرم کو کثرت سے دیکھا کرتے تھے، سیدہ عائشہؓ نے اس بارے میں پوچھا تو فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ

فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''علی کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے''۔

(الصواعق: ۱۷۷)

نگاہ کو عبادت بنانے کا شرف سیدنا علیؓ کے روئے مکرم کو حاصل ہوا ہے یا کعبہ مکرمہ کو، کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ کعبہ کو دیکھتے رہنا بھی عبادت ہے۔ عجب نہیں کہ سیدنا علیؓ کو یہ اعزاز امام المتقین ہونے کے ساتھ مولود کعبہ ہونے کی وجہ سے حاصل ہوا ہو!

اسد اللہ خان غالبؔ نے شاید اسی پس منظر میں کہا ہے:

غالب ندیمِ دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغولِ حق ہوں بندگیٔ بو ترابؓ میں

(خیال رہے کہ یہاں بندگی کا لفظ مودت و عقیدت کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے)

ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ سواری سے اتر جاتے تھے

ابن عبد البر اور ابن شہاب کی روایت ہے کہ ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کا اپنے اپنے دور خلافت میں یہ معمول تھا کہ اگر سواری پر سوار جا رہے ہیں اور عباسؓ پیدل آ رہے ہیں تو ازراہ احترام فوراً سواری سے اتر جاتے اور سواری کی لگام تھام کر پیدل ان کے ساتھ چلتے تھے۔

(الصواعق: ۱۷۸)

ابوبکرؓ و عمرؓ منبر سے اتر آئے

دار قطنی کی روایت ہے کہ ابوبکرؓ ایک مرتبہ منبر پر تشریف فرما تھے کہ حسنؓ آ گئے اور کہا: میرے ابا کے منبر سے اتر جاؤ!

ابوبکرؓ نے فرمایا: آپ نے ٹھیک کہا، واللہ یہ آپ ہی کے اباؐ کا منبر ہے۔ پھر (نیچے اترے) انہیں اٹھایا اور اپنی گود میں بٹھا لیا اور رو پڑے۔

اسی طرح ایک مرتبہ آپ نے عمرؓ کو بھی کہہ دیا تھا، انہوں نے بھی اٹھا کر اپنے پہلو میں بٹھالیا اور فرمایا:

یہ آپ ہی کے ابا کا منبر ہے، واللہ، میرے ابا کا تو منبر تھا ہی نہیں ...... اور یہ بھی فرمایا: ہمیں جو عزت و رفعت ملی ہے، یہ آپ کے ابا (ﷺ) کے وسیلے ہی سے تو ملی ہے!"

(الصواعق: ۱۷۷)

(یاد رہے کہ یہ بچپن کا قصہ ہے، بچہ کسی کو اپنے ابا کی جگہ دیکھتا ہے تو برداشت نہیں کرتا، لیکن شیخینؓ کا اعتراف و احترام قابل اتباع ہے۔

ابن حجرؒ نے الاصابہ میں یہ واقعہ امام حسینؓ اور حضرت عمرؓ کے مابین لکھا ہے۔ واللہ اعلم)

ابن کثیرؒ روایت کرتے ہیں کہ "**ابوبکرؓ حسینؓ کی تکریم و تعظیم کرتے تھے، اسی طرح عمرؓ اور عثمانؓ کا رویہ بھی آپؓ کے ساتھ تکریم و تعظیم کا تھا**"۔ (البدایہ والنھایہ: ۱۶۱/۸)

روایت قابل غور ہے، یہ نہیں کہا جا رہا کہ آپؓ پر شفقت کرتے تھے، کہا یہ جا رہا ہے کہ آپ کی تکریم و تعظیم کرتے تھے!

دور ملوکیت میں اہل بیتؓ سے ناروا سلوک

یہ رویہ تو خلفائے راشدینؓ کا تھا، خلافت کے بعد جو دور ملوکیت آیا تو اس میں امراء جور نے اسی مسجد نبوی میں خاندان نبوت سے کیا سلوک برتا؟ ایک نظر اس پر بھی!

"**فی منزل الوحی**" مصر کے مشہور ادیب محمد حسین ہیکل کا سفرنامہ حرمین شریفین ہے، اس میں انہوں نے یہ دردناک سانحہ لکھا ہے کہ:

"سیدہ فاطمہ زہراؓ کے حجرہ مبارکہ میں سیدنا حسن المثنیٰؒ بن سیدنا حسنؓ السبط اپنی زوجہ محترمہ سیدہ فاطمہؒ بنت سیدنا حسینؓ کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ ولید بن عبدالملک اپنے دور حکومت میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو دیکھا کہ اہل مدینہ اور زائرین خانوادۂ

نبوت کا دل کی گہرائیوں سے احترام کرتے ہیں...... (ابھی حجرات مبارکہ اپنی اصل ہیئت میں موجود تھے، وہی حجرات جن کا اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات میں ذکر فرمایا ہے!) اُس نے والیٔ مدینہ کو حکم دیا کہ یہ تمام حجرات خرید کر مسجد میں داخل کر دو۔
اس مقدس جوڑے اور اِن کی مبارک اولاد کو ولید کے اس حکم کا پتہ چلا تو انہوں نے گھر خالی کرنے سے انکار کر دیا۔
ولید کی طرف سے پیغام ملا کہ اگر نہیں نکلو گے تو حجرہ تم پر گرا دیا جائے گا۔
انہوں نے انکار پر اصرار کیا تو انہدام کا آرڈر جاری ہو گیا اور مزدوروں نے بالفعل گھر کی بنیاد اکھیڑنا شروع کر دی، اس پر مجبوراً یہ قدسی خاندان اپنے آبائی گھر سے بے گھر ہوا''۔
ہیکل اسی سلسلے میں نصر خراسانی کا بیان نقل کرتے ہیں کہ:
''میں نے ازواج مطہراتؓ کے یہ حجرات دیکھے ہیں، (جس دن یہ حجرات گرائے گئے لوگ دھاڑیں مار کر رو رہے تھے) میں نے اپنی زندگی میں اس دن سے زیادہ گریہ و بکا کبھی نہیں دیکھا، اور ہم نے سعید بن المسیبؒ کو یہ فرماتے سنا کہ: واللہ میری دلی خواہش یہ تھی کہ یہ حجرات اپنی اصل ہیئت پر برقرار رکھے جاتے''۔
(گریہ و بکا کی یہ روایت حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے بھی ذکر کی ہے، انہوں نے 'نصر' کی جگہ عطاء خراسانی نام لکھا ہے۔ معارف القرآن: ۱۰۲/۸)
ہیکل اس پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:
''دراصل ولید اس خانوادے کا احترام دیکھ کر غیظ و غضب کا شکار ہوا اور حجرۂ فاطمہ زہراؓ گرانے کا حکم دیا (تاکہ یہ حضرات لوگوں کی نگاہوں سے دور رہیں) لیکن الزام سے بچنے کے لیے توسیع مسجد کے بہانے تمام حجرات مقدسہ کو حکم کی لپیٹ میں لے لیا۔
حالانکہ اس سے پہلے عمرؓ اور عثمانؓ بھی مسجد نبوی میں توسیع کر چکے تھے، لیکن انہوں نے حجرات مقدسہ کو باقی رکھا اور باقی اطراف میں مسجد کی توسیع کی''۔

(فی منزل الوحی: ۴۸۷، ۴۸۸)

اس واقعے سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ حکومتی کردار کشی اور جابرانہ ہتھکنڈوں کے باوجود اہل بیتؓ سے مودت وعقیدت کا تعلق ختم نہیں کیا جا سکا، دلوں پر حکومت ہمیشہ اہل بیتؓ کی رہی۔

ہیکل نے ایک اور لطیف قصہ لکھا ہے:

''۸۸ھ میں جب مسجد نبوی کی توسیع وتزئین مکمل ہو چکی تو ولید بن عبدالملک سیدنا عثمانؓ کے بیٹے ابان کے ساتھ مسجد کا دورہ کر رہا تھا۔ اس دوران میں اس نے بڑے فخر اور ناز سے ابان سے کہا:

''این بناؤنامن بنائکم''

''ہماری تعمیر اور تمہاری تعمیر میں کیا فرق ہے!''

ابان نے جواب دیا:

''انا بنیناه بناء المساجد وبنیتموه بناء الکنائس''

''ہم نے اسے مسجد کے انداز میں تعمیر کیا تھا اور تم نے اسے گرجوں کے انداز میں بنایا ہے''۔ (فی منزل الوحی:۴۸۹)

اس قصے سے جہاں مساجد کی تعمیر میں اسلامی مزاج کی نشاندہی ہوتی ہے، وہاں خلافت وملوکیت میں انداز کار کا فرق بھی نمایاں ہوتا ہے۔

بات چل رہی تھی مودت اہل بیتؓ کی، اس قصہ معترضہ کے بعد مزید چند واقعات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

سیدنا عمرؓ زمانہ قحط میں سیدنا عباسؓ کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں

بخاریؒ کی روایت ہے کہ جب قحط پڑتا، عمرؓ بن الخطاب عباسؓ کے وسیلے سے بارش کی یوں دعا کرتے:

''یا اللہ! جب ہم قحط میں مبتلا ہوتے تو اپنے نبی (ﷺ) کے ساتھ آپ کی بارگاہ

میں التماس گزار ہوتے تھے اور آپ بارش برسا دیتے تھے، اب ہم اپنے نبی کے چچا کے ساتھ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں، سو ہم پر بارش برسا!''
راوی کا بیان ہے کہ دعا قبول ہوتی اور بارش برستی تھی'' (صحیح بخاری، باب الاستقاء)
حاکم کی روایت ہے کہ ایک موقع پر آپؓ نے یہ خطاب فرمایا:
''لوگو! رسول اللہ ﷺ عباسؓ سے وہی سلوک رکھتے تھے جو ایک بیٹا باپ سے رکھتا ہے، آپ کی تعظیم و تکریم کرتے اور آپ کی قسم پوری کرتے، سو لوگو! عم محترم عباسؓ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کرو اور اس نازل شدہ مصیبت میں انہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بناؤ'' (الصواعق: ۱۷۸)

آپ کو اجازت کی ضرورت نہیں

دار قطنی کی روایت ہے کہ حسنؓ عمرؓ سے ملنے آئے، لیکن اذن نہیں ملا، اتنے میں عبداللہؓ بن عمرؓ بھی آ گئے، انہیں بھی اذن نہیں ملا تو حسنؓ واپس چلے گئے، عمرؓ (کو اطلاع ہوئی تو) فرمایا: انہیں واپس بلاؤ جب وہ تشریف لائے تو انہوں نے بتلایا:
''امیر المؤمنین! میں نے سوچا عبداللہ کو اجازت نہیں ملی تو مجھے بھی اجازت نہیں ملے گی!
فرمایا: ''آپ عبداللہ کی نسبت اجازت کے زیادہ حقدار ہیں، یہ جو ہمیں عزت و رفعت حاصل ہے، یہ اللہ کے بعد تمہاری ہی عطا کی ہوئی ہے''
ایک روایت میں ہے کہ آپؓ نے فرمایا: ''آپ جب چاہیں تشریف لائیں، آپ کو اجازت کی ضرورت نہیں''۔ (الصواعق: ۱۷۹)
(ابن حجرؒ نے 'الاصابہ' میں یہ واقعہ امام حسینؓ کا لکھا ہے۔ واللہ اعلم)

علیؓ مولا

دار قطنی کی روایت ہے کہ دو اعرابی عمرؓ کے پاس اپنا جھگڑا لائے، آپؓ نے علیؓ کو ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے کہا، انہوں نے فیصلہ کر دیا تو ان میں سے ایک بولا:

''یہ ہمارے درمیان فیصلہ کرتا ہے''!

عمرؓ کود کر اٹھے اور اسے گدی سے پکڑ لیا اور فرمایا:

''بدبخت! جانتے ہو یہ کون ہیں؟ یہ تیرے مولا ہیں اور ہر مومن کے مولا ہیں اور جو انہیں اپنا مولا نہ مانے، وہ مومن ہی نہیں۔'' (الصواعق: ۱۷۹)

رسول اللہ ﷺ کی محبت مجھے اپنی محبت سے زیادہ عزیز ہے

''سیدنا عمرؓ نے حلف اٹھا کر کہا کہ حضرت عباسؓ کا قبول اسلام مجھے اپنے والد کے مسلمان ہونے سے زیادہ پیارا لگا، اس لیے کہ عباسؓ کے اسلام سے رسول اللہ ﷺ کو زیادہ خوشی ہوئی''۔ (الصواعق: ۲۳۸)

جی ہاں! محبوب کی محبت کے لیے اپنی محبت قربان کر دینا اور محبوب کی چاہتوں کو عزیز رکھنا یہی سچی محبت ہے۔

حبیب ابن حبیب

امام حسینؓ کے فرزند دلبند امام زین العابدینؒ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے ملنے آئے تو انہوں نے استقبال کرتے ہوئے کہا:

''مرحبا! حبیب ابن حبیب!'' (الصواعق: ۲۳۸)

سیدنا بلالؓ نے فرمائش پوری کی

سیدنا بلالؓ عشق رسول ﷺ میں فنا تھے، حضور اکرم ﷺ کے فراق کا آپؓ کے دل کو ایسا صدمہ ہوا کہ اذان دینے کی ہمت نہ رہی، اب گلی کوچے تو وہی تھے لیکن ''نور'' نہ تھا، زندگی بدستور تھی، لیکن سرور نہ تھا، لحہ لحہ اضطراب، ذرّہ ذرّہ التہاب، بلالؓ کی تو دنیا اندھیر ہوگئی، رخت سفر باندھا اور دمشق جا بسے، کچھ عرصہ گزرا تو خود رسول اللہ ﷺ کو اپنے جاں نثار، عاشقِ زار کی جدائی گوارا نہ ہوئی...... اور ظاہر ہے حیات تھی، شعور حیات تھا، تبھی تو گوارا نہ ہوئی!...... اب محبت کس رنگ میں جلوہ نما ہوئی؟ یہ قصہ حضرت ابوالدرداءؓ بیان فرماتے ہیں:

(ترجمہ) ''بلالؓ نے خواب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ انہیں فرما رہے ہیں:

''بلال! یہ کیسی جفا ہے؟

بلال! مجھے کب ملنے آؤ گے!''

بلالؓ غم میں ڈوبے، دھڑکتے، کانپتے دل کے ساتھ بیدار ہوئے، فوراً سواری پر بیٹھے اور مدینہ کی جانب روانہ ہوئے۔

مدینہ طیبہ پہنچ کر قبر مبارک پر حاضر ہوئے، قریب بیٹھ کر زارو قطار رونے لگے اور اپنا چہرہ قبر محبوبؐ پر رگڑنے لگے۔

حسنؓ اور حسینؓ دوڑے دوڑے آئے تو انہیں اپنے ساتھ چمٹاتے تھے اور چومتے تھے (کہ ان چہروں میں محبوب کا عکس دکھائی دیتا تھا اور ان جسموں سے محبوب کی خوشبو آتی تھی۔ ﷺ)

دونوں لاڈلوں نے فرمائش کی کہ ہم آپ سے وہ اذان سننا چاہتے ہیں، جو آپ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اس مسجد میں دیا کرتے تھے!

بلالؓ لاڈلوں کی یہ فرمائش ٹال نہ سکے۔ (کیونکہ یہ محبت کا تقاضا تھا اور محبت کا تقاضا نبھانا پڑتا ہے۔)

مسجد کی چھت پر چڑھے اور اُس جگہ کھڑے ہوئے جہاں کھڑے ہوا کرتے تھے۔

جب اللہ اکبر اللہ اکبر کہا تو مدینہ ہل گیا،

اشھدان لا الہ الا اللہ کہا تو مدینے میں ہلچل مچ گئی، اور جب اشھدان محمداً رسول اللہ کی صدا بلند کی تو پردہ نشین بیبیاں باہر نکل آئیں اور لوگ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے: کیا رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے؟!

لوگوں پر اتنا گریہ طاری ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کبھی کسی مرد و زن کو اس سے زیادہ روتے نہیں دیکھا گیا۔"

(رواہ ابن عساکر و قال تقی الدین السبکی اسنادہ جید۔ انوار انوری: ۱۵۴،۱۵۲)

جن کے دل محبت رسول ﷺ سے لبریز تھے، وہ آپؐ کے لاڈلوں کی کوئی فرمائش ٹالتے نہ تھے اور جن لوگوں نے امام حسنؓ کو زہر دلوایا اور امام حسینؓ کو بے دردی سے شہید کیا، یقیناً ان کے دل محبت کے نور سے خالی تھے۔

اور جس دل میں محبت نہ ہو وہاں ایمان کہاں!

ابوہریرہؓ امام حسنؓ کا بطن مبارک چومتے ہیں

احمدؒ اور طبرانیؒ نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ

"عمیر بن اسحاق کا بیان ہے کہ ابوہریرہؓ کی حسن بن علیؓ سے ملاقات ہوئی، میں وہاں موجود تھا، ابوہریرہؓ نے امام حسنؓ سے کہا: "اپنے پیٹ سے قمیص اٹھایئے، جہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے"۔

امام حسنؓ نے قمیص اٹھا دی تو ابوہریرہؓ نے پیٹ چوما، اور ایک روایت میں ہے کہ آپؓ کی ناف پر بوسہ دیا"۔ (در السحابہ: ۲۹۰)

رسول اللہ ﷺ امام حسنؓ کا پیٹ چومتے تھے اور امام حسینؓ کے گلے پر بوسہ دیتے تھے یہ غالباً مستقبل کے مصائب پر اظہار رحمت و شفقت تھا، چنانچہ امام حسنؓ زہر پلانے سے شہید ہوئے اور امام حسینؓ کا گلا کاٹا گیا۔ صلی اللہ علیہ و آلہ و بارک وسلم

ابوہریرہؓ امام حسینؓ کے پاؤں جھاڑ رہے ہیں

ابن عساکر اپنی تاریخ میں ابی المھزّم سے بیان کرتے ہیں کہ:

''ہم ایک خاتون کے جنازے میں شریک تھے، ہمارے ساتھ ابوہریرہؓ بھی تھے، اس اثنا میں ایک مرد کا جنازہ لایا گیا، تو ابوہریرہؓ نے اسے اپنے اور عورت کے درمیان رکھوایا اور دونوں کی اکٹھی نماز جنازہ پڑھائی۔

جب ہم واپس ہوئے تو حسینؓ (اپنی صغرسنی اور مسافت کی مشقت کی وجہ سے) تھک کر راستے میں بیٹھ گئے، ابوہریرہؓ نے یہ دیکھا تو اپنی چادر کے پلو سے آپؓ کے قدموں سے مٹی جھاڑنے لگے، اس پر حسینؓ نے فرمایا:

ابوہریرہ! آپ یہ کر رہے ہیں!

ابوہریرہؓ نے عرض کیا: مجھے کرنے دیجیے، واللہ اگر لوگوں کو آپ کا وہ مقام معلوم ہو جائے جو میں جانتا ہوں تو آپ کو اپنی گردنوں پر اٹھائے رکھیں''۔

(الحسینؓ حفیداً و شھیداً:۲۲)

ابوہریرہؓ امام حسنؓ کو ''سیدی'' کہہ کر پکارتے ہیں

طبرانی نے معجم کبیر میں اور حاکم نے مستدرک میں صحیح سند سے ابوسعید مقبری سے روایت کیا ہے کہ:

''ہم ابوہریرہؓ کے پاس تھے، حسنؓ بن علیؓ آئے اور سلام کیا، لوگوں نے جواب دیا، ابوہریرہؓ وہیں تھے، لیکن انہیں پتا نہ چلا، بتلایا گیا کہ یہ حسن بن علیؓ ہیں اور انہوں نے سلام کیا ہے۔

ابوہریرہؓ جلدی سے اٹھے، اور قریب جا کر عرض کیا:

''وعلیک السلام یاسیدی!''

ابوہریرہؓ کو کہا گیا: ''آپ انہیں یاسیدی کہتے ہیں؟!''

انہوں نے جواب دیا: ''میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ سید ہے'' (تو میں انہیں 'سیدی' کیوں نہ کہوں!) (درالسحابہ: ۲۹۰)

میرا دل ہمیشہ حسنؓ کی محبت سے لبریز رہا ہے

حاکم نے مستدرک میں صحیح سند سے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ: ''میں نے جب سے حسنؓ سے رسول اللہ ﷺ کی محبت اور پیار دیکھا ہے، میرا دل ان کی محبت سے لبریز رہا ہے۔ میں نے دیکھا کہ حسنؓ رسول اللہ ﷺ کی گود میں ہیں، حسنؓ اپنی انگلیاں نبی ﷺ کی داڑھی میں ڈال رہے ہیں اور نبی ﷺ اپنی زبان حسنؓ کے منہ میں ڈال رہے ہیں، پھر دعا کی: ''اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت فرما!'' (درالسحابہ: ۲۹۱)

عمرؒ بن عبدالعزیز کو احیاء خلافت کی جو سعادت ملی، یہ مودت اہل بیتؓ کا صلہ تھی

عمرؒ بن عبدالعزیز جب والی مدینہ تھے تو عبداللہ بن حسن بن حسنؓ کام کے سلسلے میں ان کے پاس آئے، عمرؒ بن عبدالعزیز نے عرض کیا:

''آپ کو جب بھی کوئی کام ہو تو پیغام بھجوا دیا کریں یا مجھے رقعہ لکھ دیا کریں، اس لیے کہ مجھے اللہ سے حیا آتی ہے کہ اللہ آپ کو میرے دروازے پر دیکھے'' (الصواعق: ۱۸۰، ۲۳۸)

سیدہ فاطمہ بنت علیؓ امارت مدینہ کے دور میں عمرؒ بن عبدالعزیز سے ملنے گئیں تو انہوں نے ان کے اعزاز و اکرام میں مجلس برخاست کر دی اور عرض کیا:

''واللہ! روئے زمین پر کوئی گھرانا مجھے آپ کے گھرانے سے زیادہ پیارا نہیں ہے، آپ مجھے اپنے گھر والوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں''۔ (الصواعق: ۱۸۰، ۲۳۸)

ایک مرتبہ عبداللہ بن حسن المثنیٰ بن حسن السبطؓ عمرؒ بن عبدالعزیز سے ملنے تشریف لے گئے، عبداللہ ابھی نو عمر تھے اور انہوں نے گیسو رکھے ہوئے تھے، عمرؒ بن

عبدالعزیز نے مجلس برخاست کر دی اور ہمہ تن ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس پر (بعد میں) ان کے احباب نے انہیں ملامت کی تو فرمایا:

"مجھے اتنے ثقہ محدث نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ گویا میں یہ حدیث خود رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے سن رہا ہوں: "فاطمہ میرا ایک ٹکڑا ہے، اس کی خوشی میری خوشی ہے" اور مجھے یقین ہے کہ آج اگر فاطمہؓ زندہ ہوتیں تو اپنے بیٹے کے لیے میرا حسن اکرام دیکھ کر خوش ہوتیں۔" (الصواعق: ۱۸۰)

سیدنا عمرؒ بن عبدالعزیز کو احیاء خلافت کی جو سعادت نصیب ہوئی اور اس شان سے نصیب ہوئی کہ آپؒ کو خلفائے راشدینؓ میں شمار کیا جاتا ہے، جیسا کہ الصواعق: ۲۲۴ پر ابوداؤد کی سنن کے حوالے سے مذکور ہے، عجب نہیں کہ یہ سعادت مودت اہل بیتؓ کے صلے میں نصیب ہوئی!

ان روایاتِ مودّت کے ساتھ ایک اور روایت بھی پڑھ لیجیے: "نوفل بن ابی الفرات کا بیان ہے کہ میں عمرؒ بن عبدالعزیز کے پاس بیٹھا تھا، مجلس میں ایک شخص نے یزید کا یوں ذکر کیا: "امیر المؤمنین یزید بن معاویہ"

فرمایا: تو اُسے امیر المؤمنین کہتا ہے!

حکم دیا کہ اسے سزا دی جائے، چنانچہ اسے بیس کوڑے لگائے گئے" (الصواعق: ۲۲۱)

خلیفہ راشد عمرؒ بن عبدالعزیز کے اس عمل نے متعین کر دیا کہ اہل بیتؓ کی مودت اور دشمن اہل بیت کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتیں! لہٰذا جو لوگ منہ بھر بھر کے یزید کو امیر المؤمنین کہتے اور لکھتے ہیں اور اس کی ظالمانہ اور فاسقانہ حکومت کے وکیل صفائی بنتے ہیں، درحقیقت ان کے باطن کے کونوں کھدروں میں بغض اہل بیتؓ کے جراثیم چھپے ہوتے ہیں اور یزید کی اوٹ میں ان کا اظہار ہوتا ہے۔ خلیفۂ راشد کے فیصلے کے مطابق ایسے لوگ جب جب یزید کو امیر المؤمنین کہیں اور اس کی مدح سرائی کریں، کوڑوں کی سزا کے مستحق ہیں۔

ائمہ اربعہؒ اور اہل بیتؓ

سطور بالا میں ہم نے اہل بیتؓ کے بارے میں خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کا طرز عمل پڑھا، اب اہل السنۃ والجماعۃ کے ائمہ اربعہؒ کے مسلک ومنہج کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں:

امام اعظم ابوحنیفہؒ کی سعادت وذہانت سیدنا علیؓ کی دعا کا ثمر ہے

علامہ شبلی نعمانی امام ابوحنیفہؒ کے دادا نعمانؒ (زوطی) کے قبول اسلام اور کوفہ سکونت کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''یہ حضرت علیؓ کی خلافت کا زمانہ تھا اور شہر کوفہ دارالخلافہ ہونے کا شرف رکھتا تھا، اس تعلق سے زوطیؒ نے کوفہ کو پسند کیا اور وہیں سکونت اختیار کی۔

کبھی کبھی جناب امیرؓ کے دربار میں حاضر ہوتے اور خلوصِ عقیدت کے آداب بجا لاتے۔ ایک بار نوروز کے دن، جو کہ پارسیوں کی عید کا دن ہے، فالودہ نذر کے طور پر بھیجا، حضرتؓ نے ارشاد فرمایا: ''نوروز نا کل یوم'' یعنی ''ہمارے یہاں ہر روز نوروز ہے۔''

'ثابت' امام ابوحنیفہؒ کے پدر بزرگوار کوفہ ہی میں پیدا ہوئے، زوطیؒ نے نیک فال لڑکے کو حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر کیا، آپؓ نے بزرگانہ شفقت فرمائی اور ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں دعائے خیر کی۔'' (سیرۃ النعمانؒ: ۲۸، ۲۹)

امام ابوحنیفہؒ کے پوتے حضرت اسماعیلؒ فرماتے ہیں:

''ہم لوگ نسل فارس سے ہیں اور کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آئے، ہمارے دادا ابوحنیفہؒ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے، (ہمارے پردادا) ثابتؒ بچپن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، انہوں نے ان کے خاندان کے حق میں دعائے خیر کی تھی، ہمیں امید ہے کہ وہ دعا بے اثر نہیں رہی''۔ (سیرۃ النعمان: ۲۵)

امام ابوحنیفہؒ کا علم وفضل اہل بیتؓ کا صدقہ ہے

''امام ابوحنیفہؒ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے امام باقرؒ کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ وحدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں۔ شیعہ اور سنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوحؒ کا فیض صحبت تھا۔ امام صاحب نے ان کے فرزند رشید امام جعفر صادقؒ کے فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا، جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ ابن تیمیہؒ نے اس سے انکار کیا ہے اور اس کی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ حضرت جعفر صادقؒ کے معاصر اور ہم سر تھے، اس لیے ان کی شاگردی کیونکر اختیار کرتے۔ لیکن یہ ابن تیمیہؒ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل وکمال میں ان کو حضرت جعفر صادقؒ سے کیا نسبت؟ حدیث وفقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہل بیتؓ کے گھر سے نکلے، وصاحب البیت ادریٰ بما فیھا۔''

(سیرۃ النعمان: ۵۷، ۵۸)

امام جعفرؒ صادق کے ثقہ ترین شاگرد امام ابوحنیفہؒ ہیں، اس لیے اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ فقہ حنفی دراصل فقہ جعفری ہے، محفوظ اور معقول صورت میں۔ اور اب تو مسند امام زیدؒ بھی چھپ گیا ہے، اس میں اور فقہ حنفی میں کوئی خاص فرق نہیں، یہ بھی اس حقیقت کا قرینہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا علم وفقہ اہل بیتؓ کا عطیہ ہے۔

امام ابوحنیفہؒ شہید اہل بیتؓ ہیں

امام ابوحنیفہؒ سیاسی اور فقہی اعتبار سے اموی حکومت کو درست سمجھتے تھے نہ عباسی حکومت کو، کیونکہ ان حکومتوں کی بنیاد جور وجبر تھا۔ یہی وجہ ہے ان حکومتوں کے خلاف جو بھی تحریک اٹھی، امام ابوحنیفہؒ نے، دوسرے فقہا کے ساتھ، اس کی حمایت کی۔

ہشام بن عبدالملک کے دور حکومت میں امام زید بن علیؒ نے ۱۲۱ھ میں قیام کیا اور علم بغاوت بلند کیا، شاہ عبدالعزیزؒ کے بیان کے مطابق "امام صاحب بھی اس میں شریک تھے" علامہ شبلیؒ اگرچہ اس سے اختلاف رکھتے ہیں، لیکن خود ان کے بیان کے مطابق "امام ابوحنیفہؒ کا خاندان اہل بیتؓ کے ساتھ ایک خاص ارادت رکھتا تھا اور خود امام صاحبؒ نے ایک مدت تک امام باقرؒ کی دامن فیض میں تربیت پائی تھی" اس لیے امام صاحبؒ اہل بیتؓ کے موقف اور مزاج اور ان کے خلوص و تقویٰ سے بخوبی آشنا تھے، چنانچہ قرین قیاس یہ ہے کہ ہر تحریک میں اہل بیتؓ کی حمایت کی روایات صحیح تر ہیں۔

اور غالباً یہی وجہ ہے کہ اموی دور حکومت میں بھی امام ابوحنیفہؒ نے ایک سو دس کوڑے برداشت کیے لیکن عہدۂ قضا قبول نہیں کیا اور عباسی دور حکومت میں بھی کئی سال اسیر رہے لیکن قاضی نہیں بنے، کیونکہ ان کے نزدیک ان حکومتوں کا جواز ہی محل نظر تھا، چنانچہ اموی اور عباسی دونوں ادوار میں سادات کرامؓ کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ بھی زیر عتاب رہے۔

اموی جبر کا حال تو معلوم ہے، عباسی جور کا قصہ بھی شبلیؒ کی زبانی پڑھ لیجئے:

"جبر و ظلم کا بازار تو گرم ہی تھا لیکن منصور نے مزید ستم یہ کیا کہ سادات کی خانہ بربادی شروع کردی۔ اس میں شبہ نہیں کہ سادات ایک مدت سے خلافت کا منصوبہ تیار کر رہے تھے اور ایک لحاظ سے ان کا حق بھی تھا۔ تاہم سفاح کی وفات تک ان کی کوئی سازش ظاہر نہ ہوئی تھی، صرف بدگمانی پر منصور نے سادات اور علویوں کی بیخ کنی شروع کی، جو لوگ ان میں ممتاز تھے ان کے ساتھ زیادہ مظالم کیے، محمد بن ابراہیم کہ حسن و جمال میں یگانہ روزگار تھے اور اس وجہ سے 'دیباج' کہلاتے تھے، ان کو زندہ دیوار میں چنوا دیا۔ ان مظالم کی ایک بڑی داستان ہے، جس کے بیان کرنے کو بڑا سخت دل چاہیے۔

آخر تنگ آ کر ۱۴۵ھ میں انہی مظلوم سادات میں سے محمدؒ 'النفس الزکیہ'

نے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں خروج کیا اور چند روز میں ایک بڑی جمعیت پیدا کرلی، بڑے بڑے پیشوایان مذہب حتی کہ امام مالکؒ نے فتوی دے دیا کہ منصور نے جبراً بیعت لی ہے، خلافت نفس زکیہؒ کا حق ہے۔ (معلوم ہوا کہ جبری بیعت شرعاً واجب النقض ہے۔ ناقل)

نفس زکیہؒ اگر چہ نہایت دلیر، قوی بازو، فن جنگ سے واقف تھے، لیکن تقدیر پر کس کا زور چل سکتا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ رمضان ۱۴۵ھ میں نہایت بہادری سے لڑ کر میدان جنگ میں مارے گئے۔

ان کے بعد ابراہیمؒ ان کے بھائی نے علم خلافت بلند کیا اور ایسی تیاریوں سے مقابلے کو اٹھے کہ منصور کے حواس جاتے رہے۔ ابراہیمؒ چونکہ شجاعت اور دلیری کے علاوہ بہت بڑے عالم اور مقتدائے عالم تھے، اس لیے ان کے دعویٰ خلافت پر ہر طرف سے لبیک کی صدائیں بلند ہوئیں، خاص کوفہ میں کم و بیش بیس لاکھ آدمی ان کے ساتھ جان دینے کو تیار ہو گئے، مذہبی گروہ خاص کر علما و فقہا نے عموماً ان کا ساتھ دیا۔

امام ابوحنیفہؒ شروع سے عباسیوں کی بے اعتدالیاں دیکھتے آئے تھے اور سفاح ہی کے زمانے میں ان کی رائے قائم ہو چکی تھی کہ یہ لوگ منصب خلافت کے شایاں نہیں۔

۱۴۵ھ میں ابراہیمؒ نے جب علم خلافت بلند کیا تو اور پیشوایانِ مذہب کے ساتھ امام صاحبؒ نے بھی ان کی تائید کی، خود شریک جنگ ہونا چاہتے تھے، لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے نہ ہو سکے، جس کا ان کو ہمیشہ افسوس رہا...... اس میں شبہ نہیں کہ امام صاحبؒ ابراہیمؒ کے علانیہ طرفدار تھے اور بجز اس کے کہ خود شریک جنگ نہ ہو سکے، لیکن ہر طرح پر ان کی مدد کی''۔

''ابراہیمؒ کی شہادت کے بعد منصور ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جنہوں نے ابراہیمؒ کا ساتھ دیا تھا، ان میں امامؒ صاحب بھی تھے، اس وقت منصور کا پایۂ تخت ہاشمیہ کے مقام

پر تھا، جو کوفہ سے چند میل ہے، لیکن چونکہ کوفہ والے سادات کے سوا اور کسی خاندان کو خلافت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے، اس لیے منصور نے ایک دوسرے دارالخلافہ کی تجویز کی اور بغداد کو انتخاب کیا۔ ۱۴۶ھ میں بغداد پہنچ کر امام ابوحنیفہؒ کے نام فرمان بھیجا کہ فوراً پائے تخت میں حاضر ہوں، امام صاحبؒ بنوامیہ کی تباہی کے بعد مکہ معظمہ سے چلے آئے تھے اور کوفہ میں مقیم تھے۔ منصور نے گو پہلے ہی ان کے قتل کا ارادہ کر لیا تھا لیکن بہانہ ڈھونڈتا تھا۔''

اور بہانہ عہدۂ قضا قبول کرنے سے انکار بنا، حکم دیا کہ قید کر دیا جائے۔ ''لیکن امامؒ صاحب کی شہرت دور دور تک پہنچ چکی تھی، قید کی حالت نے ان کے اثر اور قبول عام کو کم کرنے کے بجائے اور زیادہ کر دیا۔ بغداد کی علمی جماعت جس کا شہر میں بہت کچھ اثر تھا، ان کے ساتھ نہایت خلوص رکھتی تھی، ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ منصور نے ان کو گو نظر بند کر رکھا تھا لیکن کوئی امراان کے ادب اور تعظیم کے خلاف نہ کر سکتا تھا، قید خانہ میں ان کا سلسلۂ تعلیم بھی برابر قائم رہا......ان وجوہ سے منصور کو امام صاحب کی طرف سے جو اندیشہ تھا، وہ قید خانہ کی حالت میں بھی باقی رہا، جس کی آخری تدبیر یہ تھی کہ بے خبری میں ان کو زہر دلوادیا۔

جب امام صاحبؒ کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا اور اسی حالت میں وفات پائی۔''

(سیرۃ النعمان: ۷۰۔۷۸)

تاریخ بغداد: ۳۲۹/۱۳ میں بھی ہے ''ثم سقاہ فمات''۔

یوں اہل السنۃ والجماعۃ کا یہ امام اعظمؒ اہل بیتؓ کے موقف و مسلک پر قربان ہوا۔ فرحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وجزاہ عنا خیر الجزاء.

جو لوگ جبری اور سازشی بیعت کو واجب التعمیل قرار دیتے ہیں، اس تفصیل کے بعد انہیں اپنی رائے پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔

نیز سوچنا چاہیے کہ اگر امام حسینؓ کی شہادت کے بعد رائے عامہ اموی اقتدار سے مطمئن تھی تو بار بار یہ ہلچل کیوں برپا ہوتی تھی؟
علماء وصلحاءً آمرانِ وقت کے مقابلے میں کھڑے ہونے والے ہر مردِ مجاہد کی طرف کیوں لپکتے تھے؟

امام مالکؒ کا کمال مودّت

امام مالکؒ بن انس کا فتویٰ تھا کہ جبری طلاق واقع نہیں ہوتی، چونکہ اس کا اثر جبری بیعت کے نفاذ پر بھی پڑتا تھا، اس لیے والیٔ مدینہ جعفر بن سلیمان عباسی نے مجبور کیا کہ فتویٰ واپس لیں۔
اس سے پہلے امام صاحب "حضرت محمد النفس الزکیہ" کے دعویٰ خلافت کی کھلی تائید اور حمایت کر چکے تھے، اور اس حمایت کے لیے آپ کا استدلال یہ تھا کہ منصور کے لیے بیعت جبراً لی گئی ہے، شرعاً جبری طلاق واقع نہیں ہوتی، اس لیے جبری بیعت کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔
والیٔ مدینہ جعفر اس فتویٰ کی آڑ میں درپے آزار ہوا، رجوع سے انکار پر غضبناک ہو کر سزا کا حکم دیا۔
پھر سرزمین مدینہ یہ دردناک منظر دیکھتی ہے کہ اس کی پشت پر از راہ ادب و محبت ننگے پاؤں چلنے والے امامؒ کی پشت پر کوڑے برسائے جا رہے ہیں، دو چار نہیں، اکٹھے ستر کوڑے!
جرم کیا ہے؟

حمایت حق

مودت اہل حق ؓ

پشت مبارک خون آلود ہو جاتی ہے، دونوں ہاتھ مونڈھے سے اتر جاتے ہیں، اس پر بھی غصہ ٹھنڈا نہیں ہوتا، حکم ہوتا ہے اونٹ پر بٹھا کر پورے شہر میں تشہیر کی جائے، چنانچہ امامؒ دار الھجرۃ کو مجرموں کی طرح باندھ کر شہر میں گھمایا جا رہا ہے اور امام برحق کی

زبان سے اس حال میں بھی یہ کلمۂ حق جاری ہو رہا ہے:

''من عرفنی فقد عرفنی ومن لایعرفنی فأنا مالک بن أنس اقول ان طلاق المکرہ لیس بشیء''

''جو مجھے پہچانتا ہے، وہ تو پہچانتا ہی ہے، جو نہیں پہچانتا، وہ پہچان لے کہ میں مالک بن انس ہوں، فتویٰ دیتا ہوں کہ جبری طلاق کا کوئی اعتبار نہیں''۔ (طبقات ابن سعد، ترجمہ مالکؒ بن انس)

اور یہ بھی کیا عجب ہے کہ امام مالکؒ پر تو اس لیے کوڑے برسائے جا رہے ہیں کہ وہ جبری طلاق واقع ہونے کے قائل نہیں، امام ابوحنیفہؒ جبری طلاق واقع ہونے کے قائل ہیں، لیکن کوڑے انہیں بھی مارے جا رہے ہیں! یہاں بہانہ منصب قضا سے انکار ہے! حقیقت یہ ہے کہ فقہی مسائل اور اختلاف آراء پر سزائیں صرف بہانے تھے، ان ائمہ کرامؒ کا اصل جرم اہل بیتؓ کے موقف کی تائید وحمایت تھا۔

بہر کیف! والیٔ مدینہ جعفر بن سلیمان نے تو امام مالکؒ پر یہ ستم کیا، لیکن امامؒ کوڑوں کی سزا کے بعد جب ہوش میں آئے تو فرمایا: ''میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے مارنے والے کو معاف کیا۔'' پوچھا گیا تو یہ وجد آفرین جواب دیا:

''موت سرہانے کھڑی ہے، مجھے حیا آتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے اس حال میں ملوں کہ میری وجہ سے آپ کی آل کا کوئی فرد دوزخ میں داخل ہو!''

کچھ عرصے کے بعد منصور عباسی مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو امامؒ کو جعفر سے قصاص دلوانا چاہا، فرمایا:

''اللہ کی پناہ! واللہ کوڑا اٹھنے سے پہلے قرابت رسول ﷺ کی وجہ سے میں اسے معاف کر دیتا تھا'' (الصواعق: ۱۸۰)

چشم فلک نے اہل بیتؓ سے مودت اور نسبت رسول ﷺ سے کمال محبت کا یہ نظارہ کم ہی دیکھا ہوگا!

امام احمدؒ کا جمالِ مودت

امام احمدؒ بن حنبل نے اپنے مسند میں اہل بیتؓ کے فضائل و مناقب کی روایات جس کثرت سے ذکر کی ہیں، اس سے ان کی اہل بیتؓ سے گہری عقیدت و محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہاں ہم آپؒ کے طرز عمل کے دو واقعات ذکر کر رہے ہیں۔

''خطیب کا بیان ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کے پاس جب کوئی سید یا قریشی آتا، بوڑھا ہوتا یا جوان، امامؒ ازراہ اکرام اس کے پیچھے پیچھے چلتے تھے''۔ (الصواعق: ۱۸۰)

''ایک مرتبہ ایک شیعی آیا، امام نے اس کا احترام کیا، اس پر لوگوں نے باتیں کیں تو فرمایا: ''سبحان اللہ! ایک شخص اہل بیتؓ کے افراد سے محبت رکھتا ہے اور خود بھی ثقہ ہے'' (تو میں اس کا احترام کیوں نہ کروں؟) (الصواعق: ۲۳۸)

یہ اس جلیل القدر امامؒ کا طرز عمل ہے جس کی محبت کو اہل سنت کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

امام شافعیؒ اہل بیتؓ کی مودت میں فنا تھے

امام محمد بن ادریس شافعیؒ دل و جان سے اہل بیتؓ کی مودت میں فنا تھے، آپ کے شب و روز نورِ مودّت سے روشن رہتے تھے، چنانچہ اہل محبت پر جو گذرتی ہے، وہ آپ پر بھی گذری۔

''امام مکہ معظمہ میں مقیم تھے، فکر معاش دامن گیر تھی، اتفاقاً والیٔ یمن مکہ مکرمہ آیا، بعض عمائد قریش نے اس سے سفارش کی کہ شافعی اہلیت رکھتے ہیں، انہیں کوئی سرکاری خدمت سپرد کی جائے، چنانچہ نجران کے عامل بنا دیے گئے۔

والیٔ یمن بہت سفاک و ظالم تھا، امام صاحبؒ اسے ظلم و زیادتی اور بے انصافی سے روکتے تھے، والیٔ یمن نے ناراض ہو کر ہارون الرشید کو خط لکھا کہ شافعی علوی سادات کے ساتھ ہیں، جس سے بڑا اندیشہ ہے۔

ہارون کو خط ملا تو آپے سے باہر ہو گیا، حکم بھیجا کہ شافعی اور ان کے تمام ساتھیوں کو فوراً دارالحکومت بھیج دو! حکم کی تعمیل کی گئی، امام شافعی گرفتار ہو کر ہارون کے دربار میں لائے گئے، امام محمد بن الحسن شیبانیؒ بھی بغداد میں تشریف رکھتے تھے، انہیں معلوم ہوا تو وہ بھی پہنچ گئے، اور ان کی سفارش پر امام شافعیؒ کی رہائی ہوئی۔

یہ واقعہ ۱۸۴ھ کا ہے، جب امام صاحبؒ کی عمر ۳۴ سال تھی"

(محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے: ۱۱۴)

فتنۂ رفض ونصب کے مقابلے میں امام شافعیؒ اہل السنۃ والجماعۃ کے بے باک ترجمان تھے، فرماتے ہیں:

"اذا نحن فضلنا علیاً فاننا
روافض بالتفضیل عند ذوی الجھل
وفضل ابی بکر اذا ما ذکرته
رمیت بنصب عند ذکری للفضل
فلازلت ذارفض و نصب کلاھما
بحبّهما حتی أوسد فی الرمل"

(الصواعق: ۱۳۳)

ترجمہ: "جب ہم علیؓ کے فضائل بیان کریں تو اس بیان فضیلت کی وجہ سے جہلا کے یہاں ہم روافض قرار پاتے ہیں،
جب میں ابوبکرؓ کی فضیلت ذکر کرتا ہوں تو اس تذکرۂ فضل کی وجہ سے مجھ پر ناصبی کی تہمت لگائی جاتی ہے،
ان دونوںؓ کی محبت میں میں اسی طرح رافضی اور ناصبی رہوں گا، یہاں تک کہ ریتلی قبر میں رکھ دیا جاؤں گا"

نیز فرماتے ہیں:

"قالوا ترفضت قلت کلا
ماالرفض دینی و لا اعتقادی
لکن تولیت غیر شک
خیر امام و خیر ھادی
ان کان حب الولی رفضاً
فاننی ارفض العباد"

(الصواعق:۱۳۳)

ترجمہ: لوگ کہتے ہیں: تو رافضی ہو گیا، میں کہتا ہوں: ہرگز نہیں، رفض میرا دین ہے نہ میرا عقیدہ،
لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ میں بہترین امام اور بہترین ہادی سے محبت رکھتا ہوں،
سو اگر ولیؓ کی محبت رفض ہے تو میں دنیا کا سب سے بڑا رافضی ہوں۔"

خوارج اور نواصب نے جب آپؒ کے خلاف پروپیگنڈا تیز کر دیا تو آپؒ نے ان کے جواب میں یہ ایمان آفرین اشعار کہے:

"یاراکباً قف بالمحصّب من منیٰ
واھتف بساکن خیفھا والناھض
سحراً اذافاض الحجیج الی منیٰ
فیضاً کملتطم الفرات الفائض
ان کان رفضاً حب آل محمد
فلیشھد الثقلان انی رافضی"

(الصواعق:۱۳۳)

ترجمہ: "اے شہ سوار! یوم ترویہ کی صبح جب حجاج ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریا کی طرح منیٰ کی طرف رواں دواں ہوں تو وادئ محصب کے کنارے کھڑا ہو جا اور منیٰ کے

ہر باسی اور مسافر سے پکار پکار کر یہ کہہ دے کہ اگر آل محمد ﷺ کی محبت رفض ہے تو جن وانس گواہ ہو جائیں کہ میں رافضی ہوں۔''

امام شافعیؒ کے اِن اشعار کو ہر دور میں اہل السنۃ والجماعۃ نے اپنے جذبات کا ترجمان سمجھا اور تواتر کے ساتھ انہیں نقل کیا۔

ابن حجر مکیؒ کی 'الصواعق المحرقہ' کے حوالے سے تو آپ یہاں پڑھ رہے ہیں۔

امام قرطبیؒ نے 'احکام القرآن' میں استحسان کے ساتھ یہ اشعار لکھے ہیں۔

شہرۂ آفاق محدث ملا علی قاریؒ بھی اپنی مودت وعقیدت کے اظہار کے لیے انہی اشعار کو وسیلہ بناتے ہیں، دیکھیے: مرقاۃ المفاتیح: ۲۵۱/۸

'روح المعانی' جو حضرت تھانویؒ، علامہ عثمانیؒ سے لے کر مفتی محمد شفیعؒ تک عصر حاضر کی تمام تفاسیر کا ماخذ ہے اور گذشتہ تمام تفاسیر کا نچوڑ ہے، اس میں علامہ محمود آلوسیؒ ان الفاظ کے ساتھ یہ اشعار نقل کرتے ہیں ''اور میں بھی شافعیؒ کا قول شافی کہتا ہوں۔''

(روح: ۳۲/۲۵)

مفتی محمد شفیعؒ یہ اشعار روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''درحقیقت یہی جمہور امت کا مسلک و مذہب ہے۔'' (معارف القرآن ۶۹۲/۷)

یہ کیسا سنی ہے!

اہل بیتؓ اطہار سے ابوبکر و عمرؓ، عثمانؓ و عمرؒ کی مودتیں ہمارے سامنے آ چکیں،

ائمہ اربعہؒ کی نیازمندیاں ہم نے پڑھ لیں،

لیکن جو سنی ابوبکرؓ و عمرؓ کی مودتوں کا احترام نہ کرتا ہو،

عثمانؓ و عمرؒ کا اسوۂ حسنہ اس کے لیے درخور اعتنا نہ ہو،

ابوحنیفہؒ و مالکؒ کا طرز عمل اس کے لیے لائق تقلید نہ ہو،

احمدؒ و شافعیؒ کے خیالات اس کے فکر و نظر میں راہ نہ پا سکیں

تو یہ کیسا سنی ہے؟!

ائمہ اور اولیاءؒ کے نزدیک مودتِ اہل بیتؓ کو سلامتی خاتمہ میں بڑا دخل ہے

ارشاد نبوی کے مطابق اخروی کامیابی کا دارومدار دم آخر پر ہے، عبادت و ریاضت، ذکر و فکر کا مقصود بس یہ ہے کہ خاتمہ ایمان پر ہو جائے۔

حسن خاتمہ میں حسن عمل کے ساتھ اہل بیتؓ سے حسن عقیدت اہم کردار رکھتی ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ خواجہ محمد تقی کے نام اپنے مکتوب میں رقمطراز ہیں:

''فقیر کے والد ماجد (مخدوم شیخ عبدالاحد فاروقیؒ) جو علم ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے، اکثر اوقات محبت اہل بیتؓ کی ترغیب دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس محبت کو سلامتی خاتمہ میں بڑا دخل ہے، اس کا بہت خیال رکھا جائے۔

ان کے مرض موت میں فقیر حاضر تھا، جب ان کا آخری وقت ہوا اور اس عالم فانی کا شعور کم ہو گیا، اس وقت فقیر نے ان کو یہ بات یاد دلائی اور محبت اہل بیتؓ کا استفسار کیا، فرمایا: ''میں محبت اہل بیتؓ میں غرق ہوں''۔

اس وقت اللہ کا شکر ادا کیا گیا''۔

اس کے بعد مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:

''محبت اہل بیتؓ تو سرمایۂ اہل سنت ہے، مخالفین اس حقیقت سے غافل اور ان کی پر اعتدال محبت سے ناواقف ہیں، انہوں نے جانب افراط کو اختیار کر لیا اور افراط کے علاوہ کو تفریط سمجھ بیٹھے اور اس پر خارجیت کا حکم لگا دیا، یہ نہ سوچا کہ افراط و تفریط کے درمیان ایک حد وسط (حد اعتدال) بھی ہے، جو مرکز حق اور مقام صدق ہے اور یہ اہل سنت کو نصیب ہے۔

یہ کس قسم کی محبت ہے جو خلفاء راشدینؓ اور اصحاب کرامؓ سے بیزاری اور لعن وطعن پر ہی

موقوف ہے!

اہل سنت کا گناہ اگر ہے تو یہ ہے کہ وہ محبت اہل بیتؓ کے ساتھ ساتھ سرور دو عالم ﷺ کے تمام اصحابؓ کی بھی تعظیم و توقیر کرتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی، باہم تنازعات و اختلافات کے باوجود، بدی کے ساتھ یاد نہیں کرتے، اور اہل سنت کا یہ تعظیمی و توقیری رویہ درحقیقت شرف صحبت کی بنا پر ہے"۔ (تجلیات ربانی، مکتوب:۳۶، ص:۲۶)

امام شافعیؒ بھی مودت اہل بیتؓ کو اپنے لیے وسیلۂ نجات سمجھتے تھے، فرماتے ہیں:

"آل النبی ذریعتی وهم الیه وسیلتی
أرجو بهم أعطی غداً بیدی الیمین صحیفتی
(الصواعق:۱۸۰)

ترجمہ: "قربِ نبوی اور رضائے رسول ﷺ کے حصول کے لیے آل نبی ﷺ میرا ذریعہ اور وسیلہ ہیں اور ان کی مودت کے طفیل مجھے امید ہے کہ کل قیامت کو میرا صحیفۂ عمل میرے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔"

ایمان افروز رباعی

ہمارے ہاں کی قدیم مساجد میں عموماً ایک رباعی دیواروں پر کندہ ملتی ہے:

"الٰہی بحقِ بنی فاطمہ
کہ برقول ایماں کنم خاتمہ
وگر دعوتم رد کنی ورقبول
من ودست ودامانِ آلِ رسول"

یہ رباعی درحقیقت اہل اسلام کے قلوب میں موجزن مودت اہل بیتؓ کا خوبصورت اظہار ہے اور اس بات کی بھی نشاندہی کرتی ہے کہ ملت اسلامیہ میں تسلسل کے ساتھ یہ فکر موجود رہی کہ حسنِ خاتمہ کے لیے مودت اہل بیتؓ بھی ضروری ہے!

وارده

اس رباعی کے پہلے مصرع میں "بحق" کے لفظ کے بارے میں مجھے کچھ اشکال تھا، ایک رات میں نے خواب میں اپنے آپ کو دیکھا کہ پہلا مصرع یوں پڑھ رہا ہوں:

''الٰهی بحبِّ بنی فاطمہ''

الحمدللہ الجھن دور ہوگئی، اور اگر یہ مصرع یوں پڑھا جائے:

''الٰهی بہ وُدِّ بنی فاطمہ''

تو الفاظ قرآن کے بھی عین مطابق ہوگا!

صلی اللہ علیہ و آلہ وبارک وسلم

نقشبندی مجددی سلسلے کے عظیم شیخ حضرت میرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ (۱۷۰۰ء......۱۷۸۱ء) کیا خوب فرماتے ہیں:

''ائمہ اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت ایمان کا موجب اور تصدیق وایقان کا سرمایہ ہے، ہمارے لیے تو ان کی محبت کے سوا اور کوئی عمل وسیلۂ نجات نہیں''

پھر آپؒ نے اپنی زبان مبارک سے یہ شعر پڑھا:

"نکرد مظہرِ ما طاعتی و رفت بخاک
نجاتِ خود بتولائے بو ترابؓ گذاشت"

(مقامات مظہری: ۳۲۰)

ترجمہ: ''ہمارے مظہر نے کوئی نیکی نہیں کی اور آسودۂ خاک ہوگیا، اور اپنی نجات کا معاملہ ابوتراب علیؓ کی ولا ومحبت سے وابستہ کرلیا''

بالکل وہی مضمون ہے جو چند سطور پہلے گذرا:

وگر دعوتم رد کنی ورقبول
من و دست و دامان آل رسول" صلی اللہ علیہ وسلم

اپنے ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں:

''آنحضور ﷺ کے اقربا کی محبت تمام افرادِ امت پر واجب ہے''۔

(مقاماتِ مظہری:۴۶۱)

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''ائمہ اہل بیتؓ سے اظہار محبت اور اصحاب کبارؓ کی یکساں تعظیم لازم ہے، اور یہ صراط مستقیم ہے جو قیامت کے دن پل صراط کی صورت میں نمودار ہوگی، جو دنیا میں اس سیدھی راہ سے منحرف نہیں ہوگا، وہ قیامت کے دن اس سے استقامت کے ساتھ گزر جائے گا۔'' (مقاماتِ مظہری:۳۰۰)

علامہ فیض الحسن سہارن پوریؒ (۱۸۱۶ء۔۱۸۸۷ء) علوم عربیہ کے مایۂ ناز استاذ تھے، برصغیر کے متعدد نامور علماء آپ سے رشتۂ تلمذ رکھتے ہیں۔ ''دیوان الفیض'' آپ کا مجموعہ کلام ہے۔ اس میں دوسرے قصیدے کے آخر میں حضور اکرم ﷺ سے عرض کرتے ہیں:

''خلقت مبارکاً و بعثت سمحاً
فأحسنِ بی علی سَوئی وعابی
تربت وطال ماتربت یمینی
فخذ بیدی بآل ابی تراب''

ترجمہ: آپؐ برکتیں لے کر پیدا ہوئے اور صاحب جود وکرم بن کر مبعوث ہوئے، سو میری بدحالی اور کوتاہی کے باوجود میرے ساتھ احسان کیجئے۔

ایک طویل مدت ہورہی ہے کہ میرا ہاتھ تراب (خاک) آلود ہے (یعنی میں فقر واحتیاج میں مبتلا ہوں) سو آل ابی ترابؓ کے وسیلے سے میری دستگیری فرمائیے!''

یہ اشعار بھی مودت اہل بیتؓ کے اُس پاکیزہ جذبے کی ترجمانی کرتے ہیں، جس سے ہر دور میں اہل حق کے قلوب معمور ومخمور رہے!

''مجھے حسینی چادر میں کفنایا جائے''

مغل بادشاہوں میں محی الدین اورنگ زیب عالمگیرؒ کی شخصیت اس اعتبار سے نمایاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ظاہری کمالات کے ساتھ باطنی محاسن سے بھی حظ وافر عطا فرمایا تھا۔

عہد حاضر کے اہل دل مؤرخ سید ابوالحسن علی ندویؒ کے بقول ''محی الدین عالمگیرؒ ہندوستان کا سب سے بڑا فقیہ، غیور، حامیٔ دین وشریعت اور مجاہد مسلمان فرماں روا تھا...... اس نے اپنی شاہزادگی کے دور میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلف الرشید، خلیفۂ راشد اور ان کے علوم کے ترجمان وشارح حضرت خواجہ محمد معصومؒ سے بیعت کی تھی...... حضرت خواجہؒ اسے ''شہزادۂ دین پناہ'' کے لقب سے یاد فرماتے تھے...... اس نے حضرت خواجہ سیف الدینؒ کی زیر نگرانی باقاعدہ منازل سلوک طے کیں اور اس میں آثار ذکر نمودار ہوئے''۔ (صحبتے با اہل دل: ۱۹، ۲۰)

ایسا جہاں دیدہ اور خدا رسیدہ بادشاہ اپنی بارہ وصایا میں سب سے پہلی یہ مودت بھری وصیت کرتا ہے:

''اس عاصی غرق معاصی کو حسین علیہ السلام کی تربت مطہرہ ومقدسہ کی چادر میں لپیٹا اور کفنایا جائے، کیونکہ گناہوں کے سمندروں میں ڈوبے ہوؤں کے لیے اس درگاہ مرحمت وغفران پناہ میں التجا کیے بغیر چارہ نہیں! اور اس سعادت عظمیٰ کا سامان فرزند ارجمند بادشاہ زادہ عالی جاہ کے پاس ہے، اس سے لے لیا جائے''

(احکام عالمگیری: ۴۲، ۱۴۴)

ایک دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں:

''سادات رفیع الدرجات سے محبت جز وایمان بلکہ عین عرفان ہے اور اس جماعت سے عداوت جہنم میں داخل ہونے اور حضرت رحمان کی ناراضی کا سبب ہے''۔

(احکام عالمگیری: ۱۵۲)

اورنگ زیب عالمگیرؒ کی سادات سے مودت

محی الدین عالمگیرؒ کی سادات سے مودت کے دو واقعات نصیحت آموز ہیں.

(۱) سید لعل نامی ایک صاحب شاہی ملازمت میں سہ پشتی منصب رکھتے تھے، شہزادہ محمد اعظم شاہ نے ان کے بارے میں اپنے والد گرامی اورنگ زیبؒ کو ناشائستہ حرکات کی شکایت کی اور یہ فرمائش کی کہ ان کی جاگیر ضبط کر کے غلام کو عطا کی جائے۔

اورنگ زیبؒ عالمگیر نے اس پر تحریر فرمایا:

''محتسب کا کام خود سنبھال لینا اور جاگیر ضبط کرنے کی درخواست کرنا پرلطف کاروائی ہے! یک پشتی جاگیر ضبط کرنا محال ہے، چہ جائیکہ سہ پشتی؟ کسی کی جاگیر کسی کے کہنے سے ضبط نہیں ہوتی،

نوکری میں تو آں بابا (شہزادہ) اور سید لعل دونوں برابر ہیں لیکن شرف سیادت میں فریق ثانی ہزار مرتبہ زیادہ ہے!

صدر الصدور وہاں کے محتسب کو لکھیں کہ تحقیق کر کے مفصل رپورٹ بھیجیں۔

الحمدللہ کہ میں نے اعلیٰ حضرت (شاہ جہان) کی طرح اولاد کو اپنے اوپر مسلط نہیں کیا کہ ندامت جھیلوں'' (احکام عالمگیری:۱۴۳)

حقیقت یہ ہے کہ اگر دل میں اہل بیتؓ کی مودّت ہو تو اس کے مظاہر یقیناً ایسے ہی ہوتے ہیں، پھر محبت پدری حدود شریعت سے تجاوز نہیں کرتی، پھر رسول اللہ ﷺ سے نسبت کا لحاظ تمام مصلحتوں سے عزیز تر ہوتا ہے!

(۲) محمد بیدار بخت شہزادہ محمد اعظم اور دارا شکوہ کی بیٹی جہاں زیب بانو کا بیٹا اور اورنگ زیب عالمگیرؒ کا لاڈلا پوتا تھا، اس کی شادی سیدہ شمس النساء دختر مختار خاں سے ہوئی تھی، ایک دن رپورٹ ملی کہ شہزادہ ہمیشہ اہلیہ کے ساتھ کمال محبت و عنایت سے پیش آتا تھا، لیکن کچھ عرصہ سے اکثر ناراض رہتا ہے، چنانچہ ایک روز کہا:

''پاجی کی لڑکی کو سلاطین کے ساتھ غرور سے پیش نہیں آنا چاہیے''

شمس النساء نے جواب میں کہا:

''اگر چاہیں مجھے مار ڈالیں، لیکن اب تم سے بات نہیں کروں گی''
چنانچہ اس روز سے شاہزادہ سے بات نہیں کی۔
اس اطلاع نامہ پر تحریر فرمایا:

''صبح دم مرغِ چمن باگلِ نوخواستہ گفت
نازکم کن کہ دریں باغ بسے چوں تو شگفت
گل بخندید کہ از راست زنجم و لے
ہیچ عاشق سخن تلخ بمعشوق نہ گفت

(ترجمہ: صبح کے وقت بلبل نے ایک نوشگفتہ پھول سے کہا: نازکم کر کہ اس باغ میں تجھ جیسے بہت پھول کھلے ہیں،
پھول نے ہنس کر کہا کہ مجھے سچی بات کا تو رنج نہیں، لیکن کسی عاشق نے کبھی اپنے معشوق کو تلخ بات نہیں کہی!)

نور چشم کو واضح ہو کہ جوانی کے زمانے میں، جسے تمہارے پاجی مصاحبین کی اصطلاح میں جوانی دیوانی کہتے ہیں، ہمیں بھی ایک شخصیت سے، جو نہایت فخر و غرور کی حامل تھی، قلبی تعلق تھا، لیکن ہم نے تمام زندگی اس کی محبت کو نبھایا اور کبھی اُسے آزردہ خاطر نہ ہونے دیا۔
دوسری یہ بات بھی واضح ہو کہ سادات کے ساتھ پاجی کا لفظ استعمال کرنا خود پاجی پن ہے، اگر کوئی سید کو پاجی کہتا ہے تو وہ پاجی بن نہیں جائے گا۔
اگر محل دار اور ناظر کی رپورٹ سے اس سیدہ (شمس النساء) کی رضا مندی کا حال معلوم نہ ہوا تو عتاب بلکہ عقاب میں گرفتار ہو جاؤ گے'' (احکام عالمگیری:۱۴۹)

جن کے دل محبت رسول اکرم ﷺ سے لبریز ہوں، وہ گیارہویں صدی ہجری میں، سراسر گھریلو معاملے میں نسبت سیادت کا یوں احترام کرتے ہیں!
اور جو احسان فراموش، جاہ پرست اور حکومت کے حریص ہوں، وہ وہی کچھ کرتے ہیں، جو انہوں نے پہلی صدی ہجری میں خانوادۂ نبوت کے ساتھ کیا!
برتن سے وہی چھلکتا ہے، جو اس میں ہوتا ہے!

اکابر علماء دیو بند اور مودّت اہل بیتؓ

سارے عالم پر سادات کی تعظیم واجب ہے

حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ، جو مولانا نانوتویؒ کے پوتے بھی ہیں اور ساٹھ سال دارالعلوم دیو بند کے مہتمم بھی رہے، روایت فرماتے ہیں:

''میں نے اپنے بزرگوں سے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیو بند کے متعلق سنا کہ ان کی عادات میں ادب کا لحاظ بے حد ہوتا، سادات کا کوئی نابالغ بچہ بھی آجاتا تو سرہانہ چھوڑ کر پائنتی کی طرف بیٹھ جاتے اور فرماتے کہ دنیا مخدوم زادوں کی عزت کرتی ہے، یہ سارے عالم کے مخدوم زادے ہیں، سارے عالم پر ان کی تعظیم واجب ہے''۔ (خطبات حکیم الاسلامؒ: ۳/۲۶۵)

میں سید زادے کے منہ میں اپنا لعاب نہیں ڈال سکتا

حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ اور جامعہ اشرفیہ، لاہور کے بانی تھے، ان کے بارے میں ان کے فرزند ارجمند حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفی روایت کرتے ہیں:

''میرے والد صاحبؒ امرتسر کی عیدگاہ کے خطیب تھے، سارا شہر وہاں عید کی نماز پڑھنے کے لیے آتا تھا۔ ایک مرتبہ والد صاحبؒ نے عید کی نماز پڑھائی۔ حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور ان کے فرزند عطاء المؤمن بھی حاضر تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس عید کے موقعے پر حضرت والد صاحبؒ نے یہ اشعار بار بار پڑھے:

بہرِ غفلت یہ تیری ہستی نہیں — دیکھ، جنت اس قدر سستی نہیں
رہ گذر دنیا ہے یہ بستی نہیں — جائے عیش و عشرت و مستی نہیں

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

فکر آخرت کے بارے میں یہ ایسا مسحور کن بیان تھا کہ نماز عید کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے عرض کی: حضرت میرے بیٹے کے منہ میں اپنا لعاب ڈال دیجئے!

حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا: میں کسی سید زادے کے منہ میں اپنا لعاب نہیں ڈال سکتا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے جب شدید اصرار کیا تو مجھے اچھی طرح یاد ہے، حضرت والد صاحبؒ نے اپنی زبان پر انگلی لگائی اور وہ انگلی عطاء المؤمن کے منہ میں لگا دی''۔(ماہ نامہ الحسن ص:۲۲، ستمبر ۲۰۰۳ء)

سید کی اقتدا میرا سرمایۂ نجات ہے

سید مسعود علی لکھنوی ایک شاعر تھے، آزاد تخلص کرتے تھے، آل انڈیا ریڈیو مشاعرے میں بلائے جاتے تھے، جوانی میں تبلیغی جماعت سے وابستہ ہوئے، قسمت نے یاوری کی، دیوبندی سلسلے کے عظیم شیخ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت ہو گئے اور پھر اسی خانقاہ کے ہو رہے۔ تربیتی مراحل سے گذر کر مولانا کا سابقہ بھی شخصیت کی زینت بنا۔ حضرت رائے پوریؒ نے انہیں نمازوں کا امام ٹھہرالیا۔ سفر ہوتا یا حضر، بڑے بڑے علماء کی موجودگی میں پانچوں نمازوں اور نماز جمعہ میں امام سید مسعود آزادؒ ہی ہوتے۔

ایک مرتبہ کسی نے حضرت رائے پوریؒ سے اِس بارے میں کچھ کہا تو فرمایا:
''اپنے پلے کچھ نہیں، حضور اکرم ﷺ کے نواسے کی اقتدا میں نمازیں پڑھ رہا ہوں، بس یہی میرا سرمایہ ہے''۔

بالکل وہی بات ہے جو حضرت میرزا مظہر جان جاناںؒ نے فرمائی تھی:

نکرد مظہر ما طاعتی ورفت بخاک
نجات خود بتولائے بوترابؓ گذاشت

(مجھے یہ بات ۱۱ ذوالحجہ ۱۴۲۴ھ/۳ فروری ۲۰۰۴ء منگل کے روز حضرت مولانا ظفر احمد قادری نے رائے ونڈ میں ملاقات کے دوران میں بتلائی اور انہیں ان کے شیخ مولانا جمیل احمد دہلویؒ خلیفہ حضرت رائے پوریؒ نے متعدد بار بیان کی)

مفتی اعظمؒ ذکر امامؓ پر زار و قطار رو پڑے

اب باسٹھ سال ہو رہے ہیں کہ میرے والد محترم حضرت مولانا عبداللہ مسعودؒ شوال ۱۳۶۲ھ میں مدرسہ امینیہ، دہلی میں دورۂ حدیث شریف کے لیے داخل ہوئے۔ مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہؒ اُس زمانے میں افتا کے ساتھ مسند حدیث پر بھی رونق افروز تھے۔ والد محترمؒ کو حضرت مفتی صاحبؒ کے ساتھ تعلق خاطر تھا، رشتہ تلمذ کے ساتھ آپؒ کی خدمت میں مصروف رہا کرتے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کا درس فقاہت و ثقاہت کا اعلیٰ نمونہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ دورانِ درس میں امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے مناقب میں کوئی حدیث آ گئی تو انؒ کے مناقب اور مصائب کے تصور سے رو پڑے، شدت گریہ سے چہرہ چھپا لیا اور زار و قطار روتے رہے۔

یہی کیفیت میرے شیخ حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔ ایک مجلس میں واقعۂ کربلا کا ذکر آ گیا تو سر جھکا لیا اور دیر تک جھکائے رکھا، پھر سر اٹھایا تو آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی چھ لعنتیوں والی روایت بیان کی اور فرمایا: جو شخص اتنا بدترین ظالم ہو اور جس میں لعنت کی اتنی وجوہ پائی جاتی ہوں، کیا وہ مومن ہوگا؟

تم سے تو وہ ہی اچھے

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ عصر حاضر کے نامور شیخ تھے، آپ زندگی بھر اکابرؒ کی شفقتوں اور عنایتوں اور اصاغر کی عقیدتوں اور محبتوں کا مرکز

رہے، آخر عمر میں مدینہ طیبہ میں قیام پذیر ہو گئے تھے، وہیں انتقال ہوا اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

آپ کے خلیفہ مجاز مولانا عزیز الرحمٰن ایک واقعہ نقل کرتے ہیں:

''ایک دفعہ مدینہ منورہ میں خدام نے عاشورا کا روزہ رکھا، عصر کے بعد افطاری اور کھانے کے اہتمام میں مشغول تھے تو حضرتؒ نے ہمیں بلا کر پوچھا:

''آج شہداء کربلا اور حضرت حسینؓ کے لیے کیا کیا ایصال ثواب کیا؟''

خاموشی پر حضرتؒ نے فرمایا:

''ڈوب مرو، تم سے تو وہ........ ...... ہی اچھے جو کم از کم جھوٹ موٹ رو تو لیتے ہیں''۔

پھر حضرتؒ نے خود ایصال ثواب کیا اور اس کی بڑی مقدار تعلیم کی خاطر اظہار فرمائی۔

اس بارے میں حضرت شیخؒ کے دیگر خطوط آپ کے خلفاء اور متوسلین کے پاس موجود ہیں''۔ (اکابر کا مسلک ومشرب:۱۱)

اہل بیتؓ کا جوتا میرا تاج ہے

حضرت مولانا محمد اجمل خانؒ قریبی عہد کے نامور خطیب تھے، آپ اپنے ایک خطاب میں، جس کی ریکارڈنگ محفوظ ہے، فرماتے ہیں:

''میں برملا کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں، آپ کی بیٹی اور حسنؓ وحسینؓ بلکہ اُن کے غلاموں کی جوتیوں کی خاک کو سرمہ بنالیں تو حیرت کی بات نہیں، میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ ان کی جوتی مل جائے اور اپنے سر پر رکھ کر نماز پڑھوں تو یہ میرے لیے باعث فخر ہوگا''۔

''قرآن مجید نے حضرت ایوبؑ کی شان میں فرمایا ہے:

"اِنَّاوَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ" (ص : ۴۴)

ترجمہ: "ہم نے اسے نہایت صابر پایا، خوب بندہ تھا! بے شک وہ بڑا ہی رجوع کرنے والا تھا"۔

قرآن واقعۂ کربلا سے پہلے نازل ہو چکا تھا، اگر بعد میں نازل ہوتا یقیناً امام حسینؓ کی شان میں بھی یہی فرماتا"۔

ان حکایات سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ بانی دارالعلوم دیوبند سے لے کر عصر حاضر تک ہمارے تمام اسلاف مودّتِ اہل بیتؓ میں ڈوبے ہوئے تھے اور قدم قدم پر حرمتِ سادات کا لحاظ رکھتے تھے۔

پس دیوبندی کے لیے ضروری ہے کہ

اہل بیتؓ کی مودت سے سرشار ہو

شہداءؓ کربلا کی حرمت کا پاسدار ہو

اور گستاخان اہل بیتؓ سے بیزار ہو

اکابر علماء دیوبند نسبتِ اہل بیتؓ کے حامل تھے

مولانا عبیداللہ انورؒ نے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے آخری سفر دیوبند کا حال قلم بند فرمایا ہے۔ مولانا انورؒ کا یہ مضمون جنوری ۸۴ء کی ایک نشست میں پڑھا گیا پھر "خدام الدین" میں شائع ہوا۔ مولانا لکھتے ہیں کہ دیوبند میں مولانا سندھیؒ بڑے اشتیاق اور اہتمام سے حضرت میاں اصغر حسین دیوبندیؒ سے ملنے گئے، دوران ملاقات میں دونوں کے مخدوم شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کا تذکرہ غالب رہا، اس ضمن میں مولانا سندھیؒ نے فرمایا:

"حضرت شیخ الہندؒ کو مولانا محمد قاسمؒ (بانیٔ دارالعلوم دیوبند) سے جو نسبت حاصل ہوئی، اس نسبت کو امام ولی اللہ دہلویؒ اپنی کتابوں میں نسبتِ اہل بیتؓ کا نام

دیتے ہیں، اور یہی نسبتِ اہل بیتؓ حضرت شیخ الہندؒ سے مولانا سید حسین احمد مدنی کو حاصل ہے''۔ (''خدام الدین'' لاہور، امام انقلابؒ نمبر: ۳۷، ۳۸)

چھوٹے منہ سے بڑی بات نکل رہی ہے لیکن بڑائی کے جذبے سے نہیں، صرف 'قافیۂ گل' ہونے کے شوق سے، اور بات بھی اپنی نہیں ایک بزرگ کی ہے جو انہوں نے کسی اچھے وقت میں مجھے فرمائی تھی کہ ''تمہیں نسبتِ اہل بیتؓ حاصل ہے'' فالحمد للہ علی ذلک ۔ اللہ تعالیٰ اس کی حقیقت نصیب فرمائے۔

ائمہ اہل بیتؓ راہ صدق وصفا میں بھی امام ہیں

حضرت سید ابوالحسن علی ہجویریؒ المعروف بہ داتا گنج بخش (۴۶۵ھ)

اولیاء کاملین میں بلند مقام رکھتے ہیں، آپ کی شہرۂ آفاق تصنیف ''کشف المحجوب'' آج بھی اہل طلب کے لیے چشمۂ فیض ہے، اس کتاب میں آپؒ نے راہ صدق وصفا کے اوصاف اور اہل صدق وصفا کے احوال بیان فرمائے ہیں۔

اہل بیتؓ کے تذکرے میں ارشاد فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے اہل بیتؓ تقدس ازلی میں مخصوص تھے، ہر ایک کو تصوف میں کمال حاصل تھا اور سب اہل تصوف کے سردار تھے۔'' (کشف المحجوب: ۱۳۵)

''ابوالحسن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہٗ برادر مصطفیٰؐ، غواصِ بحر بلا، سوختۂ آتش ولا اور تمام اولیاً واصفیاً کے پیشوا ہیں، آپؓ کو تصوف میں شان عظیم اور مرتبۂ بلند حاصل تھا، اصول حقیقت میں اس قدر باریک بیں اور نکتہ رس تھے کہ حضرت جنیدؒ نے ان کی نسبت کہا:

''شیخنافی الاصول والبلاء علی المرتضی رضی اللہ عنه''

''اصول (علم تصوف) اور بلاکشی (معاملت) میں ہمارے پیر علی مرتضیٰؓ ہیں''

''اہل تصوف حقائق عبارات، دقائق اشارات، تجرید دنیا وآخرت اور نظارۂ تقدیر حق کے معاملے میں حضرت علیؓ کی پیروی کرتے ہیں'' ...... (کشف المحجوب: ۱۳۵)

''امام حسنؓ جگر بند مصطفیٰؐ، ریحان دل مرتضیٰؓ اور نور چشم زہراؓ ہیں، آپ طریقت میں گہری نظر رکھتے تھے، اس موضوع پر آپ کے دقیق نکات بکثرت ہیں''۔

(کشف المحجوب: ۱۳۵)

مکتوب حسنؒ بنام حسنؓ

سلاسل طریقت میں خواجہ حسن بصریؒ کا مرتبہ محتاج بیان نہیں، جب فرقہ قدریہ نے زور پکڑا اور مسئلہ تقدیر میں لوگ الجھنے لگے تو خواجہ حسن بصریؒ نے امام حسنؓ کی خدمت میں عریضہ لکھا، ہم اس مکتوب گرامی کو صرف یہ بات ظاہر کرنے کے لیے نقل کر رہے ہیں کہ قرونِ خیر میں بلند مرتبت اہل خیر کی نگاہوں میں اہل بیتؓ کا کیا مقام و مرتبہ تھا؟ اور اہل علم کس طرح اپنی علمی اور روحانی پریشانیوں میں ائمہ اہل بیتؓ سے مراجعت کرتے تھے؟ (اصل مکتوب عربی میں ہے، ہم اس کا ترجمہ لکھ رہے ہیں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فرزند رسول اللہ!

قرار نگاہ رسول اللہ!

السلام علیک و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

ازاں بعد (امت میں) آپ گروہ بنی ہاشم کی وہی حیثیت ہے جو گہرے سمندر میں رواں کشتیوں اور گھٹاٹوپ اندھیروں میں چراغوں کی ہوتی ہے، آپ لوگ راہِ ہدایت کے نشانات ہیں اور ایسے رہنما ہیں کہ جو ان کی پیروی کرے، نجات پا جائے، آپ لوگ کشتی نوحؑ کی مانند ہیں، جو اہل ایمان کا ٹھکانہ ہے اور اس میں سوار ہونے والے نجات پاتے ہیں،

فرزندِ رسول اللہ!

مسئلہ تقدیر کے بارے میں ہم حیران ہیں اور جبر و اختیار کے حوالے سے ہمارے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے، تو اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اپنی پختہ رائے سے ہمیں آگاہ فرمایئے۔ آپ لوگ (آیت قرآنی) "ذریۃ بعضھا من بعض" (ذریت انبیاءؑ ہے کہ ایک دوسرے کی نسل سے ہے" آل عمران:۳۴) کا

مصداق ہیں، آپ کے پاس اللہ کا عطا فرمودہ علم ہے، اللہ آپ (کی برگزیدگی اور پاکیزگی) کا گواہ ہے اور آپ لوگوں کے سامنے اللہ (کی عظمت وکبریائی) کے گواہ ہو، والسلام علیک'' (کشف المحجوب: ۱۳۵)

امام حسینؓ

''اس جماعتِ (صدق وصفا) میں شامل ہیں چراغ خاندانِ مصطفوی، جملہ تعلقات سے مجرد، اپنے زمانے کے سردار ابو عبد اللہ الحسین بن علی رضی اللہ عنہم، محقق ولی اللہ، قبلۂ اہل صفا وقتیلِ کربلا، اہل تصوف ان کی درستیٔ حال پر متفق ہیں، جب تک حق ظاہر تھا آپؓ متابعت حق میں مصروف رہے اور جب حق مفقود ہوا تو شمشیر بدست میدان میں نکل آئے اور خدا کی راہ میں سر قربان کیے بغیر آرام نہ لیا، پیغمبر ﷺ نے آپؓ کو متعدد نوازشات سے سرفراز کیا۔'' (کشف المحجوب: ۱۳۷)

حضرت داتا گنج بخشؒ نے یہ بات خوب نقل کی کہ ''اہل تصوف امام حسینؓ کی درستیٔ حال پر متفق ہیں'' سچ تو یہ ہے کہ جن لوگوں سے خود اللہ نے رجس دور کر کے انہیں پاک صاف کر دیا ہو، اہل تصوف ان کی درستیٔ حال پر کیوں متفق نہ ہوں؟

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اگر حب جاہ اور حب مال رجس ہے...... اور یقیناً ہے..... تو اللہ تعالیٰ نے یہ رجس ان حضرات اہل بیتؓ سے دور کر دیا ہے، لیکن کچھ لوگ آج بھی امام حسینؓ پر ایسے گھٹیا الزام لگانے سے نہیں چوکتے۔

آج اگر یہ کہا جائے کہ سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا محمود حسنؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مفتی کفایت اللہؒ، مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مفتی محمودؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا غلام اللہ خانؒ، مولانا محمد منظور نعمانیؒ، قائدینِ افغانستان اور دوسرے وہ تمام زعماء جنہوں نے نفاذ اسلام کی

جدوجہد کی اور دین کی راہ میں قربانیاں دیں، ان سب لوگوں کی تگ و دو کا مقصود اقتدار و اختیار اور مال و منال کا حصول تھا، تو مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ پنجے جھاڑ کر ایسے قائل کے پیچھے پڑ جائیں گے اور اُسے دائرہ اسلام سے باہر دھکیلنے تک دم نہیں لیں گے حالانکہ ان مذکورہ بالا بزرگوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے شہادتیں دی ہوں اور اہل تصوف جس کی درستیٔ حال پر متفق ہوں، لیکن امام حسنؓ، امام حسینؓ کے بارے میں ایسا سوچتے اور بولتے ہوئے ان کا ایمان نہ جانے کہاں چلا جاتا ہے؟ اور یہ ایسی خرافات ٹھنڈے پیٹوں کیسے برداشت کر لیتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ انسان کا ظاہری رویہ اس کی باطنی کیفیت کو ظاہر کر ہی دیتا ہے!

امام زین العابدینؓ

''اسی جماعتِ (صدق وصفا) میں داخل ہیں وارثِ نبوت، چراغِ امت، سید مظلوم، امامِ مرحوم، سراج العارفین، زین العابدین علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم، اپنے زمانے میں سب سے زیادہ مکرم اور عابد تھے، اظہار حقیقت اور دقیقہ گوئی میں مشہور تھے۔''

''مذکور ہے کہ جب میدان کربلا میں حسینؓ ابن علیؓ کو فرزندوں سمیت شہید کر دیا گیا تو حضرت زین العابدین کے سوا مستورات کا کوئی پرسان حال نہ تھا، وہ بھی بیمار تھے، حضرت حسینؓ ان کو علی اصغر کہا کرتے تھے، جب ان کو ننگے اونٹوں پر چڑھا کر یزید (اُس پر واقع ہو جس کا وہ مستحق ہے، اللہ اسے رسوا کرے) کے روبرو پیش کیا گیا تو ان میں سے ایک نے آپ کو کہا:

علی! اہل بیت رحمت! یہ کیسی صبح ہے؟

فرمایا: ہماری صبح ہماری قوم کے ہاتھوں میں ایسی ہے جیسی قوم موسیٰ کی صبح فرعون اور اس کی قوم کے ہاتھوں میں تھی کہ ان کے مردوں کو قتل کرتے تھے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتے تھے، ہمارے لیے صبح و شام کی تفریق ختم ہو چکی ہے، یہ ہماری مصیبت کی حقیقت ہے۔''

(کشف المحجوب: ۱۳۹)

امام باقرؒ

''اہل بیت میں معاملت کی حجت، ارباب مشاہدہ کی برہان، اولاد نبی میں امام، نسلِ علی میں برگزیدہ، ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم ہیں، آپ کو امام باقر بھی کہتے ہیں، علمی دقائق اور کتاب حق میں لطیف اشارات آپ سے مخصوص ہیں، آپ کی کرامات مشہور، نشانات روشن اور دلائل واضح ہیں۔

کہتے ہیں ایک بادشاہ وقت نے آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا اور بلوا بھیجا، جب آپ تشریف لائے تو اس نے معذرت کی، تحائف پیش کیے اور نہایت اچھے طریقے سے رخصت کیا،
لوگوں نے پوچھا: تو تو درپے قتل تھا، یہ کیا ہوا؟
بادشاہ نے جواب دیا: جب وہ میرے پاس آئے تو ان کے دائیں بائیں دو شیر تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اگر میں نے ہاتھ اٹھایا تو وہ مجھے چیر ڈالیں گے''۔
(کشف المحجوب: ۱۴۱)

ربانی حفاظت کا اس سے ملتا جلتا واقعہ پہلے بھی پیش آچکا ہے۔
ابن ہشام لکھتے ہیں (ترجمہ) ''قریشی سردار جب رسول اللہ ﷺ کو اپنے دام میں لانے میں ناکام رہے تو بہت سٹپٹائے۔ ابو جہل نے کہا: کل جب یہ نماز میں سجدہ کریں گے تو میں ایک بھاری پتھر مار کر ان کا سر پاش پاش کر دوں گا، پھر جو ہوگا، دیکھا جائے گا...... اگلے دن رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ نماز شروع کی، سجدے میں گئے تو ابو جہل ایک بھاری پتھر اٹھا کر آگے بڑھا، قریب پہنچا تو اچانک واپس بھاگا، رنگ اڑا ہوا تھا، رعب طاری تھا، ہاتھ پتھر پر چپکے ہوئے تھے، یہاں تک کہ پتھر اس کے ہاتھوں سے گر گیا۔
قریشی سردار اس کی طرف لپکے، پوچھا: ابوالحکم! کیا ہوا؟

بولا: حسب ارادہ میں ان کی طرف بڑھا، لیکن جب قریب ہوا تو ایک نر اونٹ آڑے آ گیا، واللہ میں نے کسی اونٹ کی ویسی گردن، ویسا سر اور ویسے دانت نہیں دیکھے، وہ تو مجھے کھانے ہی لگا تھا!'' (تہذیب سیرت ابن ہشام:٦٨)

بڑی شان ہے اُس کی جس نے رسول کی طرح آل رسول کی مدد فرمائی۔

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

لوگ کہتے ہیں کہ اہل بیتؑ کا قافلہ جب دمشق پہنچا تو یزید نے بہت اکرام کیا، اظہار ندامت کیا، باہم صلح صفائی ہو گئی، آخر کو سب آپس میں رشتہ دار تھے!

یہ من گھڑت باتیں یزید کے جرم کی سنگینی کو کم کرنے کے لیے کی جاتی ہیں اور سادہ لوح لوگ اس سے دھوکہ میں آ جاتے ہیں۔

امام باقرؑ کی ایک مناجات اس دھوکے کی قلعی کھولتی ہے۔

''آپ کے خادم خاص کی روایت ہے کہ کچھ رات گئے آپ اوراد سے فارغ ہو کر بلند آواز سے یوں مناجات کرتے:

''میرے اللہ! میرے مولا!

رات آ گئی، دنیا والوں کی بادشاہی ختم ہوئی،

آسمان پر تارے نکل آئے،

خلقت خواب غفلت میں کھو گئی،

آنکھیں بند ہو گئیں،

آوازیں گم ہو گئیں،

لوگ اہل دنیا کی بارگاہوں سے چل دیے،

بنو امیہ بستر استراحت میں چلے گئے

اپنے خزانے محفوظ کر لیے،

اپنے دروازے بند کر لیے،
نگہبان اور پہرے دار مقرر ہو چکے،
حاجت مندان کے دروازے چھوڑ کر جا چکے،
لیکن باری تعالیٰ!
تو زندہ اور قائم ہے
دیکھنے والا اور جاننے والا ہے
سونا اور اونگھنا تیری ذات پاک سے بعید ہے،
جو یہ نہیں سمجھتا، وہ کسی نعمت کے قابل نہیں،
اے خدا
ایک چیز تجھے دوسری چیز سے غافل نہیں کرتی
تیری بقا شب و روز کے تغیر سے بالاتر ہے،
جو دعا کرے تیرے دروازے اس پر کھل جاتے ہیں
تیری توصیف کرنے والے پر تیرے خزانے کھلے ہیں،
جو سوالی تیرے در پر آتا ہے کبھی خالی نہیں جاتا،
جو دعا کرتا ہے کبھی مایوس نہیں لوٹتا
اے خدا
جب مجھے موت اور قبر کے حساب کا خیال ہو تو کون سی مسرت مجھے اپنا سکتی ہے!
جب ملک الموت میرے سامنے ہو تو میں دنیا کی کونسی منفعت کی آرزو کر سکتا ہوں!
میں ہر چیز تیری ذات پاک سے مانگتا ہوں
تو واحد و لاشریک ہے
تیری بارگاہ میں دعا ہے کہ

بوقت مرگ سکون بے حساب عطا فرما

اور یوم حساب راحت بے عذاب مرحمت فرما''

آپ یہ مناجات کرتے تھے اور روتے تھے،

ایک رات خادم نے پوچھا:

میرے اور میرے باپ دادا کے سردار!

یہ اشک باری کب تک؟

فرمایا:

''اے دوست! یعقوبؑ کا ایک یوسفؑ گم ہو گیا تھا، وہ اس قدر روئے کہ بصارت جاتی رہی اور آنکھیں سفید ہو گئیں، میرے تو اٹھارہ اقرباً کربلا میں گم ہو گئے، میں غم میں یعقوبؑ سے کم نہیں کہ اپنے اقارب کے فراق میں میری آنکھیں سفید نہ ہو جائیں!''

(کشف المحجوب: ۱۴۱، ۱۴۲)

اگر تمام رنجشیں ختم ہو گئی تھیں تو شب کے سناٹوں میں یہ درد بھری مناجاتیں کیسی؟

سکوت کا معنی صلح نہیں ہوتا!

انداز بدلنے سے موقف نہیں بدلتا!

امام جعفر صادقؒ

اسی جماعت (صدق وصفا) میں شامل ہیں یوسف سنت، جمال طریقت، غواص معرفت، زینت تصوف ابو محمد جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم، بلند حال اور نیک سیرت تھے، ان کا ظاہر آراستہ اور باطن پیراستہ تھا، تمام علوم میں انہوں نے حسین اشارات چھوڑے ہیں، مشائخ کرام میں دقیق کلام اور وقوفِ معانی کے لیے مشہور ہیں"۔

"حکایت ہے کہ داؤد طائیؒ امام جعفر صادقؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

فرزند رسول! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے، میرا دل سیاہ ہو گیا ہے!

امام جعفر صادقؒ نے فرمایا:

آپ اپنے زمانے کے زاہد ہیں، میری نصیحت کی کیا ضرورت ہے؟

داؤد طائیؒ نے عرض کیا:

آپ فرزند رسول ﷺ ہیں، باری تعالیٰ نے آپ کو سب پر فضیلت دی ہے، سب کو نصیحت کرنا آپ کا منصب ہے۔

امام صاحبؒ نے فرمایا:

مجھے اس بات کا خوف ہے کہ حشر کے دن میرے جد امجد ﷺ میری گرفت نہ کریں کہ میں نے حقِ متابعت ادا نہیں کیا، نسب سے یہ چیز درست نہیں ہوتی، اس کے لیے حسن معاملہ کی ضرورت ہے۔

داؤد طائیؒ رو پڑے اور بولے:

اے خدا!

جس کی فطرت میں نبوت کا اثر ہو،

جس کی طبیعت میں اصول ہوں،

جس کے جد امجد رسولؐ ہوں

جس کی جدہ محترمہ بتولؓ ہوں

ان کے سامنے داؤد کا کیا مقام کہ اپنے حسنِ معاملہ پر ناز کر سکے"!

"یہ بھی روایت ہے کہ ایک روز اپنے خدام میں بیٹھے ہوئے تھے، فرمایا:

آؤ! باہم عہد کریں کہ روز قیامت جسے بھی نجات نصیب ہو، وہ سب کی شفاعت کرے گا۔

خدام نے عرض کیا:

حضور فرزند رسول ﷺ کو کس کی شفاعت کی ضرورت ہے، آپ کے جد امجد تو تمام خلائق کے شفیع ہیں!

فرمایا:

میں اپنے افعال پر شرمسار ہوں، اپنے جد امجد ﷺ کو کیا منہ دکھاؤں گا!"

(کشف المحجوب: ۱۴۳، ۱۴۴)

یہ ہیں سادات کرام!

سچے سادات کے حالات یونہی اجلے اجلے، خیالات اسی طرح روشن روشن اور باتیں خوشبو خوشبو ہوتی ہیں۔

یہ حضرات درحقیقت سیادت و شرافت کا معیار ہیں، اسی لیے اولیاء و صلحاء انہیں اپنا امام مانتے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ اتنے حالات تحریر کرنے کے بعد فرماتے ہیں "اگر میں سب اہل بیتؓ کا ذکر کروں اور ہر ایک کے مناقب معرض تحریر میں لاؤں تو اس کتاب میں گنجائش ممکن نہیں۔ طریقت کو ماننے والے ہوں یا اس کا انکار کرنے والے، اس قدر سب کے لیے کافی ہے، بشرطیکہ ان کے عقل و ادراک کی توفیق حاصل ہو۔"

(کشف المحجوب: ۱۴۴)

پہلی صدی میں اہل بیتؓ کے ساتھ جو کچھ ہوا، اسے اہل نظر کس نظر سے دیکھتے تھے، حضرت داتا گنج بخشؒ کی تحریر میں اس کی خبر ملتی ہے:

"خداوند عزوجل نے ہمیں ایسے دور میں پیدا کیا ہے جس میں لوگ ہوا و ہوس کو شریعت کہتے ہیں
طلبِ جاہ، طلبِ حکومت اور تکبر کو عزت اور علم جانتے ہیں، خلق خدا سے ریا کاری کو خوف خدا گردانتے ہیں
کینہ پروری کو حلم و بردباری، لڑائی کو مناظرہ، حماقت کو عظمت، منافقت کو زہد، ہوس کو سلوک، ہذیانِ طبع کو معرفت، دل کی دھڑکن اور نفس کی تاویلات کو حجت، الحاد کو فقر، جحود و انکار کو تزکیہ، زندقہ و بے دینی کو فنا، ترک شریعت کو طریقت اور فتنہ پردازی کو معاملت سمجھتے ہیں،
یہاں تک کہ اربابِ حقیقت مغلوب ہو کر رہ گئے اور اہل باطل ہر طرف چھا گئے، جس طرح پہلے دور میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیتؓ پر آل مروان غلبہ پا گئے تھے"۔ (کشف المحجوب: ۵۴)

ہر زمانے میں قطب اہل بیتؓ سے ہوتا ہے

علامہ سید محمود آلوسی بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیتؓ کو آیۂ تطہیر سے سرفراز کیا ہے، اس آیت میں "اذھاب رجس" کا حاصل اخلاق سیئہ سے تخلیہ ہے اور "تطھیر" کا حاصل اخلاق حسنہ سے تحلیہ ہے۔
اہل سلوک، جانتے ہیں کہ تخلیہ اور تحلیہ ہی دو ایسے پر ہیں جن کی مدد سے حظیرۃ القدس کی جانب پرواز ہو سکتی ہے اور محبت وانس کے گھونسلوں میں وقوف نصیب ہو سکتا ہے،
چونکہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اہل بیتؓ کو یہ پر عطا فرمائے ہیں، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ عبادت ظاہرہ میں شرکت کے باوجود اہل بیتؓ کے عابدین دوسرے عبادت گزاروں کی نسبت حسن اخلاق اور تزکیہ و تصفیہ میں بلند مقام رکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ تمام سلاسل طریقت انہی پر منتہی ہوتے ہیں، حتیٰ کہ اولیاء کرام

کے ایک گروہ کی تو رائے یہ ہے کہ ہر زمانے میں قطب انہی میں سے ہوتا ہے۔
میں نے امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات میں دیکھا ہے کہ ''مقام قطبیت بطور اصالت صرف مشہور ائمہ اہل بیتؓ کو حاصل تھا، ان کے بعد دوسروں کو بطور نیابت حاصل ہوا، یہاں تک کہ السید الشیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا دور آیا تو انہیں یہ مرتبہ بطور اصالت حاصل ہوا، پھر ان کے انتقال کے بعد جسے بھی یہ مرتبہ ملا، بطور نیابت ملا، پھر جب مہدیؓ آئیں گے تو بطور اصالت مرتبۂ قطبیت پائیں گے، جیسا کہ دوسرے ائمہؓ نے پایا''
''ظاہر ہے کہ یہ معرفت کشف کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتی ہے اور مجھے یہ شرف کہاں حاصل! البتہ میرا خیال یہ ہے کہ قطب تو دوسروں میں بھی ہو سکتا ہے، لیکن قطب الاقطاب صرف اہل بیتؓ میں ہوتا ہے۔'' (روح المعانی: ۲۲/۲۰، ۱۹ بہ اختصار)

اہل بیتؓ کے بارے میں علامہ آلوسیؒ کا مسلک

سورۂ دہر حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ کے بارے میں نازل ہوئی یا نہیں؟
علامہ محمود آلوسیؒ اس پر بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں:
ترجمہ: ''اگر یہ سورت ان حضرات کے بارے میں نازل نہ بھی ہوئی ہو تو بھی ان کے مقام و مرتبہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لیے کہ ان کا طبقۂ ابرار میں شمول نہ صرف امر جلی ہے بلکہ اولیٰ ہے، سو یہ یہ ہی ہیں،
ان کے بارے میں ایک شخص اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہے کہ علیؓ مومنین کے مولا اور نبی ﷺ کے وصی ہیں، فاطمہ جگر گوشۂ احمدی اور جز محمدی ہیں،
رہے حسنؓ و حسینؓ! تو گلشن نبوت کی بہار اور جوانان جنت کے سردار ہیں۔
اور اس بات میں رفض کا کوئی شائبہ نہیں، بلکہ اس کے سوا جو کچھ کہا جائے، میرے

نزدیک وہ گمراہی ہے:

انا عبد الحق لا عبد الھوی

لعن اللہ الھوی فیمن لعن

میں بندۂ حق ہوں، بندۂ ہویٰ نہیں، ملعونوں کے ساتھ اہل ہویٰ پر اللہ کی لعنت ہو"

نکتہ لطیفہ

سورۂ دھر اس جنتی جوڑے کے بارے میں نازل ہونے کا قول مانا جائے تو اس میں ایک لطیف علمی نکتہ ہے:

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے نہایت دلکش انداز میں ابرار کے لیے جنت کی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے اور جنتی مناظر کی حسین تصویر کشی کی ہے، لیکن ان نعمتوں میں حورعین کا ذکر نہیں، حالانکہ دوسری سورتوں میں یہ تذکرہ موجود ہے!

وجہ یہ ہے کہ یہ سورت علیؓ و فاطمہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس میں سیدہ فاطمہؓ کی نسوانی غیرت کا لحاظ رکھتے ہوئے حور کا ذکر نہیں فرمایا کہ بتولؓ کے دل کو ٹھیس نہ پہنچے!" (روح المعانی: ۲۹/۱۸۱)

جب خود خدا خاتونِ جنت کی اتنی دلداری فرمائے تو رسول خدا فاطمہؓ کے ہوتے ہوئے علیؓ کو دوسرے نکاح سے روکیں تو اس پر تعجب کیوں ہو!

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ائمہ اہل بیتؓ ہر دور میں اہل علم وایمان کا مرجع رہے

ابن حجر مکیؒ "تاریخ نیشاپور" سے نقل فرماتے ہیں:

ترجمہ: "امام علی رضاؒ نیشاپور تشریف لائے اور بازار میں داخل ہوئے تو حافظ ابوزرعہ رازی اور حافظ محمد بن اسلم طوسی بے شمار طلبۂ علم وحدیث کے ساتھ خدمت والا میں حاضر ہوئے۔ آپؒ بند پالکی میں تشریف فرما تھے۔ حافظ رازی اور حافظ طوسی دونوں نے نہایت عاجزی سے درخواست کی کہ حاضرین کو درشن دیجیے اور اپنے آبائی سلسلے سے کوئی حدیث روایت کیجئے!

آپؒ نے سواری ٹھہرانے اور خدام کو پردہ اٹھانے کا حکم دیا، خلق خدا نے آپؒ کے روئے مبارک کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کیں، آپؒ کے دو گیسو تھے، جو کندھوں پر لٹک رہے تھے، وارفتگی کی کیفیت یہ تھی کہ لوگوں کی آہیں تھمتی نہ تھیں، نالہ وبکا رکتا نہ تھا، کچھ لوگ مٹی میں لوٹ پوٹ ہو رہے تھے اور کچھ بے خودی میں سواری کے پاؤں چوم رہے تھے۔

(گویا بقول شاعر:

پڑے ہیں ترے کوچے میں لاکھوں
مجروح، مقتول، مذبوح، بسمل

آٹھویں پشت میں حسن نبوی کی جھلک کا یہ اثر تھا، تصور کیجیے خود حسن نبوی کا کیا حال ہوگا!)

علماء پکار رہے تھے: لوگو! چپ ہو جاؤ!

جب خاموشی چھا گئی تو حافظ رازی اور حافظ طوسی نے املاے حدیث کی استدعا کی۔

اس پر آپؒ یوں محو روایت ہوئے:

"مجھے حدیث بیان کی میرے ابا موسیٰ کاظم نے
اپنے ابا جعفر صادق سے

انہوں نے اپنے ابا محمد باقر سے

انہوں نے اپنے ابا زین العابدین سے

انہوں نے اپنے ابا حسین سے

انہوں نے اپنے ابا علی بن ابی طالب سے

انہوں نے فرمایا: مجھے بیان فرمایا میرے حبیب اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک رسول اللہ ﷺ نے

کہ مجھے جبریل نے بیان کیا

کہ میں نے ربّ العزت کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے، جس نے یہ کلمہ پڑھا وہ میرے قلعے میں داخل ہو گیا اور جو میرے قلعے میں داخل ہو گیا، وہ میرے عذاب سے بچ گیا''

بس آپؓ نے یہ حدیث روایت کی، پردہ گرانے کا حکم دیا اور روانہ ہو گئے۔ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد اُن لوگوں کو شمار کیا گیا، جو باقاعدہ قلم دوات لائے اور لکھ رہے تھے، تو تقریباً بیس ہزار تھے۔ (یعنی باقی لوگ ان کے علاوہ تھے۔)''

(الصواعق: ۲۰۵)

یہ واقعہ شہادت دے رہا ہے کہ ہر دور میں علماء و عوام کے دلوں پر حکومت ائمہٴ اہل بیتؓ کی رہی، ظالم و جابر حکمران عوام کی گردنوں پر تو مسلط ہوتے رہے، جبر اور خوف سے اُن کی زبانیں تو خاموش رہیں، لیکن اُن کا قلبی تعلق برابر اہل بیتؓ سے رہا، جس کا اظہار وقتاً فوقتاً وہ اپنے عمل سے کرتے رہے۔

پھر دیکھیے امام علی رضاؓ نے حدیث روایت کی تو کونسی؟

لا الہ الا اللہ کی اہمیت اور فضیلت کی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ پشت در پشت اہل بیتؓ کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا، پھر وہ ملوکیت کے سامنے کیسے سر جھکاتے! آمریت سے کیسے سمجھوتہ کرتے!

اور غور کیجئے تو ظاہر ہوگا کہ کلمہ گو مسلمانوں کی اہل بیتؓ سے محبت وعقیدت اسی کلمے کی وجہ سے تھی، کیونکہ یہ حضرات اپنے علم وعمل سے اس کلمے کے علمبردار تھے۔

حق تعالیٰ نے سچ فرمایا: "ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات سیجعل لھم الرحمٰن ودّاً" (مریم:۹۶)

(ترجمہ) "یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کرتے رہے، عنقریب رحمان ان کے لیے دلوں میں مودت پیدا فرمائے گا۔"

اس آیت کو آیت مودّت کے ساتھ ملا کر پڑھیے تو یہ خوبصورت حقیقت سامنے آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے اہل بیتؓ کی مودت چاہی، اللہ تعالیٰ نے مودت ایمان اور عمل صالح کی جزا قرار دی، پھر ہر دور میں خواص وعوام نے اہل بیتؓ سے والہانہ مودت کا برتاؤ رکھا تو گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکوینی طور پر قرآن کی تفسیر کر دی گئی کہ اہل بیتؓ ہمارے یہاں ایمان وعمل صالح کا کامل نمونہ ہیں اور ہم نے اپنے حبیب ﷺ کی مراد پوری کر دی!

نیز اس واقعہ سے مسلمانوں میں علم حدیث حاصل کرنے کا ذوق وشوق بھی ظاہر ہوتا ہے۔

اسماء اہل بیتؓ کی برکت سے جنون دور ہو جاتا ہے

امام احمد بن حنبلؒ نے مذکورہ بالا سند کے بارے میں فرمایا:

"اگر یہ سند مجنون پر پڑھی جائے تو اس کا جنون دور ہو جائے گا"۔

(الصواعق:۲۰۵)

سوچنے کی بات ہے کہ جن مبارک ہستیوں کے اسماء سے جنون کافور ہو جائے، کیا وہ خود مجنون تھے؟

امام اہل سنت احمدؒ بن حنبل، جن کی محبت سنی ہونے کی علامت قرار دی گئی ہے، وہ اس سند کو جنون کا علاج تجویز کریں اور آج کا نام نہاد سنی انہی نفوس قدسیہ کو مجنون سمجھے!

انا للہ وانا الیہ راجعون

حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کو عجلت پسند، ناعاقبت اندیش اور جنونی کہنے والے دراصل خود مجنون ہیں۔

غضب یہ ہے کہ ان ائمہ ھدیٰؒ کے تذکرے کو بھی ناجائز کہا جاتا ہے اور بیانِ مناقب کو غیر ضروری قرار دیا جاتا ہے۔

ایک بزرگ اہل علم نے چاہا کہ یزیدیوں نے ائمہ اہل بیتؓ کے بارے میں جو شبہات اور وساوس پھیلا رکھے ہیں، ان کے ازالے کے لیے ایسا رسالہ لکھا جائے، جو اہل بیتؓ کے فضائل اور ائمہ اہل بیتؓ کے تذکرے پر مشتمل ہو۔ انہوں نے مشورے کے لیے عصر حاضر کے ایک نامور عالم، جنہیں امام اہلسنت بھی کہا جاتا ہے، کو خط لکھا۔

انہوں نے جواب میں لکھا:

''علماء عوام کے لیے اطباؔ کی مانند ہیں، اطبا پر فرض ہے کہ مریضوں کے حال کے مناسب علاج تجویز کریں۔

ٹی، بی اور کینسر کے مریضوں کے سامنے گھی دودھ کی فضیلت چہ معنیٰ؟ میرے خیال میں فضائل اہل بیت کی عوام کو قطعاً ضرورت نہیں......''

ائمہ اہل بیت کے تذکرے کو ''میں مفاسد کثیرہ قبیحہ بدیہہ کی وجہ سے ناجائز سمجھتا ہوں، بعض بزرگوں کے اس حکم سے بہت افسوس ہوا''۔

اندازہ کیجیے کہ قرونِ خیر کے امام اہلسنتؒ ان ائمہ اہل بیتؓ کے محض اسماء کو باعث شفا قرار دیں اور ہمارے دور کے امامِ اہل سنت تذکرے کو بھی ناجائز سمجھیں!

سوچیے ہم کہاں تھے اور کہاں آ پہنچے ہیں!

فالی اللہ المشتکی۔

یزیدی سلوک پر مسیحیوں کا دل فگار طعنہ

''امام حسینؓ کا سر مبارک جب یزید کے پاس لایا گیا تو سبط ابن جوزیؒ کی تحقیق کے مطابق عمومی مجلس میں تو اس نے اظہار افسوس کیا اور ابن زیاد کو برا کہا، لیکن خصوصی مجلس میں سر اقدس پر چھڑی مار مار کر اپنے کینے کی آگ ٹھنڈی کی اور اس کارنامے پر ابن زیاد کی انتہائی عزت افزائی کی اور اس سے اتنی اپنائیت کا اظہار کیا کہ اسے اپنے گھر خواتین کے پاس لے گیا۔

اتفاق سے اُن دنوں قیصر کا نمائندہ وہاں موجود تھا، اس نے سر اقدس کے ساتھ یزید کا یہ سلوک دیکھا تو تعجب سے کہا: ''ہمارے پاس خر عیسیٰ کا ایک کُھر (Hoof) ہے جسے ہم نے ایک جزیرے میں ایک گرجا گھر میں حفاظت سے رکھا ہوا ہے، ہم ہر سال دور دور سے اس کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے ہیں، اس کے لیے نذریں مانتے ہیں اور اس کی یوں تعظیم کرتے ہیں جیسے تم اپنے کعبہ کی تعظیم کرتے ہو، لیکن (اپنے نبیؐ کے بیٹے سے تمہارا سلوک دیکھ کر) میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ تم باطل پر ہو''۔ (معاذ اللہ)

وہاں موجود ایک اور ذمی نے کہا:

''میرے اور داؤدؑ کے درمیان ستر پشتیں ہیں، اس کے باوجود یہود میری تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور تم نے اپنے نبی کا بیٹا قتل کر ڈالا؟!'' (الصواعق:۱۹۹)

اب بھی اگر کوئی یزیدی فکر کو درست سمجھے اور اس کے سیاہ کارناموں کی وکالت کرے تو اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ

''ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم، وعلی ابصارھم غشاوۃ، ولھم عذاب عظیم'' (البقرہ:۷)

امام حسینؓ......ایک نورانی ستون

سانحۂ کربلا کے بعد "خولی بن یزید اصبحی امام حسینؓ کا سر لے کر قصر امارت گیا، لیکن دروازہ بند ہو چکا تھا، لاچار اپنے گھر آیا اور سر ایک ٹب (Tub) کے نیچے رکھ دیا، کمرے میں داخل ہوا اور اپنے بستر میں گھس گیا۔

اس کی بیوی نوّار بنت مالک نے پوچھا:

کیا خبر ہے؟ تمہارے پاس کیا ہے؟

بولا۔ تمہارے لیے زندگی بھر آسودگی کا سامان لایا ہوں، آج تمہارے پاس گھر میں حسین کا سر ہے!

بیوی پیٹ اٹھی: "کمبخت! لوگ سونا اور چاندی لائے اور تو رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کے بیٹے حسین کا سر لے آیا، نہیں واللہ تیرا اور میرا سر ایک کمرے میں کبھی جمع نہیں ہوں گے"

بیوی کہتی ہے: میں اپنے بستر سے اٹھی اور کمرے سے باہر نکل آئی، اس نے دوسری بیوی اسدیہ کو اپنے پاس بلا لیا اور میں بیٹھی (ادھر ادھر) دیکھنے لگی۔

واللہ میں نے دیکھا کہ آسمان سے اس ٹب تک مسلسل چمکتے نور کا ایک ستون سا بنا ہوا ہے اور میں نے دیکھا کہ کچھ سفید پرندے اس ٹب کے گرد پھڑ پھڑا رہے ہیں اور یہ منظر مسلسل تھا۔" (الحسنؓ والحسینؓ: ۱۲۵)

شہادت کے بعد امام حسینؓ کے سر مبارک پر نور آپؓ کے موقف کی غیبی تصدیق ہے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ مسئلہ خلافت میں ہدایت کے نورانی ستون امام حسینؓ ہیں۔

یہاں مجھے ایک واقعہ یاد آرہا ہے جس سے اس روایت کی تائید ہوتی ہے۔

طالب علمی کے باقاعدہ دور میں مجھے کچھ عرصہ ایک ولی اللہ کی خدمت کی

سعادت حاصل رہی۔ نقشبندی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے، امّی تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے علم وفہم سے بہرہ مند فرمایا ہوا تھا

ایک مرتبہ دوران گفتگو میں فرمایا:

''میں نے لاہور میں حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار مبارک پر مراقبہ کیا تو دیکھا 'بندھا ہوا' ایک نور ہے، جو آسمان سے سیدھا حضرت کے مزار پر پڑ رہا ہے۔''

قرن حاضر میں ایک سید کے مزار کا یہ حال ہے تو قرن اول میں سید السادات ؓ کا کیا حال ہوگا!

حقیقت میں یہ اہل حق کے باطن کا نور ہے، جسے اللہ تعالیٰ کبھی ظاہر فرما دیتا ہے۔

عجیب بات ہے کہ مشاہدۂ حق کا منظر ایک جیسا ہے اوپر روایت میں جس حقیقت کو نورانی ستون سے تعبیر کیا گیا، امّی بزرگ نے اسی حقیقت کو اپنی سادہ زبان میں ''بندھے ہوئے نور'' یا ''نور کی لاٹ'' سے بیان فرمایا۔

معلوم ہوا کہ حقیقت ہر دور میں ایک ہی رہتی ہے، اگرچہ انداز بیان بدلتے رہتے ہیں!

امام حسینؓ کے سر مبارک پر نور صرف کوفہ ہی میں نہیں، دمشق کے راستے میں بھی رہا۔

اس کے لیے آئندہ روایت ملاحظہ فرمائیے!

سر مبارک کے احترام کا صلہ

''امام حسینؓ کا سر اقدس جب کوفہ سے دمشق لایا جا رہا تھا، راستے میں جہاں پڑاؤ ہوتا، پہرے دار سر اقدس کو ایک نیزے پر چڑھا دیتے اور پہرہ دیتے۔

ایک مقام پر کسی راہب نے یہ دیکھا تو پوچھا: یہ کس کا سر ہے؟

بتلایا گیا تو اُس نے کہا: تم بہت برے لوگ ہو، یوں کرو کہ دس ہزار دینار

لے لو اور آج رات یہ سر مجھے اپنے پاس رکھنے کی اجازت دے دو۔

انہوں نے کہا: ٹھیک ہے۔

راہب وہ سر گرجا گھر لے گیا، اُسے غسل دیا، خوشبو لگائی، اور آسمان کے رُخ پر اپنی گود میں رکھ لیا اور صبح تک بیٹھا روتا رہا، اس دوران میں اس نے دیکھا کہ سر مبارک سے ایک نور پھوٹا اور آسمان کی طرف بلند ہوا۔

یہ کرامت دیکھ کر اُس نے گرجا گھر اور اس کی سہولتیں چھوڑ دیں، مسلمان ہو گیا اور باقی زندگی اہل بیتؑ کی خدمت میں بسر کر دی"۔ (الصواعق:۱۹۹)

آنکھیں کھلی ہوں تو خواہ عیسائی ہو، نور نظر آ جاتا ہے، اور اندھا کیا دیکھے، خواہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو؟

راہب نے سر اقدس کا احترام کیا، اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت عطا فرمائی، اور جن لوگوں نے توہین کی، یقیناً وہ ایمان سے محروم ہوئے۔

دُنیا رہی نہ دین

"ان مذکورہ بالا پہرے داروں کے پاس بہت سے دینار تھے، جو انہوں نے حسینی لشکر سے لوٹے تھے، ایک پڑاؤ پر انہوں نے تقسیم کے لیے تھیلیاں کھولیں تو دیکھا کہ سب دینار ٹھیکریاں بن چکے ہیں اور ہر ٹھیکری پر ایک جانب لکھا ہے:

"ولا تحسبن اللہ غافلاً عمایعمل الظالمون" (ابراھیم:۴۲)

(ترجمہ) "تو ہرگز خیال نہ کر کہ اللہ ظالموں کے کرتوتوں سے غافل ہے"۔

اور دوسری جانب یہ نقش ہے:

"وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون" (الشعراء:۲۲۷)

(ترجمہ) "اور ظلم کرنے والوں کو عنقریب پتہ چل جائے گا کہ کس کروٹ الٹتے ہیں"۔ (الصواعق:۱۹۹)

شاہ ولی اللہؒ کے حکیمانہ علوم امام حسنؓ اور امام حسینؓ کا فیض ہیں

حضرت شاہ ولی اللہؒ (۱۱۱۴ھ۔۱۱۷۶ھ) کو برصغیر میں جس حکمت واستقامت کے ساتھ خدمت دین کی توفیق ہوئی، اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ کے بیان کردہ دینی اسرار وحِکَم دور جدید کے عقلیت پسند ذھن کے لیے وجہ تسلی ہیں، آپ کے سیاسی افکار آج بھی اسلامی انقلاب برپا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور آپ کے بعد آنے والے اسلامی زعماوحکما سبھی آپ کے خوشہ چین ہیں، اس لیے آپ بجاطور پر مسند الھند ہیں۔

آپ کو علم وحکمت کا یہ خزانہ کہاں سے حاصل ہوا؟

اس کا سراغ ''فیوض الحرمین'' سے ملتا ہے۔ ۱۱۴۳ھ میں آپ حرمین شریفین کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے اور تقریباً دو سال وہاں قیام پذیر رہے۔ اس دوران میں آپ کو جو روحانی مشاہدات ہوئے، انہیں آپ نے ''فیوض الحرمین'' کے نام سے قلمبند کیا ہے۔ اس میں چھٹا مشاہدہ یہ بیان فرمایا ہے:

''۱۱۴۴ھ ماہ صفر کی دسویں تاریخ کو میں نے مکہ معظمہ میں خواب میں دیکھا کہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما میرے گھر تشریف لائے ہیں، حضرت حسنؓ کے ہاتھ میں ایک قلم ہے، جس کی نوک ٹوٹی ہوئی ہے، انہوں نے میری طرف ہاتھ بڑھایا تاکہ یہ قلم مجھے عطا کریں، اس کے ساتھ فرمایا یہ میرے نانا رسول اللہ ﷺ کا قلم ہے، اس کے بعد انہوں نے قدرے توقف کیا اور فرمانے لگے کہ ذرا ٹھہر جاؤ تاکہ حسین اس قلم کو ٹھیک کردیں، کیونکہ اب یہ قلم ویسا نہیں رہا، جیسا کہ پہلے تھا، چنانچہ حضرت حسینؓ نے ان سے یہ قلم لیا اور اسے ٹھیک کر کے مجھے عطا فرمایا، مجھے اس سے بے حد خوشی ہوئی۔

اس کے بعد ایک چادر لائی گئی، جس میں سبز اور سفید رنگ کی دھاریاں تھیں، یہ چادر حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے سامنے رکھی گئی، حضرت حسینؓ نے یہ چادر اٹھائی اور فرمایا کہ یہ چادر میرے نانا رسول اللہ ﷺ کی ہے، اس کے بعد انہوں نے یہ چادر مجھے اوڑھائی، میں نے تعظیم واحترام کے خیال سے اوڑھنے کے

بجائے اسے اپنے سر پر رکھ لیا اور اس نعمت کے شکر میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے لگا، اس کے بعد یکبارگی میری آنکھ کھل گئی۔'' (فیوض الحرمین: ۱۱۴)

اس خواب میں قلم نبوی علم و حکمت سے عبارت ہے، جو امام حسنؓ نے آپؒ کو دینے کا فیصلہ کیا۔

شاہ ولی اللہؒ کے دور میں نفس پرستوں نے دینی علوم کو دنیا طلبی کا ذریعہ بنا رکھا تھا، اس لیے قلم کی نوک ٹوٹی ہوئی نظر آئی۔

پھر امام حسینؓ نے قط لگا کر یہ قلم آپؒ کو عطا فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ شاہ ولی اللہؒ کی اصلاحی اور تجدیدی شان دراصل امام حسینؓ کا فیض ہے۔

نیز اس مشاہدے میں یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ امام حسنؓ نے قلم کی اصلاح خود نہیں فرمائی، بلکہ اصلاح کے لیے امام حسینؓ کو دیا، اس سے معلوم ہوا کہ امام حسینؓ کی شخصیت پر اصلاحی اور تجدیدی رنگ غالب تھا، چنانچہ آپؓ کی حیات مقدسہ اس کی شہادت دیتی ہے۔

چادر مبارک عبارت ہے سایۂ رحمت و شفقت سے، گویا شاہ ولیؒ اللہ کو سرور دو عالم ﷺ کا سایۂ رحمت حاصل ہوا اور امام حسینؓ کے ذریعے حاصل ہوا۔

پھر امام حسینؓ نے تو چادر آپ کو اوڑھائی، لیکن آپ نے از راہ تعظیم اسے لپیٹ کر سر پر رکھ لیا، گویا آپ نے اپنے آپ کو امام حسینؓ کی سرپرستی میں دے دیا۔

اس روحانی مشاہدے سے یہ واضح ہو گیا کہ شاہ ولی اللہؒ کے حکیمانہ علوم اور انقلابی افکار امام حسینؓ کا فیض ہیں۔

طرفہ تماشا ہے کہ آج کا نام نہاد انقلابی شاہ ولی اللہؒ کے تو گن گاتا ہے لیکن امام حسینؓ کی انقلابی اور اجتہادی مساعی کا انکار کرتا ہے! غالباً یہی وجہ ہے کہ اسلامی انقلاب کی کوششیں بار آور نہیں ہو رہیں۔

اسلامی نظام اور خلافت راشدہ کی منزل پانے کے لیے حسینؓ کی امامت و قیادت کو تسلیم کرنا پڑے گا، وگرنہ یونہی حیران و سرگرداں گھومتے رہیں گے۔

سید احمد شہیدؒ کی ولایت و عزیمت بھی اُنہی کا عطیہ ہے

امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہیدؒ (۱۲۰۱ھ......۱۲۴۶ھ) اپنی صدی کے مجدد اور عزم و عزیمت کے نشان تھے، لاکھوں انسانوں کو آپؒ سے ہدایت ملی اور سرزمین ہند آپؒ کے ولولۂ جہاد سے گونج اٹھی۔

آپؒ کو ولایت و عزیمت کا یہ مقام کہاں سے حاصل ہوا؟

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ یہ راز کھولتے ہیں:

''ایک دن جناب ولایت مآب علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ اور جناب سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خواب میں دیکھا۔ پس جناب علی مرتضیٰؓ نے آپ کو اپنے دست مبارک سے غسل دیا اور آپ کے بدن کو خوب اچھی طرح سے مل مل کر دھویا، جس طرح والدین اپنے بچوں کو نہلاتے دھلاتے ہیں، پھر جناب حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے ایک نہایت نفیس لباس اپنے دست مبارک سے آپ کو پہنایا۔

پس اس واقعہ کے سبب سے کمالاتِ طریق نبوت نہایت جلوہ گر ہوئے اور مقبولیت ازلی جو کہ ازل الآزال میں مخفی تھی، منصۂ ظہور پر آ گئی......''

(خاتمہ صراط مستقیم)

آپؒ کے حال پر اہل بیتؓ کی یہ شفقت وعنایت مسلسل رہی:

''سفر حج میں مدینہ منورہ پہنچنے سے دو رات پہلے آپ کی طبیعت سخت ناساز تھی، بخار اور دردِ سر کی شدت تھی، رات کو آپ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ حضرت علی، حضرت فاطمہ، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم تشریف لائے ہیں، اور ہر ایک نے آپ کے سینے پر ہاتھ رکھا، تشفی اور تسلی اور مختلف بشارتیں دیں''۔

(تاریخ دعوت و عزیمت: ۶/۲/۴۷)

تمام سلاسلِ طریقت ائمہ اہل بیتؓ کا فیض ہیں

پوری دنیا میں تصوف کے چار سلسلے زیادہ پائے جاتے ہیں:

چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ،

ان سلاسل سے وابستہ اولیاؒ نے ہر دور میں اسلام کی حفاظت واشاعت کے لیے عظیم خدمات انجام دیں، آج بھی اہل اسلام اپنی روحانی اصلاح کے لیے انہی سلسلوں سے منسلک ہوتے ہیں۔

ان روحانی نہروں کا منبع کیا ہے؟

شاہ ولی اللہ ''فیوض الحرمین'' ص:۱۹۹ پر اپنا بتیسواں مشاہدہ بیان فرماتے ہیں:

''میں نے ائمہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم کی قبور کی طرف توجہ کی تو میں نے اُن کا ایک خاص طریقہ دیکھا، اور اُن کا یہی طریقہ اولیا کے طریقوں کی اصل اور بنیاد ہے...... ائمہ اہل بیتؓ کا طریقہ نسبت ''یادداشت'' کی طرف التفات سے عبارت ہے......''

اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے، جو دقیق ہے۔ البتہ دوسرے مقام پر نسبت یادداشت کی یہ وضاحت مذکور ہے: ''یادداشت عبارت ہے ذات واجب الوجود کی طرف خالص توجہ کرنے سے، ایسی توجہ جو الفاظ اور تخیلات سے مجرد ہو۔'' (فیوض الحرمین: ص ۸۱)

مسئلہ تفضیل کا حکیمانہ حل

مسئلہ تفضیل شروع ہی سے علماء وصوفیا کے درمیان زیر بحث چلا آ رہا ہے، امام شاہ ولی اللہؒ فیوض الحرمین میں اپنے بائیسویں مشاہدے میں اس کا حکیمانہ حل پیش فرماتے ہیں:

''حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کس اعتبار سے افضل ہیں؟ باوجود اس کے کہ حضرت علیؓ اس امت کے پہلے صوفی، پہلے مجذوب اور پہلے عارف ہیں، یہ کمالات سوائے ان کی ذات کے، اور کسی میں نہیں ہیں، اور اگر تھوڑے سے کسی میں ہیں بھی تو وہ محض نبی ﷺ کے طفیلی کی حیثیت سے۔ میں نے یہ سوال رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا تو مجھے بتایا گیا کہ آپؑ کے نزدیک فضیلت کلیّ کا مدار امورِ نبوت پر ہے، جیسے علم کی اشاعت، لوگوں سے دین کی اطاعت اور اسی طرح کے اور امور جو نبوت سے تعلق رکھتے ہیں...... اور وہ فضیلت جس کا مرجع ولایت یعنی جذب اور فنا ہے، تو یہ ایک جزئی فضیلت ہے، اور ایک اعتبار سے یہ فضیلت کم درجے کی بھی ہے۔

اس ضمن میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا تو حال یہ تھا کہ وہ سرتاپا امور نبوت کے لیے وقف ہو گئے تھے۔

اور میں نے ان دونوں کو اپنے مشاہدۂ باطنی میں یوں دیکھا کہ فوارے کی طرح ان سے پانی اُبل رہا ہے۔

الغرض خدا تعالیٰ کی وہ عنایت جس کا مرکز و موضوع رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس تھی، وہ بعینہ ان دونوں بزرگوں کے وجود گرامی میں صورت پذیر ہوئی۔

یہ دونوں کے دونوں اپنے اس کمال کی وجہ سے بمنزلہ اُس عرض کے ہیں، جس کا جوہر کے بغیر قیام ممکن نہیں ہوتا، اور جوہر کے لیے اُس کا ہونا وجہ تکمیل ہوتا

ہے...... اور اسی وجہ سے یہ دونوں بزرگ رسول اللہ ﷺ کے جوار میں مدفون ہیں...... گو حضرت علیؓ نسب کے اعتبار سے نیز اپنی جبلت اور محبوب فطرت کے لحاظ سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے زیادہ آپؐ سے قریب تھے، اور ''جذب'' میں بھی قوی تر اور ''معرفت'' میں بھی بلند تر تھے، لیکن اس کے باوجود نبی ﷺ اپنے منصب نبوت کے کمال کے پیش نظر حضرت علیؓ سے زیادہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرف مائل تھے۔

اسی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ علما جو معارف نبوت کے حامل ہیں، وہ شروع سے حضرت علیؓ پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو فضیلت دیتے چلے آئے ہیں، اور وہ علماء جو معارف ولایت کے حامل ہیں، وہ حضرت علیؓ کو افضل مانتے رہے ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ بہت سے روز مرّہ کے واقعات بظاہر معمولی ہوتے ہیں، لیکن ان واقعات کی ایک معنوی اساس ہوتی ہے، ان میں سے ایک حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا رسول اللہ ﷺ کے پاس دفن ہونے کا واقعہ ہے (کہ اس سے شیخینؓ کی فضیلت کلی کا اشارہ ملتا ہے) (فیوض الحرمین: ۱۷۱، ۱۷۲)

اسی حقیقت کو حضرت سید غوث علی شاہ قلندر پانی پتیؒ (۱۲۱۹ھ...... ۱۲۹۷ھ) نے یوں بیان فرمایا ہے:

''حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو لوگوں نے چین نہیں لینے دیا، اگر حضرت کے زمانے میں گڑبڑ نہ ہوتی تو لوگوں کے سینے معرفت سے پھاڑ دیتے۔

ایک شخص مکان کا قبالہ (بیع نامہ) لکھوانے آیا تو آپؒ نے یوں تحریر فرمایا:

''هذا ما اشترىٰ ميت من ميت داراً في بلدة المذنبين و سكنة الغافلين، الحد الاول منها ينتهي الى الموت والثاني الى القبر والثالث الى الحساب والرابع إمّا الى الجنة وامّا الى النار''

(ترجمہ: یہ ایک گھر ہے جو گناہ گاروں کے شہر اور غافلوں کی رہائش گاہوں کے اندر ایک مردے نے دوسرے مردے سے خریدا ہے، اس کی پہلی حد موت تک پہنچتی ہے، دوسری قبر تک، تیسری حساب تک اور چوتھی حد جنت تک یا جہنم تک'')

بھلا جب یہ سوچ ہو تو سلطنت کا کام کیسے چلے!

اور سلطنت کے لیے رعب وسطوت بھی امر ضروری ہے، آپؓ کے دل میں تو شان رحم غالب تھی، اسی وجہ سے سلطنت میں فتور پڑا، جب جانتے کہ امیر معاویہؓ حضرت عمرؓ کے زمانے میں سرتابی کرتے۔ ایک بار حضرت عمرؓ نے تکلف وتزئین کی باز پرس کے لیے ان کو طلب کیا تھا، خوف کے مارے تھرا گئے، جسم کانپنے لگا، عذر ومعذرت کر کے جان بچائی، ورنہ بیخ وبن تک اکھاڑ ڈالتے۔ اور حضرت علیؓ مرتضیٰؓ کی یہ کیفیت تھی کہ جب امیر معاویہؓ نے جنگ کی اور کنارۂ دریا پر قبضہ کیا تو آپؓ کے لشکریوں کا پانی بند کر دیا، لشکر والوں نے حملہ کیا اور اُس مقام سے غنیم کو ہٹا دیا، آپؓ نے اہل لشکر سے ارشاد فرمایا: ''جیسے تم پر پانی بند کیا گیا تھا تم اُن پر پانی بند نہ کرنا، اِخوانُنا بغوا علینا لیسوا بکفرۃ ولا بفسقۃ'' (یہ ہمارے بھائی ہیں، انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے، نہ تو یہ کافر ہیں اور نہ ہی فاسق) (تذکرۂ غوثیہ: ۳۰۹)

امام حسینؓ نے بھی کربلا میں اسی عالی ہمتی اور جوانمردی کا ثبوت دیا تھا، سچ ہے: الولد سرٌ لابیہ۔

صحابہ کرامؓ اور اہل بیت عظامؓ کے بارے میں ہمارا عقیدہ

"التفہیمات الالھیہ" میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کا ایک وصیت نامہ مذکور ہے، اس میں پانچویں وصیت میں فرماتے ہیں:

"آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ کے حق میں نیک اعتقاد رکھنا چاہیے اور زبان پر ان کے مناقب کے سوا اور کوئی ذکر نہیں آنا چاہیے۔

اس مسئلے میں دو گروہوں نے غلطی کی ہے۔

ایک گروہ یہ گمان کرتا ہے کہ صحابہؓ کے سینے آپس میں صاف تھے اور ان کے درمیان جھگڑے نہیں ہوتے تھے۔

یہ سرتاپا وہم ہے، کیونکہ مشہور روایات ان کے باہمی جھگڑوں کی شہادت دیتی ہیں اور ان روایات کا انکار نہیں ہوسکتا۔

دوسرے گروہ نے جب دیکھا کہ یہ سب چیزیں صحابہؓ سے منسوب ہیں تو اُن کے خلاف انہوں نے زبانِ لعن وطعن کھولی اور اس طرح وہ ہلاکت کی وادی میں جاگرے۔

مجھ فقیر کے دل میں یہ بات ڈالی گئی ہے کہ اگرچہ آپؐ کے صحابہ معصوم نہیں تھے اور ہوسکتا ہے کہ ان میں سے بعض عوام صحابہؓ سے ایسی چیزیں صادر ہوئی ہوں کہ اگر ویسی چیزیں دوسروں سے صادر ہوتیں تو وہ جرح وطعن کے مستوجب بنتے، لیکن ہمیں ان کی لغزشوں کے بارے میں زبان روکنے کا حکم دیا گیا ہے اور اُن کی جرح وطعن سے عبادت کے طور پر منع کیا گیا ہے۔ اس میں ایک مصلحت ہے، اور وہ مصلحت یہ ہے کہ اگر صحابہؓ کی جرح وطعن کا دروازہ کھول دیا گیا تو آنحضرت ﷺ سے روایت کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا اور سلسلۂ روایت منقطع ہونے سے ملت کا شیرازہ درہم برہم ہو جائے گا...... مزید براں جیسے آپؐ کے صحابہؓ کے حق میں اچھا اعتقاد رکھنا چاہیے، اسی طرح آپؐ کے اہل بیتؓ کا عقیدت مند ہونا چاہیے اور ان میں سے جو صالح تھے، اُن کے اور زیادہ تعظیم کرنی چاہیے۔

''قد جعل اللہ لکل شیٔ قدراً'' (الطلاق:۳)

ترجمہ: ''بے شک اللہ نے ہر شے کی ایک قدر مقرر کی ہے''۔

(ارمغان شاہ ولی اللہؒ:۵۱۷)

بارہ امامؓ قطب تھے

اسی پانچویں وصیت میں شاہ ولی اللہؒ مزید فرماتے ہیں:

''اس فقیر کو معلوم ہوا ہے کہ بارہ امام رضی اللہ عنہم نسبتوں میں سے ایک نسبت کے قطب تھے، اور تصوف کا رواج ان کے زمانے کے ختم ہونے پر شروع ہوا۔

جہاں تک عقیدہ و شرع کا تعلق ہے تو وہ حدیث پیغمبر ﷺ کے سوا اور کسی چیز سے نہیں لیا جا سکتا، ان ائمہ کی قطبیت ایک باطنی امر ہے، تکلیف شرعی کا اس سے کوئی تعلق نہیں''۔ (ارمغان شاہ ولی اللہؒ:۵۱۸)

اور حضرت خواجہ گیسودرازؒ سیدنا علیؓ اور سیدنا حسینؓ کی استقامت اور اتباع شریعت کے تذکرے کے بعد فرماتے ہیں:

''یہ اوصاف اور اخلاق تھے حضرت علیؓ اور امام حسینؓ کے، بارہ کے بارہ امام اسی طرح کی سیرت اور اخلاق سے آراستہ تھے، نبی کا نور ان میں پیوست تھا، ان لوگوں کا باطن اسی نور نبی سے منور تھا، سبحان اللہ امام زین العابدینؒ کیسے سردار تھے، ہر طرح کے اوصاف و محامد سے مزین تھے اور سب سے بڑھ کر وہ فرزند حسین بن علیؓ تھے۔ امام جعفر صادقؒ کے کیا کہنے وہ ایک عظیم انسان تھے، اسرار الٰہی اور معانی قرآن کو انہوں نے کتنے عمدہ انداز سے پیش کیا ہے، ان کا سینہ علم کا سمندر تھا۔ وہ بجا طور پر علوم و معارف میں امیر المومنین علیؓ کے مشابہ اور ثانی تھے۔ ان لوگوں میں ایسی سروری تھی جس کے بیان سے زبان قاصر ہے''۔ (جوامع الکلم:۱۹۳)

امت میں اہل بیتؓ سفینہ نوحؑ کی مانند ہیں

عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر کوئی شخص ابوذرؓ سے زیادہ سچا اور بات کا پکا نہیں''۔

یہی سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ باب کعبہ پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے: جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے، جو نہیں پہچانتا، وہ پہچان لے میں ابو ذر ہوں، میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''آگاہ رہو! تمہارے اندر میرے اہل بیت کا مقام سفینہ نوحؑ کی مانند ہے، جو اس میں سوار ہو گیا، بچ گیا، جو پیچھے رہا، ہلاک ہوا۔''

(مشکوۃ المصابیح: مناقب اہل بیتؓ، مرقاۃ المفاتیح: ۳۹۹/۱۱)

گذشتہ اوراق میں آپ نے علماء وصلحاء کی اہل بیتؓ سے محبتوں اور عقیدتوں کے جو تذکرے پڑھے، یہ درحقیقت سفینہ نوحؑ پر سوار ہونے کی کوششیں ہیں۔

فتنوں کے موجودہ سیلاب میں اللہ تعالیٰ ہمیں بھی سفینہ نوحؑ میں پناہ عطا فرمائے۔

دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اپنے مشہور قصیدہ بہاریہ کے آخر میں اپنی عقیدت کا یوں اظہار کرتے ہیں:

بس اب درود پڑھ اُس پر اور اُس کی آل پہ تو
جو خوش ہو تجھ سے وہ اور اُس کی عترتِ اطہار
الٰہی اُس پر اور اُس کی تمام آل پہ بھیج
وہ رحمتیں کہ عدد کر نہ سکے اُن کو شمار

(قصائد قاسمی)

واقعۂ کربلا نبوی پیشگوئیوں کے آئینے میں

رسول اللہ ﷺ نے آئندہ رونما ہونے والے حالات کی خبریں دی ہیں، یہ پیشگوئیاں سراسر نصیحت اور شفقت ہیں، تاکہ اُن حالات میں امت جادۂ حق پر قائم رہ سکے۔

کتب تاریخ سے ہٹ کر، واقعۂ کربلا کا نبوی اخبار کے آئینے میں جائزہ لیں تو حق اور باطل نہایت واضح ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔ خیال رہے کہ دین میں ان پیشگوئیوں کی بڑی اہمیت ہے، اسی لیے محدثین نہایت اہتمام سے انہیں روایت کرتے ہیں:

شرارِ امت......خیارِ امت

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب میری امت متکبرانہ چال چلنے لگے گی اور بادشاہوں کے بیٹے، فارس اور روم کے بیٹے ان کی خدمت کرنے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ امت کے شریروں کو امت کے شریفوں پر مسلط کر دے گا''۔ (مشکوۃ عن الترمذی: باب تغیر الناس)

ملا علی قاریؒ اس روایت کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''یہ حدیث دلائل نبوت میں سے ہے، اس لیے کہ آپؐ نے جیسے خبر دی تھی، ویسے ہی ہوا، جب فارس اور روم فتح ہوئے، ان کے اموال اور اسباب جمال ہاتھ آئے اور ان کی اولاد کو قید کر کے خدمت گذار بنا لیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے پہلے قاتلین عثمانؓ کو اُن پر مسلط کر دیا، یہاں تک کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا، پھر بنی امیہ کو بنی ہاشم پر مسلط کر دیا، پھر انہوں نے جو کیا وہ سب کے سامنے ہے۔'' (مرقاۃ: ۱۰/۹۴)

اس حدیث سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ امت میں شرار کون تھے اور خیار کون؟

چند بیوقوف قریشی لڑکوں کے ہاتھوں میری امت ہلاک ہوگی

امام بخاریؒ کتاب الفتن میں درج بالا عنوان کے تحت اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ عمرو بن یحییٰ نے بیان کیا کہ مجھے میرے دادا نے بتلایا کہ ایک مرتبہ میں مدینہ میں مسجد نبوی میں ابو ہریرہؓ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، مروان بھی ہمارے ساتھ تھا، ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ میں نے صادق و مصدوق ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"هلكة امتي على ايدي غلمة من قريش"

"قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھوں میری امت ہلاک ہوگی"

اس پر مروان نے کہا: ان لڑکوں پر اللہ کی لعنت

ابو ہریرہؓ نے فرمایا: اگر میں چاہوں تو ان کا نام ونسب بھی بیان کر سکتا ہوں۔

پھر جب بنو مروان کو شام میں اقتدار ملا تو میں اپنے دادا کے ساتھ ان کے پاس جایا کرتا تھا، جب وہ انہیں دیکھتے کہ نوعمر لڑکے ہیں، تو ہمیں فرماتے: لگتا ہے کہ یہ لوگ اُنہی میں سے ہیں!

ہم کہتے: آپ زیادہ جانتے ہیں"۔ (صحیح بخاری: ۲/۱۰۴۶)

صحیح بخاری، صفحہ مذکورہ کے حاشیہ: ۳ میں کرمانی کے حوالے سے مذکور ہے کہ

"ان نوعمر لڑکوں میں پہلا یزید تھا، اُس پر نازل ہو جس کا وہ مستحق ہے"

ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ستر (۷۰) کے سرے سے اور بچوں کی اِمارت سے اللہ کی پناہ مانگا کرو"۔

(مشکوۃ مع مرقاۃ ۷/۲۲۸ عن احمد والبیہقی)

یہی وجہ تھی کہ سیدنا ابو ہریرہؓ یہ دعا کیا کرتے تھے: "اے اللہ! مجھے ساٹھ کا سال اور بچوں کی اِمارت کا زمانہ نہ آنے پائے" (فتح الباری ۱/۱۱۵)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ بچگانہ مزاج یزید کے

برسر اقتدار آنے سے ایک سال پہلے ۵۹ھ میں وفات پا گئے۔

حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے:

''رب کعبہ کی قسم مجھے معلوم ہے کہ عرب کب ہلاک ہوں گے، جب ان کی قیادت وہ شخص کرے گا جس نے جاہلیت کا زمانہ نہیں دیکھا اور اسلام میں بھی اس کو رسوخ اور پختگی حاصل نہیں ہے''۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۳۲/۸)

حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد بھی درحقیقت درج بالا حدیث کی روشنی ہی میں تھا۔ یزید اور اس کے ہم مزاج مروانی بادشاہوں کے عہد میں اہل حق پر مصائب آئے، امت فتنہ وفساد میں مبتلا ہوئی، ظلم وجور کا بازار گرم ہوا، چنانچہ یہ لوگ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ان پیشگوئیوں کا مصداق قرار پاتے ہیں۔

میرے اہل بیت کو ستایا جائے گا

عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ ''ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ بنی ہاشم کے چند نوجوان آگئے، جب نبی ﷺ نے انہیں دیکھا تو آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور آپ کا رنگ بدل گیا۔

میں نے عرض کیا: ہم آپ کے چہرے پر مسلسل ناگوار آثار دیکھ رہے ہیں!

فرمایا: ہم اہل بیت کے لیے اللہ نے دنیا کے مقابلے میں آخرت پسند فرمائی ہے، میرے اہل بیت میرے بعد جلد ہی دیکھیں گے کہ انہیں ستایا جائے گا، جلاوطن کیا جائے گا اور دھتکارا جائے گا............'' (سنن ابن ماجہ: ۲۹۹)

چنانچہ ایسے ہی ہوا، اور جن لوگوں نے اہل بیت کو دُکھ پہنچا کر رسول اللہ ﷺ کو رُلایا، ابدی رونا اُن کا مقدر قرار پایا۔

تم پر ابتلا آئے گا

حضرت حذیفہؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جن جن لوگوں نے اسلام کا اقرار کیا ہے، انہیں گن کر مجھے بتلاؤ، ہم نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! کیا آپ کو ہم پر کوئی اندیشہ ہے، جبکہ ہماری تعداد چھ سو سے سات سو کے درمیان ہے''
اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم نہیں جانتے، ہوسکتا ہے کہ تم پر ابتلا آئے''
حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں: چنانچہ ہم پر ابتلا آیا، یہاں تک کہ ایک شخص صرف چھپ کر ہی نماز پڑھ سکتا تھا۔'' (سنن ابن ماجہ:۲۹۱)

پہلی مرتبہ یہ ابتلا حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ہنگامے میں ہوا، جبکہ اہل حق کے لیے نماز پڑھنا دشوار ہو گیا۔

پھر فتنہ حرہ میں بھی یہی صورت پیش آئی۔

قبر مبارک سے اذان کی آواز

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ ''فتنہ یزید کے ایام میں مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں سعید ابن المسیبؒ کے سوا کوئی نہ بچا تھا، اور انہیں بھی انہوں نے ایک دیوانہ بوڑھا سمجھ کر چھوڑ دیا تھا (آپ نابینا بھی ہو چکے تھے) ان تین دنوں میں سعیدؒ نماز کے وقت قبر انور سے اذان کی آواز سنا کرتے تھے''۔ (مرقاۃ:۱۰/۱۰۱، الامامۃ والسیاسۃ:۱/۲۱۴)

اور دارمی کی روایت میں ہے کہ آپ نماز کے وقت ضریح انور سے بینے کی گھٹی گھٹی سی آواز سنا کرتے تھے، اس سے پتا چل جاتا تھا کہ نماز کا وقت ہو چکا ہے۔
(چنانچہ آپ اذان دے کر نماز پڑھ لیتے تھے)

نبی اکرم ﷺ تو اپنی زندگی کی طرح قبر مبارک میں بھی نماز کے لیے متفکر اور بے چین ہوں، لیکن کچھ لوگ آ کر آپ کی مبارک مسجد میں نظام عبادت تک کو معطل کر دیں، کیا ایسے لوگ اہل حق ہو سکتے ہیں؟

وہ حدیث ذہن میں رہے کہ مؤمن اور کافر کے درمیان فرق نماز سے ہوتا ہے!

ملا علی قاریؒ قبرانور سے تلقین کی تائید میں واقعہ نقل کرتے ہیں۔

''مشاہدے میں آیا ہے کہ بہت سے لوگ، بچے بھی اور بڑے بھی، سونے کی حالت میں تلاوت کرتے ہیں۔

ایک عجیب حکایت

اس سے بھی عجیب تر وہ حکایت ہے جو ایک مرید نے بیان کی کہ وہ اور اُس کے شیخ سحر کے وقت دس دس آیات ایک دوسرے کو سنایا کرتے تھے، شیخ کا انتقال ہو گیا، مرید حسب عادت بوقت سحر قبر کے قریب بیٹھ گیا اور اپنی منزل پڑھنے لگا، دس آیات پوری ہوئیں تو قبر سے شیخ کی آواز سنائی دی، انہوں نے حسب معمول دس آیات پڑھیں اور چپ ہو گئے، دور کا یہ قصہ اسی طرح چلتا رہا، مرید نے کہیں یہ قضیہ اپنے دوست سے بیان کر دیا تو حجاب واقع ہو گیا اور پھر آواز سنائی نہ دی''۔(مرقاۃ: ۱۰/۱۰۱)

خلافت کے بعد ملوکیت آئے گی

(۱) ابی عبیدہؓ اور معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسلامی حکومت کا آغاز تو نبوت و رحمت سے ہوا ہے، پھر خلافت و رحمت کا دور آئے گا، پھر ایسی ملوکیت ہوگی جس میں ظلم اور اذیت پائی جائے گی، پھر ملوکیت سراسر جبر وقہر، تکبر اور فساد فی الارض ہو جائے گی، بادشاہ ریشم کو، بدکاری کو اور شرابوں کو حلال قرار دے لیں گے، اس کے باوجود انہیں رزق بھی ملے گا اور اُن کی مدد بھی ہوگی، یہاں تک کہ اللہ سے جاملیں گے''۔(مشکوۃ: باب الانذار والتحذیر عن البیہقی)

یہ حدیث بھی دلائل نبوت سے ہے، رسول اللہ ﷺ نے جیسے خبر دی، واقعات اُسی ترتیب سے رونما ہوئے۔

(۲) نعمانؓ بن بشیرؓ رازدارِ نبوت حذیفہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا: ''جب تک اللہ چاہے گا تم میں نبوت رہے گی، پھر اللہ تعالیٰ اسے اٹھا لے گا...... پھر خلافت علی منہاج النبوت کا دور آئے گا اور جب تک اللہ چاہے گا خلافت رہے گی، پھر اللہ تعالیٰ اسے بھی اٹھا لے گا...... پھر کاٹ کھانے والی ملوکیت آئے گی اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا، رہے گی، پھر اللہ تعالیٰ اسے بھی اٹھا لے گا۔ پھر جابرانہ ملوکیت آئے گی اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا، رہے گی، پھر اسے بھی اللہ تعالیٰ اٹھا لے گا...... پھر خلافت علی منہاج النبوت کا دور آئے گا...... اتنا فرما کر آپؐ خاموش ہو گئے''۔

اس حدیث کے ایک راوی حبیب کہتے ہیں کہ جب عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور آیا تو میں نے یہ حدیث انہیں لکھ بھیجی، نصیحت بھی کی اور یہ بھی کہا کہ ''مجھے امید ہے کہ کاٹ کھانے والی اور جابرانہ ملوکیت کے بعد آپ امیر المومنین ہیں...... عمر بنؒ عبدالعزیز یہ پڑھ کر مسرور ہوئے''۔ (مشکوٰۃ، باب الانذار والتحذیر، عن احمد والبیہقی)

راویٔ حدیث کی یہ وضاحت خود بتلا رہی ہے کہ قرن اول میں لوگ خلافت و ملوکیت کے درمیان فرق سے آشنا تھے اور جو واقعات و حالات پیش آئے، اس حدیث کی روشنی میں انہیں کس نظر سے دیکھتے تھے، اور اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کی اصل دلچسپی کسی خاندان سے نہیں بلکہ طرز حکومت سے تھی!

(۳) رازدارِ نبوت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! کیا اس خیر (نظام اسلام) کے بعد شر ہوگا، جیسا کہ اس سے پہلے (دور جاہلیت میں) شر تھا؟

فرمایا: ہاں

میں نے عرض کیا: تو عصمت کی صورت؟

فرمایا! تلوار

(ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: مراد یہ ہے کہ ایسے شر کے دور میں بچنے کی صورت یہ

ہے کہ تلوار اٹھائے۔قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مرتدین کا وہ گروہ ہے، جس نے عہد صدیقی میں سر اٹھایا تھا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ارشاد علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان مقاتلے کو بھی شامل ہو، کیونکہ حق علیؓ کے ساتھ تھا اور عصمت معاویہؓ سے قتال میں تھی، جیسا کہ حدیث عمارؓ: "تقتلک الفئة الباغية" سے ظاہر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے: "فقاتلوا التي تبغي حتى تفئ الى امر الله" ...... (مرقاۃ: ۱۰/۱۲۴)

حذیفہؓ کہتے ہیں، پھر میں نے عرض کیا:

"کیا تلوار کے بعد کچھ باقی رہے گا؟"

فرمایا: ہاں! آنکھوں میں کھٹکتی امارت ہوگی اور کدورت آمیز صلح ہوگی......"

(مشکوۃ کتاب، الفتن، عن ابی داود)

ملا علی قاریؒ اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"اس میں حسنؓ و معاویہؓ کی باہم صلح کی جانب اشارہ ہے، جس کے نتیجے میں حسنؓ حکومت سے دستبردار ہو گئے اور معاویہؓ امیر بن گئے۔اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس صلح کی وجہ سے معاویہؓ خلیفہ نہیں بنے، ہاں کچھ لوگوں کو اس کے خلاف وہم ہوا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم"۔ (مرقاۃ: ۱۰/۱۲۴)

خلافت علی منہاج النبوت کتنی مدت رہے گی

رسول اکرم ﷺ کے غلام سفینہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

"خلافت تیس برس رہے گی، پھر ملوکیت ہوگی"

(مشکوۃ، کتاب الفتن، عن احمد و ترمذی و ابی داود)

ملا علی قاریؒ رقم طراز ہیں:

"حسنؓ کے چھ ماہ ملا کر خلافت تیس سال پر ختم ہوگئی، معاویہؓ کا دورِ خلافت میں شامل نہیں ہے"۔ (مرقاۃ: ۱۰/۱۰۶)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں:

''خلافت علی منہاج النبوۃ اور خلافت راشدہ جس کو اس حدیث میں "خلافت النبوۃ" کہا گیا ہے، بس اِن تیس سالوں تک رہی...... اس کے بعد طور طریقوں میں تبدیلی کا عمل شروع ہو گیا اور شدہ شدہ خلافت علی منہاج النبوۃ کی جگہ بادشاہت کا رنگ آ گیا''۔ (معارف الحدیث: ۲۴۴/۷)

خلافت وملوکیت میں کیا فرق ہے؟

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

''خلافت وہ ہے جس میں حکمران اپنی سیرت اور انداز حکومت سے ثابت کر دے کہ وہ خود مختار نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کا فرماں بردار ہے۔

جب حکمران سنت کی مخالفت کریں اور اپنی سیرت کو بدل ڈالیں تو وہ ملوک ہیں، خواہ اُن کا لقب خلفاء ہو'' (مرقاۃ: ۱۲۳/۱۰)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ محاسبۂ نفس کرتے ہوئے اپنے بارے میں متفکر تھے، اس پر ایک شخص نے عرض کیا:

''امیر المؤمنین! بادشاہ وخلیفہ میں فرق ہے۔

خلیفہ کی شان یہ ہے کہ وہ ناحق وصول کرتا ہے نہ بے جا خرچ کرتا ہے، بحمد اللہ آپ ایسے ہی ہیں۔

بادشاہ وہ ہے جو رعیت پر جبر کرے، جس سے جتنا چاہے لے، اور جسے جتنا چاہے دے، کسی ضابطے کا پابند نہ ہو''۔ (تاریخ الخلفاء: ۱۴۳)

'زیت' خون میں ڈوب جائے گا

حضرت ابوذرؓ ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گدھے پر سوار تھے، جب مدینہ کی آبادی سے باہر نکلے تو آپؐ نے انہیں چند باتیں فرمائیں، اُن میں ایک بات یہ تھی:

ہے کہ تلوار اٹھائے۔قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مرتدین کا وہ گروہ ہے، جس نے عہد صدیقی میں سر اٹھایا تھا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ارشاد علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان مقاتلے کو بھی شامل ہو، کیونکہ حق علیؓ کے ساتھ تھا اور عصمت معاویہؓ سے قتال میں تھی، جیسا کہ حدیث عمارؓ: ''تقتلک الفئة الباغية'' سے ظاہر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے: ''فقاتلوا التی تبغی حتی تفئ الی امر اللہ'' ......(مرقاۃ: ۱۰/۱۲۴)

حذیفہؓ کہتے ہیں، پھر میں نے عرض کیا:

''کیا تلوار کے بعد کچھ باقی رہے گا؟''

فرمایا: ہاں! آنکھوں میں کھٹکتی امارت ہوگی اور کدورت آمیز صلح ہوگی......''

(مشکوۃ کتاب، الفتن، عن ابی داؤد)

ملا علی قاریؒ اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''اس میں حسنؓ و معاویہؓ کی باہم صلح کی جانب اشارہ ہے، جس کے نتیجے میں حسنؓ حکومت سے دستبردار ہو گئے اور معاویہؓ امیر بن گئے۔ اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس صلح کی وجہ سے معاویہؓ خلیفہ نہیں بنے، ہاں کچھ لوگوں کو اس کے خلاف وہم ہوا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم''۔ (مرقاۃ: ۱۰/۱۲۴)

خلافت علی منھاج النبوت کتنی مدت رہے گی

رسول اکرم ﷺ کے غلام سفینہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

''خلافت تیس برس رہے گی، پھر ملوکیت ہوگی''

(مشکوۃ، کتاب الفتن، عن احمد و ترمذی و ابی داؤد)

ملا علی قاریؒ رقم طراز ہیں:

''حسنؓ کے چھ ماہ ملا کر خلافت تیس سال پر ختم ہوگئی، معاویہؓ کا دور خلافت میں شامل نہیں ہے''۔ (مرقاۃ: ۱۰/۱۰۶)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں:

''خلافت علی منہاج النبوۃ اور خلافت راشدہ جس کو اس حدیث میں "خلافت النبوۃ" کہا گیا ہے، بس اِن تیس سالوں تک رہی......اس کے بعد طور طریقوں میں تبدیلی کا عمل شروع ہو گیا اور رشدہ شدہ خلافت علی منہاج النبوۃ کی جگہ بادشاہت کا رنگ آ گیا''۔ (معارف الحدیث: ۲۴۴/۷)

خلافت وملوکیت میں کیا فرق ہے؟

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

''خلافت وہ ہے جس میں حکمران اپنی سیرت اور انداز حکومت سے ثابت کر دے کہ وہ خودمختار نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کا فرماں بردار ہے۔

جب حکمران سنت کی مخالفت کریں اور اپنی سیرت کو بدل ڈالیں تو وہ ملوک ہیں، خواہ اُن کا لقب خلفاء ہو'' (مرقاۃ: ۱۲۳/۱۰)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ محاسبۂ نفس کرتے ہوئے اپنے بارے میں متفکر تھے، اس پر ایک شخص نے عرض کیا:

''امیر المؤمنین! بادشاہ وخلیفہ میں فرق ہے۔

خلیفہ کی شان یہ ہے کہ وہ ناحق وصول کرتا ہے نہ بے جا خرچ کرتا ہے، بحمد اللہ آپ ایسے ہی ہیں۔

بادشاہ وہ ہے جو رعیت پر جبر کرے، جس سے جتنا چاہے لے، اور جسے جتنا چاہے دے، کسی ضابطے کا پابند نہ ہو''۔ (تاریخ الخلفاء: ۱۴۳)

'زیت' خون میں ڈوب جائے گا

حضرت ابوذرؓ ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گدھے پر سوار تھے، جب مدینہ کی آبادی سے باہر نکلے تو آپؐ نے انہیں چند باتیں فرمائیں، اُن میں ایک بات یہ تھی:

''ابوذر! اس دن تیری حالت کیسی ہوگی، جب مدینے میں ایسا قتل عام ہوگا کہ
''زیت'' کا سنگستان خون میں ڈوب جائے گا...... (مشکوۃ، کتاب الفتن، عن ابی داؤد)
ملا علی قاریؒ تور بشتیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:
''زیت کا سنگستان مدینہ کے غربی حرّہ کا حصہ ہے، دور یزیدی میں ۶۳ھ
میں اسی مقام پر مسلم بن عقبہ مرّی کی کمانڈ میں ظالم لشکر نے پڑاؤ کیا تھا اور پھر تین دن
یا پانچ دن ان ظالموں نے (یزید کی اجازت سے) مدینہ کی حرمت کو پامال کیا، مردوں
کو قتل کیا اور بدکاریاں کیں۔ پھر خدا کی پکڑ آئی، پانی میں نمک کی طرح گھل گیا اور
حرمین کے درمیان ایک مقام پر مر گیا۔
باطل پرست یونہی خسارے میں رہتے ہیں''۔ (مرقاۃ: ۱۰/۱۲۷، ۱۰/۱۳۸)

پانی میں نمک کی طرح گھل جائے گا

سعدؓ بن ابی وقاص روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''جو بھی اہل مدینہ سے برائی کا ارادہ کرے گا، اللہ اُسے آگ میں سیسے کی
طرح پگھلا دے گا یا پانی میں نمک کی طرح گھلا دے گا''۔ (صحیح مسلم: ۱/۴۴۰)
یہ حدیث معمولی لفظی فرق کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ سے بھی صحیح مسلم:
۱/۴۴۵ اور صحیح بخاری: ۱/۲۵۲ پر مروی ہے۔
حدیث کا مقصود یہ ہے کہ اہل مدینہ سے برا سلوک کرنے والا آخرت میں
آگ میں سیسے کی طرح پگھلے گا اور دنیا میں پانی میں نمک کی طرح گھل جائے گا۔
امام نوویؒ محدث قاضی عیاضؒ کے حوالے سے اس حدیث کی شرح میں
فرماتے ہیں:
''جس طرح اُن لوگوں کی شان و شوکت ختم ہو کر رہ گئی، جنہوں نے بنوامیہ
کے دور حکومت میں اہل مدینہ سے جنگ کی تھی، جیسے مسلم بن عقبہ کہ وہ اس جنگ کے

بعد مدینہ سے واپسی کے سفر میں ہلاک ہو گیا، پھر اُسے اس مہم پر بھیجنے والا یزید بھی اس کے پیچھے پیچھے موت کے منہ میں چلا گیا' اس جرم میں شریک دوسرے لوگوں کا انجام بھی ایسا ہی ہوا'' (شرح صحیح مسلم: ۱/۴۴۱)

رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی سچ ثابت ہوئی، اہل مدینہ کو لوٹنے والوں کا انجام نہایت بھیانک ہوا۔

واقعہ حرہ آخرِ ذوالحجہ ۶۳ھ میں پیش آیا، یزید تو اس واقعے کے اڑھائی ماہ بعد عین عالم شباب میں ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ کو پانی میں نمک کی طرح گھل کر مر گیا۔ اس کی داستانِ موت گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے۔

مسلم بن عقبہ مرّی کا انجام

اس واقعۂ ہائلہ کے دوسرے بڑے مجرم مسلم بن عقبہ مرّی، جسے اہل سِیَر اسراف فی القتل وجہ سے مسرف کے نام سے یاد کرتے ہیں، کی موت اس سے بھی ہولناک ہوئی۔

مدینہ طیبہ کی لوٹ مار کے بعد مسلم بن عقبہ نے دربار سجایا، لوگوں سے یہ بیعت لیتا تھا کہ کہو ہم یزید کے غلام ہیں، اُسے ہماری جان و مال پر مکمل اختیار حاصل ہے، ہم طاعت و معصیت ہر حال میں اُس کا کہا مانیں گے۔

انہی لوگوں میں یزیدؒ بن عبداللہؓ بن زمعہ بھی تھے...... آپ حضرت ام المؤمنین ام سلمہؓ کے نواسے ہیں اور آپ کے والد عبداللہ بن زمعہؓ ام المؤمنینؓ کے بھانجے بھی ہیں......''۔ ان سے بھی اسی بیعت کا مطالبہ ہوا تو انہوں نے کہا: میں معروف میں اُس کی بیعت کرتا ہوں کہ کتاب وسنت کے مطابق اُس کی اطاعت کروں گا''۔

مسلم یہ سن کر سیخ پا ہو گیا اور انہیں شہید کروا دیا۔ یہ ظلم دیکھ کر یزیدؒ کی باندی، جواُن کی امّ ولد بھی تھیں، نے قسم اٹھائی کہ اگر میرا بس چلا تو میں اس ظالم کو، زندہ یا مردہ، آگ میں جلاؤں گی۔

اُس وقت مکہ مکرمہ پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی حکومت تھی۔ مسلم مدینہ کو تاخت وتاراج کرنے کے بعد مکہ مکرمہ پر حملے کے ارادے سے روانہ ہوا۔ محرم ۶۴ھ کے ابتدائی دن تھے، واقعہ حرّہ کو تین دن گذر چکے تھے، سفر جاری تھا کہ حرص وہوس اور بے حیائی کا پیلا پن صفراوی پانی کی شکل میں پیٹ میں بھر گیا اور مسلم اسی زہریلے پانی میں نمک کی طرح گھل کر مر گیا، اُس کے رفقا اُسے قُدید نامی جگہ میں دفن کر کے آگے بڑھ گئے۔

اُدھر یزیدؔ کی اُمّ ولد اپنی قسم پوری کرنے کے لیے دو یا تین دن کا فاصلہ رکھ کر اپنے خدام کے ساتھ لشکر کے پیچھے چل رہی تھی، لشکر روانہ ہونے کے بعد یہ وہاں جا پہنچی اور اپنے خدّام کو حکم دیا کہ سر کی طرف سے قبر کھود کر لاش نکال لاؤ۔

خدّام نے قبر کھولی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک اژدہا گردن میں لپٹا ہوا ہے اور اس کے ناک کے نتھنوں سے اس کا مغز چوس رہا ہے۔

خدّام گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے اور کہا: محترمہ! واپس چلیے، اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے شر کی سزا دے دی ہے۔

وہ بھی اپنے ارادے کی پکی تھی، کہا: میں اپنی قسم پوری کر کے رہوں گی، جاؤ، پاؤں کی طرف سے قبر کھود کر لاش کھینچ نکالو۔

قبر کھودی گئی تو دیکھا کہ اُس اژدھے نے اپنی دم سے اس کی ٹانگوں کو جکڑا ہوا ہے۔

اس اللہ کی بندی نے ایک طرف ہو کر دو رکعت نماز (حاجت) ادا کی اور دعا کی کہ یا اللہ! میں قسم پوری کرنا چاہتی ہوں، اس اژدھے کو میرے راستے سے ہٹا دے۔

پھر اس نے ایک چھڑی لے کر اژدھے کی دم پر ماری تو وہ سر کی جانب سے سرک کر باہر نکل گیا، پھر لاش قبر سے نکالی گئی، پہلے سولی پر لٹکائی گئی پھر آگ میں جلائی گئی، یوں اہل مدینہ سے داؤ کھیلنے والا سیسے کی طرح آگ میں پگھل گیا۔

مسلم بن عقبہ اور یزید کا یہ عبرت ناک انجام بہت جلد سامنے آ گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: اہل مدینہ کا برا چاہنے والے کو اللہ تعالیٰ بہت جلد ہلاک کرتا ہے:

دیدی کہ خونِ ناحقِ پروانہ شمع را
چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

(یہ واقعہ وفاء الوفاء باخبار دار المصطفے ﷺ: ۱/۱۳۵، ۱۳۶ میں تفصیل سے مذکور ہے، نیز الامامۃ والسیاسۃ: ۱/۲۱۹، ۲/۱۱)

شر قریب آ گیا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تباہی ہے عرب کے لیے اُس شر سے جو قریب آ چکا ہے، فلاح پا گیا وہ جس نے اپنا ہاتھ روک لیا''۔ (مشکوۃ، کتاب الفتن، عن ابی داؤد)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: ''طیبیؒ نے تو کہا ہے کہ اس حدیث میں شر سے مراد عثمانؓ کا سانحۂ شہادت اور علیؓ کے دور خلافت کی جنگیں ہیں، لیکن میں کہتا ہوں کہ اس کی زیادہ واضح مراد حسینؓ اور یزید کا قضیہ ہے، اس لیے کہ اس قضیے کے شر سے عرب و عجم سبھی متاثر ہوئے''۔ (مرقاۃ: ۱۰/۱۳۴)

ان فتنوں سے امت کو کیا نقصان پہنچا؟

سعید ابن المسیبؒ فرماتے ہیں: ''پہلا فتنہ یعنی شہادت عثمانؓ کا سانحہ رونما ہوا تو اصحابؓ بدر میں سے کوئی نہ بچا، دوسرا فتنہ یعنی فتنہ حرہ برپا ہوا تو اصحابؓ حدیبیہ میں سے کوئی نہ رہا، پھر تیسرا فتنہ (یعنی مکہ مکرمہ پر لشکر کشی) پیدا ہوا تو لوگوں میں کوئی خیر باقی نہ رہی'' (مقصود ہے کہ صحابہ کرامؓ، جو خیر البریہ تھے، کی اکثریت دنیا سے رخصت ہو گئی) (صحیح بخاری: ۲/۵۷۳)

اور ظاہر ہے کہ ان فتنوں کے ذمے دار وہ لوگ ہیں، جنہوں نے کتاب و سنت سے ہٹ کر نظام مملکت چلانے کی کوشش کی۔

کیا یہ لوگ قابل احترام ہیں؟

اللہ تعالیٰ کی نسبت سے بیت اللہ اور مکہ واجب الاحترام، رسول اللہ ﷺ کی نسبت سے مدینہ طیبہ واجب الاحترام، قرابت رسول ﷺ کی نسبت سے عترت اطہارؓ واجب الاحترام، صحبت رسول ﷺ کی نسبت سے صحابہ کرامؓ واجب الاحترام ، اللہ تعالیٰ کے حکم سے چار مہینے: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب واجب الاحترام،

لیکن یزید اور اس کے عمال نے پہلے محرم الحرام میں عترت اطہارؓ کی حرمت پامال کی، پھر ذوالحجہ میں مدینہ طیبہ اور صحابہ کرامؓ کی حرمت پامال کی، پھر محرم الحرام میں مکہ مکرمہ اور صحابہ کرامؓ کی حرمت پر حملہ کیا،

ان دوہری دوہری حرمتوں کو پامال کرنے کے باوجود کیا یزید اب بھی قابل احترام ہے؟!

اور سب کچھ معلوم ہونے کے باوجود یزیدی اقدامات کا دفاع کرنے والے قابل احترام ہیں؟

امام حسینؓ اپنی ذات میں ایک امّت تھے

(چند سوانحی نقوش)

امام حسینؓ کی شخصیت شہادت کربلا کے حوالے سے زیادہ مشہور ہے۔ اس سے کچھ لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ امام حسینؓ کو بس ایک نسبی شرف حاصل تھا، کربلا کے اتفاقی حادثے سے آپؓ کو شہرت حاصل ہوگئی، علاوہ ازیں دیگر محاسن سے آپؓ کا دامن خالی ہے!

حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے، آپؓ کی شخصیت اتنے محاسن ومحامد سے آراستہ ہے کہ نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں!

آغوش نبوت میں

امام حسینؓ ۵ شعبان ۴ھ میں پیدا ہوئے، جبکہ آپؓ کے بڑے بھائی امام حسنؓ نصف رمضان ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوا، اس طرح یہ دونوں بھائی اپنی اپنی زندگی کے ابتدائی ۶، ۷ سال براہ راست رسول رحمت ﷺ کے زیر تربیت رہے۔

دونوں کے کان میں اذان رسول اللہ ﷺ نے دی۔

دونوں کو گھٹی رسول اللہ ﷺ نے اپنے لعاب مبارک کے ساتھ دی

دونوں کا نام خود رکھا

دونوں کو رسول اللہ ﷺ نے مسلسل اپنی دعاؤں کے حصار میں رکھا

دونوں کی آپؐ نے ایسی نگرانی فرمائی کہ ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ کھجوریں جب توڑی جاتیں تو لوگ صدقے کی کھجوریں آپ کی خدمت میں لاتے، آپؐ کے پاس کھجوروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا، حسنؓ اور حسینؓ ان کھجوروں کے ساتھ کھیلنے لگے، اس اثنا میں ایک (حسنؓ، کما فی الصحیح للبخاری: ۲۰۲/۱) نے کھجور پکڑی اور منہ میں ڈال لی، رسول اللہ ﷺ

نے دیکھ لیا تو خود منہ سے کھجور نکال دی اور فرمایا:

''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آل محمد صدقہ نہیں کھاتے!'' (صحیح بخاری:۱۴۸۵)

دونوں کو رسول اللہ ﷺ لڑکھڑانے اور گرنے سے بچاتے تھے۔

دونوں کو رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھ چمٹاتے تھے، چومتے تھے اور سونگھتے تھے اور فرماتے تھے:''یہ دونوں میری دنیا کے مہکتے پھول ہیں''۔

☆ امام حسینؓ کو خاص طور پر رسول اللہ ﷺ اپنی زبان مبارک چساتے تھے ،ابن حبان ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ'' نبی ﷺ اپنی زبان نکال کر حسینؓ کو دکھاتے، بچہ آپ کی زبان کی سرخی دیکھتا تو خوشی سے آپ کی طرف اُچھلتا''

(الحسینؓ حفیداً وشھیداً: ۱۴)

امام حسینؓ کو خاص طور پر لسانِ نبوت چسانا درحقیقت لسانِ حسینؓ میں کلمۂ حق وعدل ودیعت فرمانا تھا! چنانچہ مستقبل میں اِس زبان سے جس شان کے ساتھ کلمۂ حق بیان ہوا، تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، یہ رسول اللہ ﷺ کا فیضان نظر تھا۔

آپ حدیث روایت کرتے ہیں

۶، ۷ سال کی عمر ایسی ہے کہ اگر بچہ ذہین وفطین ہو تو بہت کچھ اخذ کر لیتا ہے، امام حسینؓ کو اللہ تعالیٰ نے جودتِ طبع اور ذکاوت وفطانت سے خوب خوب بہرہ مند کیا تھا، چنانچہ آپؓ رسول اللہ ﷺ سے کئی احادیث روایت کرتے ہیں:

(۱) مسند احمد اور سنن ترمذی میں آپؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''البخیل من ذکرت عندہ فلم یصلّ علیّ''

''بخیل ہے وہ جس کے پاس میرا ذکر ہو، پھر مجھ پر صلوٰۃ نہ بھیجے''

صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم

(۲) مسند احمد میں آپؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ''

''حسین مسلمان وہ ہے جو لایعنی کام ترک کر دے''

دیکھیے! بچپن ہی میں کیسی عجیب اور مفید بات ذہن میں بٹھلا لی!

(۳) طبرانی میں آپؓ سے روایت ہے کہ ''ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں کم حوصلہ اور کم زور ہوں!

فرمایا: ''ایسے جہاد کی طرف آ جاؤ جس میں کانٹا نہیں، حج''

(الحسینؓ حفیداً و شهيداً : ۲۶، ۲۷)

لڑکپن، جوانی سیدنا علیؓ کی زیر نگرانی اور علمی ذوق وشوق

☆ رسول اللہ ﷺ کے انتقال پر ملال کے بعد دونوں بھائیوں کا بچپن، لڑکپن اور جوانی سیدنا علیؓ کی زیر نگرانی گذری۔

اس عرصے میں دونوں بھائی کس ذوق و شوق سے حصول علم میں مصروف رہے، اس کا اندازہ ایک واقعے سے ہوتا ہے:

شمائل ترمذی میں روایت ہے، امام حسنؓ بن علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہندؓ بن ابی ہالہ سے رسول اللہ ﷺ کا سراپا دریافت کیا...... ہندؓ بڑے شوق سے سراپائے مبارک بیان کیا کرتے تھے اور مجھے اشتیاق تھا کہ میں اُن کی زبان سے سنوں...... چنانچہ انہوں نے تفصیل سے رسول اللہ ﷺ کا سراپا بیان کیا۔

(روایت میں یہ تفصیل مذکور ہے)

امام حسنؓ کہتے ہیں کہ میں نے (اپنی علمی سبقت ثابت کرنے کے لیے) کچھ عرصہ یہ روایت (اپنے دل میں) چھپائے رکھی۔ پھر میں نے یہ حدیث حسینؓ سے بیان کی تو میں نے دیکھا کہ وہ مجھ سے سبقت لے چکے ہیں۔ نہ صرف یہ حدیث ماموںؓ سے پوچھ چکے ہیں بلکہ ابا جانؓ سے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں تشریف لانے، باہر تشریف لے جانے اور روزمرہ زندگی گذارنے کا طریقہ بھی معلوم کر چکے

ہیں!'' (اس کے بعد امام حسینؓ سے یہ نہایت پیاری حدیث تفصیل سے مروی ہے)
(شمائل ترمذی، باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ)

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی سے امام حسینؓ کو سبقت اور فراست سے نوازا تھا۔ چنانچہ ''جب امام حسنؓ حضرت معاویہؓ سے آمادۂ صلح تھے، امام حسینؓ اس فیصلے کو درست نہیں سمجھ رہے تھے اور اہل شام سے قتال پر اصرار کر رہے تھے...... (امام حسنؓ کے پیش نظر کچھ اور مصلحت تھی اور حدیث رسول ﷺ بھی اپنا کام کر رہی تھی!)...... انہوں نے امام حسینؓ کو سختی سے روکا، آپؓ خاموش ہو گئے اور فیصلہ تسلیم کر لیا'' (البدایہ والنھایہ) لیکن امام حسینؓ کے خدشات بعد میں صحیح ثابت ہوئے۔

کمال علمی ظاہر ہوتا ہے

☆ آپؓ نے علم اور تقویٰ کے ماحول میں آنکھ کھولی اور پرورش پائی، ''علم کا باب'' تو آپؓ کے گھر میں کھلتا تھا اور تقویٰ کی آپؓ کو گھٹی ملی تھی، اس لیے فطری طور پر آپؓ اپنے دور میں شریعت، طریقت اور حقیقت کے امام تھے۔

ابن عساکر اپنی 'تاریخ دمشق' میں لکھتے ہیں:

ترجمہ: ''ایک مرتبہ ابن عباسؓ لوگوں میں بیٹھے حدیث بیان کر رہے تھے کہ نافع بن ازرق کھڑا ہوا اور کہنے لگا:

ابن عباس! آپ لوگوں کے سامنے چھوٹے چھوٹے مسئلے بیان کرتے رہتے ہو، ذرا اپنے اُس اللہ کا حال تو بیان کرو، جس کی عبادت کرتے ہو!

سوال کی بے باکی اور شدت سے ابن عباسؓ نے اپنا سر جھکا لیا، حسین بن علیؓ بھی ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے، فرمایا:

ابن ازرق میرے پاس آؤ۔

کہنے لگا: میں نے آپ سے نہیں پوچھا

ابن عباسؓ نے فرمایا: ابن ازرق! یہ اہل بیت نبوت کے فرد ہیں، اور یہی تو علم کے وارث ہیں!

وہ حسینؓ کی طرف متوجہ ہوا تو آپؓ نے اُسے فرمایا:

''نافع! جس نے اپنے دین کی بنیاد قیاس پر رکھی، ہمیشہ التباس میں پڑا رہے گا، جب گرے گا، اوندھے منہ گرے گا، منہاج کے بارے میں پوچھتا ہی رہے گا، کجی کے ساتھ سفر کرے گا، راستے سے بھٹکا رہے گا، فضول باتیں کہتا رہے گا۔

ابن ازرق! میں اپنے الٰہ کی وہی شان بیان کرتا ہوں، جو اُس نے خود بیان کی اور میں اُس کی وہی تعریف کرتا ہوں، جو اُس نے خود اپنی تعریف کی، اُس کا حواس سے ادراک نہیں ہو سکتا، اُسے لوگوں سے قیاس نہیں کیا جا سکتا، وہ قریب ہے لیکن چمٹا ہوا نہیں، دور ہے لیکن سمٹا ہوا نہیں، وہ اکیلا ہے، اجزا سے پاک ہے، اُسے آیات سے پہچانا جاتا ہے اور علامات سے بیان کیا جاتا ہے۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، بڑا ہے اور بلند ہے''

ابن ازرق رو پڑا، بولا:

حسین! کتنا حسین ہے تیرا کلام!

فرمایا: مجھے بتلایا گیا ہے کہ تو میرے ابا، میرے بھائی اور میرے بارے میں کفر کی شہادت دیتا ہے؟

ابن ازرق بولا: حسین! واللہ میں یہ بات کہتا تھا، لیکن تم لوگ تو اسلام کے مینارے اور احکام کے ستارے ہو۔

حسینؓ نے فرمایا: میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں

بولا: پوچھیے

امام حسینؓ نے سورۃ الکہف کی آیت: ۸۲ تلاوت کی، جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اور وہ جو دیوار تھی، سو دو یتیم لڑکوں کی تھی اِس شہر میں، اور اُس کے نیچے اُن کا خزانہ گڑا تھا اور اُن کا باپ صالح تھا.....'' (یہ دیوار گرنے کے قریب تھی، حضرت خضرؑ نے بلا معاوضہ یہ دیوار سیدھی کر دی تھی تاکہ خزانہ محفوظ رہے)

امام حسینؓ نے پوچھا: ان لڑکوں کی یہ حفاظت کس وجہ سے ہوئی؟

ابن ازرق نے جواب دیا: باپ کی وجہ سے

فرمایا: تو اُن کا باپ بہتر تھا یا رسول اللہ ﷺ؟''

(ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر اعتبار سے اُن یتیم لڑکوں کے باپ سے بہتر تھے، تو کیا اللہ ہمارے ابا کی وجہ سے ہماری اور ہمارے ایمانی خزانے کی حفاظت نہیں فرمائے گا؟) (الحسینؓ حفیداً و شهیداً: ۲۳، ۲۴)

مسند تدریس کو زینت بخشتے ہیں

حصول علم کے بعد آپؓ تدریس میں بھی مشغول رہے۔

ابن عساکر اپنی ''تاریخ دمشق'' میں روایت کرتے ہیں:

''معاویہؓ نے ایک قریشی سے فرمایا:

جب تم مسجد نبوی میں داخل ہو اور وہاں ایک ایسا حلقہ دیکھو، جس میں لوگ یوں بیٹھے ہوں گویا اُن کے سروں پر پرندے ہیں، تو وہ ابو عبداللہ (حسینؓ) کا حلقہ ہوگا، اُن کا تہبند نصف پنڈلی تک ہوگا، اور اُس حلقے میں مزاح اور یاوہ گوئی قسم کی کوئی چیز نہیں ہوگی'' (الحسینؓ حفیداً وشهیداً: ۲۲)

یہ نقشہ بالکل رسول اللہ ﷺ کی مجلس کا ہے۔ گزشتہ سطور میں ایک روایت کا ذکر گزرا ہے، جس میں امام حسینؓ نے سیدنا علیؓ سے رسول اللہ ﷺ کا طرز زندگی دریافت کیا تھا، زیر نظر روایت یہ شہادت دے رہی ہے کہ امام حسینؓ نے اُس روایت کو اپنی زندگی میں جذب کر لیا تھا، اس لیے آپؓ صرف صورت ہی میں نہیں، سیرت میں بھی رسول اللہ ﷺ کے شبیہ تھے!

افسوس! کچھ لوگوں کو اب بھی امام حسینؓ کی زندگی میں عجلت پسندی، ناعاقبت اندیشی اور جاہ طلبی کی بو سنگھائی دیتی ہے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم!

تواضع اور انکساری کا نمونہ

امام حسینؓ کی طبیعت میں تواضع اور انکساری تھی۔

ابن عساکر روایت کرتے ہیں کہ "ایک مرتبہ آپؓ گذر رہے تھے، دیکھا، صفہ میں چند مساکین بیٹھے کھا رہے ہیں، انہوں نے آپؓ کو دعوت دی، آپؓ اتر آئے، فرمایا: اللہ تکبر کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا، چنانچہ ان کے ساتھ کھانا کھالیا، پھر فرمایا:

میں نے تمہاری دعوت قبول کی، تم میری دعوت قبول کرو گے!

انہوں نے کہا: جی ہاں!

آپؓ انہیں اپنے گھر لے گئے اور اپنی اہلیہ رباب سے فرمایا:

گھر میں جو کچھ ہے نکال دو!"

سخاوت آپ کی وراثت

سخاوت تو آپؓ کی جدی وراثت تھی۔

ایک مرتبہ ایک سوالی مدینے کی گلیوں میں مانگتا پھرتا تھا، پھرتے پھرتے امام حسینؓ کے دروازے پر آ پہنچا، دروازہ کھٹکھٹایا اور دو شعر پڑھے۔

امام حسینؓ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، آپؓ نے نماز مختصر کی، باہر تشریف لائے، دیکھا کہ ایک حاجت مند اور فاقہ زدہ اعرابی ہے، اندر تشریف لے گئے اور آواز دی:

قنبر!

لبیک یا ابن رسول اللہ! قنبر نے جواب دیا

فرمایا: ہمارے نفقے سے تمہارے پاس کتنا بچا ہوا ہے؟

دو سو درہم، اُس نے جواب دیا، اور وہ بھی آپ نے حکم دیا تھا کہ گھر والوں میں تقسیم کر دوں،

فرمایا: سب لے آؤ، اُن سے زیادہ حقدار آ گیا ہے،
چنانچہ دو سو درہم اعرابی کو دے دیے اور کمی کی معذرت بھی کی، اعرابی تعریف کرتا ہوا خوش خوش چلا گیا"   (الحسینؓ حفیداً و شهیداً : ۲۴)

"ایک مرتبہ امام حسنؓ امام حسینؓ اور عبداللہ بن جعفرؓ حج کے لیے روانہ ہوئے، راستے میں بھوک پیاس نے گھیر لیا، سامان ختم ہو چکا تھا، دیکھا ایک خیمہ ہے، وہاں پہنچے تو ایک بڑھیا بیٹھی تھی۔

پوچھا: پینے کے لیے کچھ؟

بڑھیا نے کہا: ہاں، انہوں نے اونٹ بٹھلا دیے،

اُس کے پاس صرف ایک چھوٹی بکری تھی، اِسے دوہ لو اور دودھ پی لو، بڑھیا نے کہا۔

انہوں نے ایسے ہی کیا، پھر پوچھا، کھانے کے لیے کچھ؟

صرف یہی بکری ہے، اور کچھ نہیں، اُس نے کہا، میں تمہیں قسم دیتی ہوں کہ تم میں سے کوئی اسے ذبح کر لے، اتنے میں میں ایندھن مہیا کر لوں، بس اسے بھون لو اور کھاؤ۔

انہوں نے یہی کہا، اس کے یہاں رُکے رہے، یہاں تک کہ موسم ٹھنڈا ہو گیا، جب وہاں سے چلنے لگے تو اُسے کہا:

خاتون! ہم قریشی لوگ ہیں، اِدھر جا رہے ہیں، جب ہم صحیح سالم واپس آئیں تو ہمارے پاس آنا، ہم انشاءاللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ حسن سلوک کریں گے..... اور چل دیے۔

بڑھیا کا شوہر واپس آیا، اُس نے اُسے قصہ بتلایا تو وہ غضبناک ہوا، بولا: کمبخت! ناواقف لوگوں کے لیے ہماری بکری ذبح کر دی، پھر کہتی ہے قریشی لوگ تھے!

ایک لمبے عرصے کے بعد بڑھیا اور اُس کا شوہر قحط سالی کی مصیبت میں گرفتار ہو کر مدینہ طیبہ پہنچے، مینگنیاں چنتے تھے (اور گذارا کرتے تھے) ایک دن بڑھیا کسی گلی سے گذر رہی تھی اور مینگنیاں چن چن کر بورے میں ڈال رہی تھی، اتفاق سے

امام حسنؓ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھے تھے، آپؓ نے بڑھیا کو دیکھا تو پہچان لیا، اُسے آواز دی اور فرمایا:

اللہ کی بندی! مجھے پہچانتی ہو؟

نہیں، اس نے کہا،

''میں فلاں دن، فلاں سال، فلاں منزل پر تمہارا ایک مہمان تھا''

''میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں آپ کو نہیں پہچان رہی''

''ٹھیک ہے، تم مجھے نہیں پہچان رہی، میں تو تمہیں پہچان رہا ہوں''

امام حسنؓ نے فرمایا اور اپنے غلام کو حکم دیا: صدقے کی بکریوں سے ایک ہزار بکریاں اس کے لیے خرید لو اور اسے ایک ہزار دینار بھی دے دو۔

پھر اُسے اپنے غلام کے ساتھ اپنے بھائی حسینؓ کے پاس بھیج دیا۔

غلام اُسے لے کر امام حسینؓ کے پاس پہنچا تو انہوں نے بھی پہچان لیا۔

پوچھا: بھائی جان نے کیا سلوک کیا؟

بتلایا گیا تو فرمایا: اتنا ہی میری طرف سے بھی دے دو۔

پھر غلام اُس بڑھیا کو عبداللہ بن جعفرؓ کے پاس لے گیا، انہوں نے بھی پہچان لیا، حسنینؓ کا حسن سلوک سنا تو فرمایا:

واللہ! اگر پہلے میرے پاس آ جاتی تو میں اُن دونوں کو (نیکی کی اس دوڑ میں) تھکا دیتا، حکم دیا کہ میری طرف سے دو ہزار بکریاں اور دو ہزار دینار اسے دے دو۔

وہ بڑھیا (جب آئی تھی تو غریب ترین تھی اور جب) مدینہ طیبہ سے واپس گئی تو امیر ترین خاتون تھی''۔ (الحسنؓ والحسینؓ: ۳۰)

لاریب: ایں خانہ ہمہ آفتاب است

طبیعت موزون تھی

آپ کا دل زہد و ورع سے لبریز تھا، اس کے ساتھ طبیعت موزون تھی، قلبی کیفیات میں کبھی تموج برپا ہوتا، تو اس طرح کے اشعار کا روپ دھار لیتیں:

لئن کانت الدنیا تعدّ نفیسة
فدار ثواب اللہ أغلی و أنبل
وإن کانت الأبدان للموت أنشئت
فقتل سبیل اللہ بالسیف أفضل
وإن کانت الأرزاق شیئاً مقدراً
فقلة سعی المرء فی الکسب أجمل
وإن کانت الأموال للترک جُمّعت
فما بال متروک به المرء یبخل

''اگر دنیا کوئی نفیس چیز شمار کی جاتی ہے تو آخرت اس سے زیادہ قیمتی اور بلند تر ہے۔
اگر یہ ابدان موت ہی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں تو اللہ کے راستے میں تلوار سے قتل ہو جانا افضل ہے۔
اگر رزق تقدیر میں لکھی ہوئی کوئی چیز ہے تو کسب معاش میں قلیل سعی جمیل تر ہے۔
اور اگر اموال چھوڑنے ہی کے لیے اکٹھے کیے جاتے ہیں تو آدمی کو کیا ہوا کہ اُس چیز پر بخل کرتا ہے، جسے چھوڑ جاتا ہے''۔ (الحسینؓ حفیداً و شهیداً: ۲۵)

ذوق عبادت فطری تھا

ذوق عبادت فطری تھا، کثرت سے روزے رکھتے تھے، اور اکثر نماز میں مشغول رہتے تھے۔ (الحسنؓ و الحسینؓ: ۷۷)

ابن عساکر روایت کرتے ہیں کہ حسینؓ بن علیؓ نے 25 حج پیدل کیے، جبکہ بہترین اونٹنیاں ساتھ ہوتی تھیں۔ (الحسین حفید أو شهیداً: ۲۶)

پیدل حج افضل ہے، امام حسینؓ نے اپنی طبیعت کے مطابق افضل عمل اختیار فرمایا

قلبِ اطہر پر خوف الٰہی طاری رہتا تھا

حضرت خواجہ گیسو دراز سید محمد حسینیؒ (۷۲۱ھ۔۸۲۵ھ) سلسلہ چشتیہ کے عظیم شیخ گزرے ہیں۔ آپ ایک حکایت بیان فرماتے ہیں، جسے پڑھ کر دل دہل جاتا ہے اور آنکھیں کھل جاتی ہیں:

''ایک رات حضرت خواجہ حسن بصریؒ کعبہ سے متصل حرم میں عبادت میں مشغول تھے۔ کعبہ کی چھت سے کسی کی آواز آرہی تھی۔ کعبہ کی چھت پر چونکہ کوئی آجا نہیں سکتا، اس لیے ان کو خیال آیا کہ پتا چلانا چاہیے کہ کون شخص اوپر موجود ہے، اس خیال کے تحت وہ چھت پر گئے، دیکھا کہ ایک آدمی چھت سے اس طرح چمٹا ہوا ہے جیسے زمین پر پانی سے بھیگا کپڑا پڑا ہو، اور وہ زار زار رو رہا ہے اور کہہ رہا ہے:

خداوند کریم! مجھے نہیں معلوم کہ میرا انجام کیا ہوگا؟

یہ جسم دوزخ کی آگ میں جلایا جائے گا یا نجات پائے گا؟

یہ آنکھیں جہنم کے بھڑکتے شعلے دیکھیں گی یا اپنے مولا کی زیارت سے ٹھنڈی ہوں گی؟

یہ حلق دوزخ کے تھوہڑ کا مزا چکھے گا یا جنت کے پھلوں کا؟

یہ معدہ آتشیں کھانوں سے بھرا جائے گا یا جنتی نعمتوں سے؟

اسی طرح کی باتیں کہہ کہہ کر اللہ کے حضور نالہ وزاری کر رہا ہے۔

خواجہ حسن بصریؒ نے اپنے دل میں کہا کہ پتہ نہیں کون گنہگار شخص ہے جو موقع پا کر اس طرح گریہ وزاری کر رہا ہے۔ اوپر جانے کے بعد وہ کھڑے رہے اور یہ سوچ کر کہ اس شخص کی گریہ وزاری میں مخل نہیں ہونا چاہیے، نیچے اتر آئے، کہ جب یہ نیچے اترے گا، دیکھ لیں گے کہ کون شخص ہے۔ جب وہ شخص چھت سے نیچے اترا تو حسن بصریؒ آگے بڑھے، دیکھا کہ یہ تو امیر المومنین حضرت حسینؓ ہیں۔ وہ چیخ مار کر ان کے قدموں سے لپٹ گئے اور عرض کیا:

اے فرزند رسول خدا! آپ کی عظمت اور بزرگی تو اتنی زیادہ ہے کہ بیان نہیں کی جا سکتی، اور اگر یہ نہ بھی ہوتی تو کیا فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے لیے کافی نہیں ہیں،

علیؓ کافی نہیں ہیں، خود محمد رسول اللہ ﷺ کافی نہیں ہیں؟

یہ سن کر امیر المومنین حسینؓ کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوگئیں اور فرمایا:

اے حسن! سنو، جس روز یہ آیت وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (ڈراؤ اپنے قریبی رشتہ داروں کو) نازل ہوئی پیغمبر علیہ السلام نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر فرمایا:

''اے فاطمہ! اپنے آپ کو دوزخ سے خود بچا، اس لیے کہ میں اللہ کے سامنے تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں''

پھر امیر المومنین امام حسینؓ نے فرمایا کہ اے حسن! جب باپ محمدؐ کی رسالت فاطمہؓ کو فائدہ نہ پہنچا سکی تو علیؓ کے باپ ہونے اور فاطمہؓ کے ماں ہونے سے مجھے کب فائدہ پہنچ سکتا ہے؟''

یہ سن کر خواجہ حسن بصریؒ زار زار رونے لگے کہ جب فاطمہ کو محمد ﷺ جیسے باپ اور حسینؓ کو علیؓ اور فاطمہؓ جیسے ماں باپ سے (نجات کا) فائدہ نہیں پہنچ سکتا تو حسن لولوی کسی شمار میں ہے اور اس کا کہاں ٹھکانا ہے!'' (جوامع الکلم: ۸۶)

شجاعت آپ کو گھٹی میں ملی

شجاعت و بسالت میں آپؓ سیدنا علیؓ کے سچے وارث تھے، ''جمل، صفین وغیرہ تمام مغازی میں آپؓ امیر المومنینؓ کے ساتھ رہے'' (البدایہ والنہایہ: ۸/۱۵۰)

غالباً اس فطری جرأت اور استقامت کی وجہ ہی سے امیر المومنین سیدنا علیؓ ''فانا وحسین'' فرما کر امام حسینؓ کی شخصیت کو اپنی شخصیت کے ساتھ ضم کر لیا کرتے تھے!

(الحسین حفیداً و شهیداً: ۱۶)

صحابہ کرامؓ آپ کی تعظیم کرتے تھے

امام حسینؓ عمر کے اعتبار سے تمام صحابہؓ میں چھوٹے تھے، لیکن تمام صحابہؓ آپؓ کی تعظیم و توقیر کرتے تھے اور آپ کے اخلاق و اطوار کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتے تھے، حتی

کہ سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ آپؓ کے ساتھ تعظیم و تکریم سے پیش آتے تھے۔

(البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۵۰)

غور کیجئے! ابن کثیرؒ یہ روایت نہیں فرما رہے کہ صحابہؓ آپؓ کے ساتھ شفقت سے پیش آتے تھے، بلکہ یہ کہہ رہے ہیں کہ صحابہؓ اجلہ صحابہ تعظیم و تکریم سے پیش آتے تھے، سچ ہے:

قدر جوہر شاہ بداند یا بداند جوہری

قدر دانوں اور مرتبہ شناسوں نے تعظیم و توقیر کی اور دنیا پرست اندھوں نے گھوڑوں تلے روند ڈالا!

ہمہ گیر شخصیت

الغرض امام حسینؓ کی شخصیت صرف کربلا تک محدود نہیں، بلکہ اتنی ہمہ گیر ہے کہ اُس کی تعبیر صرف قرآن مجید کے ان الفاظ سے ہو سکتی ہے:

"كَانَ أُمَّةً قَانِتاً لِلّٰهِ حَنِيفاً وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ٥ شَاكِراً لِأَنْعُمِهِ، اِجْتَبٰهُ وَهَدَاهُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ٥ (النحل: ۱۲۰. ۱۲۱)

آپؓ اپنی ذات میں ایک امت تھے، اللہ کے فرماں بردار تھے، یک سو ہو کر رہنے والے تھے، مشرکین سے آپ کا کوئی تعلق نہیں تھا، اُس کی نعمتوں کا شکر گزار تھے، اللہ نے آپؓ کو چن لیا اور صراط مستقیم پر چلایا...... کربلا کے افق سے تو آپ کی شخصیت کا سورج صرف طلوع ہوا!

(مذکورہ بالا اوصاف اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیمؑ کے بیان فرمائے ہیں، اگر ہزاروں سال بعد اللہ تعالیٰ فرزند ابراہیمؑ میں یہی اوصاف پیدا فرما کر اُسے اُسوۂ ابراہیمی کا شاہد بنا دے تو اس پر حیرانی کیسی!

لیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد)

امام حسنؓ اور امام حسینؓ صحابی بھی ہیں

عظمت صحابہؓ ایک حق ہے، لیکن کچھ لوگ عظمت صحابہؓ کی بات ڈھال کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اب امام حسینؓ بھی صحابی ہیں، ان پر جرح وتنقید کیسے کی جائے؟ اس کے لیے انہوں نے راہ یوں صاف کی کہ صحابی وہ ہے جس نے عقل وشعور اور بلوغت کے ساتھ صحبت اٹھائی ہو، رسول اللہ ﷺ کا جب انتقال ہوا تو امام حسینؓ بہت کم سن تھے، اس لیے آپؓ زمرۂ صحابہؓ میں داخل نہیں۔

آیئے ایک نظر اس پر بھی!

امام بخاریؒ صحابی کی تعریف یہ بیان فرماتے ہیں:

"من صحب النبی ﷺ اور آہ من المسلمین فھو من اصحابہ"

(صحیح بخاری: ۵۱۱/۵)

ترجمہ: "جس نے نبی ﷺ کی صحبت اٹھائی یا آپؐ کی زیارت کی اور ہو بھی مسلمان تو وہ آپ کا صحابی ہے"۔

چنانچہ ایمان کے ساتھ جس نے بھی آپ کو دیکھا، قریب سے دیکھا یا دور سے، چھوٹی عمر میں دیکھا یا بڑی عمر میں یا نابینا تھا لیکن آپؐ کی مجلس میں بیٹھا تو وہ زمرۂ صحابہؓ میں شمار ہوگا۔

امام حسنؓ اور امام حسینؓ اس تعریف کے مطابق صحابی قرار پاتے ہیں اور اگر کسی کو امام بخاریؒ کی تعریف پر اعتراض ہو تو کیا کہا جا سکتا ہے!

پھر امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو صرف شرف صحبت ہی نہیں بلکہ شرف روایت بھی حاصل ہے۔

امام بخاریؒ نے کتاب العلم میں یہ باب قائم فرمایا ہے:

"باب متی یصح سماع الصغیر"

یعنی کم سن بچے کا سماع کب صحیح قرار دیا جائے گا؟ اور اس میں انہوں نے محمود بن الربیعؓ کی یہ روایت ذکر کی ہے:

ترجمہ: مجھے نبی ﷺ کی یہ بات یاد ہے کہ آپؐ نے ڈول سے پانی لے کر میرے منہ پر کلی فرمائی تھی، میں (اس وقت) پانچ برس کا تھا" (بخاری: ۱/۱۷)

امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ کم سن بچہ اگر سمجھ دار ہے، خواہ پانچ سال کا ہو، اس کا سماع معتبر ہے، اس کی روایت قبول کی جائے گی۔

امام حسنؓ اور امام حسینؓ کا فہم وشعور محتاج کلام نہیں:

بالائے سرش ز ہو شمندی
می تافت ستارۂ بلندی

اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت امام حسنؓ کی عمر سوا سات سال اور امام حسینؓ کی عمر ساڑھے چھ سال سے زیادہ تھی، چنانچہ جوانان جنت کے ان دونوں سرداروںؓ کی روایات محدثین نے صحیح تسلیم کی ہیں اور اپنے مجموعوں میں نقل کی ہیں۔ سب سے زیادہ مرویات امام اہل السنۃ احمد بن حنبلؒ نے اپنے مسند میں روایت کی ہیں۔

ان میں سے کچھ روایات گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہیں، ایک روایت یہاں ذکر کی جارہی ہے، جو سانحۂ کربلا سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔

امام ابن ماجہؒ اپنی سند سے سیدہ فاطمہ بنت الحسینؓ سے اور وہ اپنے والد گرامی امام حسینؓ سے روایت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"جسے کوئی مصیبت پہنچی پھر کبھی اسے اپنی مصیبت یاد آئی اور اس نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ لیا، اگرچہ یہ مصیبت عہد قدیم میں واقع ہوئی ہو، تو اللہ تعالیٰ اسے اتنا ہی اجر عطا فرماتا ہے، جتنا روز مصیبت عطا فرمایا تھا"۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۱۵)

امام حسینؓ پر مصیبت واقع ہوئی تھی اور اس مصیبت سے صرف اہل بیتؓ نہیں، پوری امت نے متاثر ہونا تھا اور پھر اس مصیبت کا تذکرہ دنوں، مہینوں اور سالوں

نہیں، تا قیامت ہونا تھا، اس پس منظر میں امام حسینؓ کی زبان سے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان مستقل دلیل نبوت ہے۔

اور مصیبت کے موقع پر جو لوگ انا للہ وانا الیه راجعون کہتے ہیں قرآن مجید کی روشنی میں ''انہی لوگوں پر ان کے رب کی خاص عنایتیں اور رحمت ہوتی ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہوتے ہیں'' (البقرۃ:۱۵۷)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مومن مصیبت کے موقع پر اپنے بھائی سے تعزیت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے عزت و کرامت کا لباس پہنائے گا''
(سنن ابن ماجہ:۱۱۵)

قرآن مجید اور ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آداب شرع کی رعایت رکھتے ہوئے مصائب امامؓ کا ذکر عین ہدایت ہے اور اس سے دنیا اور آخرت میں رحمتیں اور کرامتیں حاصل ہوتی ہیں۔

اور روایت بالا سے جہاں امام حسینؓ کی شان تحدیث ظاہر ہوتی ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و سنت کا چرچا آلِ اطہارؓ کے صرف مردوں تک محدود نہیں تھا، بلکہ اس گھرانے کی عفت مآب خواتین بھی علم نبوت سے آراستہ تھیں۔

اور ایسا کیوں نہ ہوتا؟ قرآن خود فرماتا ہے:

''وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ''(الاحزاب:۳۴)

سنن بیہقی: ۲/ ۳۰۷ پر مذکور ہے:

''حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ''مریض اگر ہو سکے کھڑا ہو کر نماز پڑھے، اگر کھڑا نہ ہو سکے تو بیٹھ کر نماز پڑھے، پھر اگر سجدہ نہ کر سکے تو اشارہ کرے اور سجدے کا اشارہ رکوع کے اشارے سے

پست کرے، اور اگر بیٹھ کر بھی نماز نہ پڑھ سکے تو قبلہ رخ ہو کر دائیں پہلو پر لیٹ کر نماز پڑھے اور اگر دائیں پہلو پر لیٹنا بھی بس میں نہ ہو، تو چت لیٹ کر نماز پڑھے، اس طرح کہ اس کے پاؤں قبلے کی سمت ہوں"۔

یہ روایت "الفقه الحنفي وأدلته": ۱/ ۲۵۰ پر مریض کی نماز کے باب میں حکم کی دلیل اور تفصیل کے طور پر ذکر کی گئی ہے۔

اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ امام حسنؓ اور امام حسینؓ نہ صرف صحابی ہیں بلکہ صاحب روایت بھی ہیں اور آپؓ کی روایات سے فقہاً استدلال بھی کرتے ہیں!

خیال رہے کہ یہ تمام بحث اُن قواعد کی روشنی میں ہے جن کے تحت ایک عام شخص صحابی قرار پاتا ہے۔

امام حسنؓ اور امام حسینؓ کی شخصیت ان قواعد سے بالا ہے، یہ حضرات خاص حیثیت کے حامل ہیں۔

صحابیت کے یہ اصول بالفرض آپؓ کی شخصیت پر منطبق نہ ہوتے تو بھی آپؓ کا مقام صحابی کے مقام سے فزوں تر ہی رہتا۔ اس لیے ان پاکیزہ نہاد شخصیات کو عمومی قواعد سے ہٹ کر پڑھنا اور پرکھنا چاہیے۔

خود رسول اللہ ﷺ نے بچپن میں حسنین کریمینؓ کو خاص حیثیت عطا فرمائی۔

آیئے ایک دو واقعے اس حوالے سے پڑھتے ہیں!

رسول اللہ ﷺ نے امام حسنؓ اور امام حسینؓ سے خصوصی بیعت لی

ترجمہ: امام جعفرؒ اپنے والد امام محمد باقرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ نے حسن وحسین، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر سے بیعت لی، جبکہ یہ نابالغ بچے تھے۔ آپؐ نے ہمارے سوا کسی بچے سے بیعت نہیں لی" (البدایہ والنہایہ: ۸/۲۲۶)

امام حسنؓ اور امام حسینؓ کی خصوصی گواہی

محمد بن سعد لکھتے ہیں:

ترجمہ: ''آپ خطوط پر کبھی گواہ کا نام بھی لکھواتے تھے، کبھی ایک گواہ، کبھی دو، کبھی زیادہ، ایک خط پر حسنؓ اور حسینؓ کی گواہی موجود ہے'' (الطبقات الکبریٰ:۲۸۹/۱)

دیکھیے کم سنی کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے آپؓ کی گواہی کو معتبر قرار دیا، اس سے امت میں آپؓ کی خاص حیثیت ظاہر ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے خصوصی قرابت

محمد بن سعد بصری زہری لکھتے ہیں:

ترجمہ: ''حضرت علیؓ ہر سال منادی کراتے تھے کہ جس کسی کا رسول اللہ ﷺ پر کوئی حق ہو، وہ ہم سے طلب کرے۔

پھر حسنؓ اور حسینؓ نے بھی یہی عمل جاری رکھا''۔ (الطبقات الکبریٰ:۳۱۹/۲)

یزیدی سند مردود ہے

امام حسینؓ کا علمی و روحانی مقام ہم پڑھ چکے، اب یزید کا حال بھی پڑھ لیجئے۔

ابوالفرج ابن الجوزیؒ اپنی کتاب **''المنتظم فی تواریخ الملوک والامم''** میں لکھتے ہیں:

''یزید نے اپنے والدؓ کی وساطت سے رسول اللہ ﷺ سے حدیث روایت کی ہے اور یزید تک ہماری سند بھی متصل ہے، لیکن امام احمد سے پوچھا گیا:

کیا یزید سے حدیث روایت کی جا سکتی ہے؟

فرمایا: نہیں، اس میں کوئی عزت نہیں۔

اس لیے ہم نے یزید کی وساطت سے کوئی حدیث روایت نہیں کی''

(الحسینؓ حفیداً و شهیداً: ۳۲)

ان جلیل القدر ائمہ حدیث کی اِس احتیاط سے یزید کی شخصیت کو سمجھنا اور واقعۂ کربلا کے بارے میں صحیح نتیجے تک پہنچنا ہمارے لیے آسان ہو جاتا ہے۔

یزید کے بارے میں چند اکابر علماً کی آراً

یزید کی شخصیت کے بارے میں صحابہ کرامؓ اور اکابر علماو فقہا کی آراً گذشتہ صفحات میں آپ نے پڑھیں، مزید چند آراً ملاحظہ کیجئے:

☆ مسندالھند شاہ ولی اللہ دھلویؒ (۱۱۱۴ھ۔۱۱۷۶ھ) رقمطراز ہیں:

ترجمہ: ''یزید شام میں اور مختار عراق میں داعیان ضلالت تھے...... بالاتفاق قرون خیر میں کچھ لوگ منافق یا فاسق تھے، حجاج بن یوسف، یزید بن معاویہؓ اور مختار ثقفی اسی ٹولے میں شامل ہیں''۔ (حجۃ اللہ البالغہ: ۲/۲۱۳، ۲/۲۱۵)

خیال رہے کہ ابوعبید بن مسعود الثقفیؓ جلیل القدر صحابی ہیں اور مختار انہی کا بیٹا ہے۔

☆ مشہور محدث اور فقیہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۱۴۳ھ۔۱۲۲۵ھ) سورۃ النور، آیۂ استخلاف: ۵۵ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اس آیت میں جن مؤمنین صالحین سے خلافت کا وعدہ فرمایا گیا، ان کا مصداقِ اولین خلفاء راشدینؓ ہیں اور آیت کے آخر میں یہ جو فرمایا:

''ومن کفر بعدذلک فاولٰئک ھم الفاسقون'' (النور: ۵۵)

ترجمہ: ''اور اس کے بعد جس نے کفر کیا تو یہی لوگ فاسق ہیں''۔

یہ یزید بن معاویہؓ کی طرف اشارہ ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے نواسےؓ اور اہل بیتؓ نبوی کو قتل کیا، آپ کی عترت کی توہین کی اور اس پر فخر کیا''۔

(تفسیر مظہری: ۶/۵۵۴)

☆ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تحقیق و اثبات شہادت امام حسینؓ کے عنوان سے مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ کے نام اپنے ایک مکتوبِ فارسی میں

تحریر فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''جس وقت امیر معاویہؓ نے یزید پلید کو اپنا ولی عہد بنایا تھا تو وہ علانیہ فاسق نہ تھا'' (ص:۷۶)

''پوشیدہ خرابیوں کی وجہ سے، جو یزید میں پائی جاتی تھیں، وہ فضیلتوں سے محروم رہا، جس طرح منافقین اللہ کی رضا سے محروم رہے۔'' (ص:۷۷)

''امیر معاویہؓ کے انتقال کے بعد یزید نے پر پُرزے نکالنے شروع کیے، خواہش نفس کا اسیر ہو گیا، ہاتھوں میں جام آ گیا، علانیہ فاسق ہو گیا، نماز ترک کر دی، اور ہم نے جو اصول بیان کیے ہیں، ان کی روشنی میں وہ اس قابل تھا کہ اسے معزول کر دیا جاتا'' (ص:۷۸)

''حضرت امام حسینؓ سید الشہداء کی جان نازنین پر جو کچھ گذرا، وہ سب جانتے ہیں، باعث اس کا فقط حق گوئی تھا، ورنہ یزید کا کلمہ کہہ دیتے تو جان کی جان بچتی اور الٹا مال و دولت اور اعزاز و اکرام ہوتا''۔ (ہدیۃ الشیعہ :۱۷۳)

''حضرت امام حسینؓ یزید پلید سے خلافت مغصوبہ کے طالب ہوئے، یہاں تک کہ نوبت شہادت کو پہنچی'' (ہدیۃ الشیعہ :۲۸۱)

☆ ہمارے اسلاف عموماً یزید کو پلید کے لاحقے کے ساتھ لکھتے اور بولتے تھے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امت میں ایسا خبیث النفس کوئی اور نہیں ہوا۔

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ حضرت خواجہ غلام فرید فاروقی چشتیؒ کی مدح میں فرماتے ہیں:

''دیگراں بخیہ کار و خواجۂ ما
جامۂ عشق پارہ پارہ درید
سرمۂ چشم شد بخاری را
خاکِ پائے غلامِ خواجہ فرید

حسرتے از دلِ ندیم نہ رفت
کہ نصیبش نہ شد نگاہِ فرید
ہر کہ بدگفت خواجۂ مارا
ہست اُو بے گماں یزید پلید''

(سواطع الالہام:۱۰۲،۱۰۳)

سراپا دنیا،سراپا دین

نقشبندی سلسلے کے ایک شیخ ہوئے ہیں حضرت مولانا محمد یارؒ، جھنگ سے تعلق رکھتے تھے، ابھی چند سال پہلے انتقال ہوا ہے، عجب صاحب جذب بزرگ تھے، فقیر کو متعدد باران کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، ان کی سوانح حیات میں ان کا ایک ملفوظ ہے:

''حدیث نبوی ہے کہ ''دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے''۔

دنیا میں جتنے مظالم ہوتے ہیں، وہ سب حبِّ دنیا کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

اگر سراپا دنیا دیکھنی ہو تو شمر اور ابن زیاد کو دیکھ لیں اور سراپا دین دیکھنا ہو تو سیدنا حسینؓ کو دیکھ لیں''

(یاد یار مہربان آید ہے:۹۷)

تاریخ انبیاء علیہم السلام کی سب سے بڑی قربانی

ہر دور میں حق کے سب سے بڑے علمبردار انبیاء علیھم السلام رہے اور حق کی خاطر ہمیشہ بڑی قربانی انبیاءؑ اور ان کے اہل بیت نے دی، کبھی خاندان کا مقاطعہ، کبھی معاشی تکلیفیں، کبھی ترک وطن، کبھی ذہنی اذیتیں اور کبھی جان کا نذرانہ، انبیاء کرام علیھم السلام کی تاریخ ان قربانیوں سے روشن نظر آتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے اہل بیتؓ نے بھی دین کی خاطر ہر نوع کی قربانی دی، لیکن جان کی جتنی بڑی قربانی آپؐ کے اہل بیتؓ نے، گویا آپؐ نے، دی، انبیاء کرام علیھم السلام کی پوری تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

سیدنا حمزہؓ کی دردناک شہادت کی نظیر کوئی کہاں سے لائے گا اور سیدنا جعفرؓ کی طرح شہید ہو کر طیّار کا اعزاز اور کون پائے گا! یہ شہادتیں کفر وشرک کے مقابلے میں تھیں۔

پھر ظلم و جور اور ملوکیت کے مقابلے میں پہلے شہر کوفہ میں مسلمؓ بن عقیلؓ اور اس کے بعد سرزمین کربلا پر تیئیس (۲۳) اہل بیتؓ اور کئی متعلقین کی اس انداز میں شہادت کہ گلشن نبوت کے پھولوں کو بھوکا پیاسا رکھ کر پہلے شہید کیا گیا پھر گھوڑوں کے سموں تلے روندا گیا......اور امیر المؤمنین سیدنا علیؓ اور امیر المؤمنین سیدنا حسنؓ کی شہادتیں بھی تو اُسی حق کی راہ میں تھیں، جس حق کی خاطر کربلا کا سانحہ رونما ہوا......پھر ان شہداء میں عمر رسیدہ بوڑھوں اور کڑیل جوانوں کے ساتھ شیر خوار بچے بھی شامل ہیں......علاوہ ازیں سیدنا حمزہؓ اور سیدنا جعفرؓ کو چھوڑ کر باقی تمام شہادتیں اُن لوگوں کے ہاتھوں ہوئیں، جو ایمان کا دعوی رکھتے تھے اور محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوۃ وسلام پڑھتے تھے......اس طرح اِس قربانی میں جسمانی شہادت کے ساتھ شدید ذہنی اذیت بھی داخل ہے۔

ان کیفیتوں کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے اہل بیت اطہارؓ کی جانی قربانی ستائیس (۲۷) جانوں پر مشتمل ہے۔

انبیاء کرامؑ کی پوری تاریخ میں اتنی بڑی قربانی آپ کو کہیں نہیں ملے گی، اور جس کی قربانی سب سے بڑی اس کا مقام بھی سب سے بڑا! صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم

یہاں ہم سانحۂ کربلا میں مقام شہادت پانے والے اہل بیتؓ کے اسماء گرامی اور تعداد رقم کر رہے ہیں اور اس تفصیل کا اہم ماخذ امام طبرانیؒ کی معجم کبیر ہے:

☆ امیر المومنین سیدنا علیؓ ابن طالب کے آٹھ فرزند:

(۱) امام حسین بن علی
(۲) عباس بن علی
(۳) جعفر بن علی
(۴) عبداللہ بن علی
(۵) عثمان بن علی
(۶) محمد بن علی
(۷) ابو بکر بن علی
(۸) ابراہیم بن علی (کما فی الامامۃ والسیاسۃ: ۲/۷)

☆ امام حسینؓ کے تین فرزند:

(۹) علی بن حسین — آپ علی اکبر کے نام سے مشہور ہیں۔
(۱۰) علی بن حسین — آپ علی اصغر کے نام سے معروف ہیں۔

(الحسنؓ والحسینؓ: ۷۸)

(۱۱) عبداللہ بن حسین

☆ امام حسنؓ کے تین فرزند:

(۱۲) ابوبکر بن حسن

(۱۳) عبداللہ بن حسن

(۱۴) قاسم بن حسن

☆ عبداللہ بن جعفرؓ بن ابی طالب کے دو فرزند:

(۱۵) عون بن عبداللہ

(۱۶) محمد بن عبداللہ

☆ عقیلؓ بن ابی طالب کے چار فرزند:

(۱۷) جعفر بن عقیل

(۱۸) عبدالرحمٰن بن عقیل

(۱۹) عبداللہ بن عقیل

(۲۰) مسلم بن عقیل......آپؓ کوفہ میں شہید ہوئے۔

☆ مسلم بن عقیل کے دو فرزند:

(۲۱) عبداللہ بن مسلم

(۲۲) عبدالرحمٰن بن مسلم (کمارو ی ابن کثیرؒ، الحسین حفید أو شهيد أ:۲۵۶)

☆ ابوسعید بن عقیل کے فرزند:

(۲۳) محمد بن ابی سعید

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔"مولی القوم من أنفسهم"(مشکوۃ مع مرقاۃ ۱۶۹/۴عن الترمذی والنسائی وابی داؤد) یعنی قوم کا مولیٰ (آزاد کردہ غلام) انہی میں شمار ہوتا ہے،اس طرح درج ذیل دو موالی بھی شہداء اہل بیت میں محسوب ہوں گے:

(۱) سلیمان بن زرین (غلامِ حسینؓ)
(۲) منجح بن سھم (غلامِ حسنؓ)

☆ امام حسینؓ کا رضاعی بھائی:
عبداللہ بن بقطر الحمیری

رضی اللہ عنهم اجمعین

امام زین العابدین علی بن حسینؓ (علی اوسط) کو اور حسن بن حسن بن علیؓ کو اور عمر بن حسن بن علیؓ کو کم سنی کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے انہی سے رسول اللہ ﷺ کی نسل جاری فرمائی۔ (الحسینؓ حفیداً و شهیداً:۱۶۸۔۱۶۹)

حسن بصریؒ نے فرمایا:"امام حسینؓ کے ساتھ آپؓ کے اہل بیت کے سولہ ایسے افراد شہید ہوئے کہ اس وقت روئے زمین پر اُن کی کوئی مثال نہ تھی"

(الحسین حفیداً و شهیداً:۲۵۷)

نوٹ:(۱) اس وقت میرے سامنے جو تاریخی مآخذ ہیں ان میں اہل بیتؓ کے یہی اسماء ہیں، جو اوپر مذکور ہوئے، لیکن میرے پاس کربلا کی ایک سی،ڈی ہے، اس میں "ابراہیم بن مسلم بن عقیل بن ابی طالب" اور "محمد بن مسلم بن عقیل بن ابی طالب" کے مزارات بھی دکھائی دیتے ہیں، نیز محمد رضا کی تالیف "الحسنؓ و الحسینؓ" کے محقق ڈاکٹر احمد ابوالشباب نے کتاب مذکور کے صفحہ:۱۳۴پر اپنے فٹ نوٹ میں شیعی مراجع کے حوالے سے شہداء کربلا میں "عمر بن علیؓ بن ابی طالب" اور "ابوبکر بن حسین

بن علیؓ کے اسماء بھی ذکر کیے ہیں۔ اس طرح ان چار کے ساتھ شہداء اہل بیتؓ کی تعداد اکتیس (۳۱) ہے، اور ایک رضاعی بھائی اور دو غلاموں کے ساتھ تعداد چونتیس (۳۴) ہو جاتی ہے۔

(۲) تاریخی مآخذ میں شہداء کے اسماء اور تعداد میں کافی الجھاؤ ہے، فقیر نے اس بارے میں بساط بھر تحقیق و تنقیح کی کوشش کی ہے۔ **فالحمد للہ علی ذلک**

وہ آپس میں رحیم

شہداء اہل بیتؓ کے اسماء گرامی آپ کے سامنے ہیں، ان میں سیدنا علیؓ بن ابی طالب کے بیٹوں میں ابوبکر اور عثمان ہیں اور آپؓ کے ایک فرزند کا نام عمر تھا۔ (المرتضیٰ: ۲۸۲) امام حسنؓ کے بیٹوں کے نام ابوبکر اور عمر ہیں، امام حسینؓ کے ایک بیٹے کا نام ابوبکر ہے۔

الٰہی یہ کیا ماجرا ہے؟

لوگ تو کہتے ہیں کہ اہل بیتؓ اور خلفاء ثلاثہؓ کے درمیان عداوت تھی، باہم بغض تھا، یہ ایک دوسرے سے نفرت کرتے تھے۔

آج بھی خلفاء ثلاثہؓ کی محبت میں غلو کرنے والے اپنی اولاد میں اہل بیتؓ کے نام نہیں رکھتے اور اہل بیتؓ کی محبت میں غلو کرنے والے خلفاء ثلاثہؓ کے ناموں سے بھاگتے ہیں۔

لیکن سیدنا علیؓ اور سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ نے اپنی اولاد کے نام خلفاء ثلاثہؓ کے ناموں پر رکھے، کیا کوئی دشمن کے نام پر اپنی اولاد کے نام رکھتا ہے!

علاوہ ازیں سیدنا علیؓ نے سیدنا ابوبکرؓ کی بیوہ اسماءؓ بنت عمیس سے نکاح کیا اور ابوبکرؓ کے بیٹے محمد کی پرورش کی، پھر اپنی بیٹی، دختر فاطمہؓ سیدہ ام کلثومؓ کا نکاح سیدنا عمرؓ سے کیا اور ایام فتنہ میں امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو سیدنا عثمانؓ کے گھر کے باہر حفاظت کے لیے مقرر فرمایا۔ (تاریخ اسلام، متعلقہ مقامات)

ان حقائق کا واضح نتیجہ یہ ہے کہ خلفاء ثلاثہؓ اور اہل بیتؓ کے درمیان عداوت ونفرت کی باتیں دشمنانِ اسلام کی اڑائی ہوئی ہیں، تاکہ اُن کے نام لیوا آپس میں لڑتے اور مرتے رہیں۔

کاش ہم خلفاء ثلاثہؓ اور اہل بیتؓ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں مرکز رحمت و محبت کی طرف پلٹ آئیں، ورنہ اس کارزارِ ہستی میں بقا مشکل ہے:

تم ہو آپس میں غضبناک، وہ آپس میں رحیم
تم خطا کار و خطابیں، وہ خطا پوش و کریم
چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم!

تختِ فغفور بھی اُن کا تھا، سریر کے بھی
یوں ہی باتیں ہیں، کہ تم میں وہ حمیت ہے بھی؟

خودکشی شیوہ تمہارا ، وہ غیور و خود دار
تم اخوت سے گریزاں، وہ اخوت پہ نثار
تم ہو گفتار سراپا، وہ سراپا کردار
تم ترستے ہو کلی کو، وہ گلستاں بکنار

اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت اُن کی
نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت اُن کی!

(اقبالؒ، جوابِ شکوہ)

رسول و آلِ رسول ﷺ کا مقام تسلیم و رضا

امتحان، امتحان ہی ہوتا ہے، لیکن کیفیت اور نوعیت بدلنے سے امتحان کی شدّت اور حدّت بھی بدل جاتی ہے۔

ابراہیمؑ سے خُلّت کا امتحان ہوا اور رسول اللہ ﷺ سے محبت کا، دونوں نے تسلیم و رضا کی اعلیٰ مثال قائم فرمائی! لیکن غور کیجئے تو رسول اللہ ﷺ کا امتحانِ محبت کئی اعتبار سے بڑھا ہوا ہے۔

سیدنا ابراہیمؑ سے خُلّت کا امتحان اکلوتے بیٹے کی قربانی کی فرمائش سے ہوا...... سورہ الصافات: ۱۰۲۔۱۱۰ میں یہ واقعہ تفصیل سے مذکور ہے...... اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کو شہادت حسینؓ کی خبر سے پرکھا گیا۔

ابراہیمؑ کو قربانی کا حکم خواب میں ملا، رسول اللہ ﷺ کو بیداری میں حسینؓ کی شہادت کی خبر دی گئی۔ جیسا کہ ام الفضلؓ اور ام سلمہؓ کی روایات سے معلوم ہوا۔

ابراہیمؑ کو اپنے بیٹے کی قربانی کا حکم ملا، رسول اللہ ﷺ کو بیٹی کے بیٹے کی شہادت کی خبر ملی۔ اپنے بیٹے کا صدمہ صرف اپنے تک محدود رہتا ہے، نواسے کا صدمہ اپنے ساتھ بیٹی کو بھی دل فگار کر دیتا ہے، یہ صدمہ کئی صدموں کا مجموعہ ہوتا ہے۔

ابراہیمؑ نے یہ خواب تین رات دیکھا...... جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے...... تیسرے دن قربانی کر دی، وقت امتحان پورا ہو گیا۔

امام حسینؓ ۵ شعبان ۴ھ کو پیدا ہوئے اور ۱۰ محرم ۶۱ھ کو شہید ہوئے۔ چھپن (۵۶) سال پانچ ماہ، پانچ دن عمر مبارک ہے، اس عمر میں ۶ سال، ۷ ماہ، ۷ دن آغوش رسالت میں بسر ہوئے۔ دوران رضاعت ہی میں رسول اللہ ﷺ حسینؓ کی شہادت سے آگاہ ہو چکے تھے۔ ابتدائی چند ماہ چھوڑ دیے جائیں تو خبر شہادت کے بعد رسول ﷺ نے ۶ سال اور آل رسول ﷺ نے ۵۶ سال انتظار شہادت میں گذارے۔

اتنا طویل امتحان، اللہ اکبر ! لا الٰہ الا اللہ!

ابراہیمؑ نے قربانی خود اپنے ہاتھ سے کی اور عزت وتکریم سے کی، حسینؓ کے بارے میں یہ خبر دی گئی کہ اسے دوسرے لوگ قتل کریں گے اور دوسرے بھی پرائے نہیں اپنے، آپؑ کے نام کا کلمہ پڑھتے ہوں گے اور آپؑ کے جگر گوشہ کو قتل کریں گے اور ظلم وستم کی ساری جاہلی رسمیں اس کے جسم پر، نہیں آپؑ کے جسم پر، پوری کریں گے اور سینوں میں دبی بغض وکینہ کی پرانی آگ کو ٹھنڈا کریں گے۔

ابراہیمؑ کی قربانی کے ثمرات صرف ذات تک محدود رہتے ہیں، رسول اور آل رسول علیہم السلام کی قربانی کے اثرات اسلام کے پورے سیاسی نظام پر پڑتے ہیں اور پوری امت اس کے ثمرات سے بہرہ یاب ہوتی ہے۔

اس طرح رسول وآل رسول علیہم السلام کی قربانی اپنے جدامجد کی قربانی سے کئی اعتبار سے فوقیت رکھتی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو؟ ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے قربانی کی جو طرحِ نو ڈالی تھی، حسین علیہ السلام نے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا:

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ، ابتدا ہے اسماعیلؑ

اور جس کی قربانی سب سے اونچی، اس کا مقام بھی سب سے اونچا!

ابراہیمؑ کو قربانی کا صلہ یہ ملا کہ آئندہ نسلیں انہیں ہدیۂ سلام پیش کریں گی، چنانچہ کر رہی ہیں!

رسول اللہ ﷺ کو قربانیوں کی جزا یہ عطا ہوئی:

"ورفعنا لک ذکرک"

چنانچہ آج زمین کی گہرائیوں سے، آسمان کی بلندیوں سے، کائنات کے تمام کناروں سے ایک ہی آواز بلند ہو رہی ہے:

اللھم صل علی محمد و آلہ و بارک وسلم

امام حسینؓ کی شخصیت اور موقف کو قرآن و حدیث کی روشنی میں پڑھنا چاہیے

قرآن و حدیث کا تمام ذخیرہ اہل بیتؓ کی منقبت بیان کر رہا ہے، البتہ یزیدی امارت قرآنی وعیدوں کی زد میں بھی آتی ہے اور حدیثی پیشگوئیوں کا مصداق بھی ٹھہرتی ہے، جن میں اس امارت کو لعنت سے سرفراز کیا گیا ہے۔

رہی تاریخ! اس میں آزاد مؤرخین امام حسینؓ کے موقف کی تائید کرتے ہیں، اور جہاں ملوکیت نے شب خون مارا، مورخ کے قلم کو پابند کر دیا، وہاں آپ کو یزید کی تعریف بھی مل جائے گی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد جو دور آیا، اس میں اہل بیتؓ کی کردار کشی کی گئی، بالکل اسی انداز میں، جیسے آجکل مخالفین کی ہوتی ہے۔ اموی دور میں خاص طور پر ایسا ہوا، عباسی دور میں بھی اہل بیتؓ سے کچھ بہتر سلوک نہیں ہوا۔ ان ادوار میں ایک مہم کے طور پر اہل بیتؓ کے مثالب اور حکومتِ وقت کے مناقب پھیلائے گئے۔

یہ تو حق پرست علما اور محدثین جان پر کھیل کر اگر اہل بیتؓ کے مناقب محفوظ نہ کرتے تو حقیقت تاریخ کے دھندلکوں میں ایسے ہی گم ہو جاتی جیسے قرآن سے پہلے حضرت مسیحؑ کی شخصیت اندھیروں میں گم تھی، اور جیسے اب مسیحؑ کے بارے میں صرف وہی روایات قابل قبول ہیں، جو قرآن کے مطابق ہوں، اسی طرح اہل بیتؓ کے بارے میں بھی صرف وہی روایات قبول کی جائیں گی، جو قرآن و حدیث کے مطابق ہوں۔ اہل بیتؓ کے بارے میں تاریخ کی جتنی روایات قرآن و حدیث سے ٹکراتی ہیں، مردود ہیں۔

جن لوگوں نے زندگی میں رُو در رُو کردار کشی اور توہین کی ہو، انہوں نے پس پشت کیا کچھ نہیں کیا ہوگا؟!

آیا یزید منصب خلافت پر فائز ہو چکا تھا؟

تحریر: سید ابوبکر غزنویؒ
سابق وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

بعض حامیانِ بنوامیہ کہتے ہیں کہ یزید منصب خلافت پر فائز ہو چکا تھا اور سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر شرعاً واجب تھا کہ اس کے ہاتھ پر بیعت کرتے، اس کے خلاف خروج کرنا حضرت امام حسینؓ کے لیے جائز نہ تھا اور خروج کرنے والے کی سزا تو قتل ہی ہے!

اس الزام کو ثابت کرنے کے لیے وہ احادیث واقوال کے انبار لگا دیتے ہیں:

حضور ﷺ نے فرمایا:

"من أتاكم وأمركم على رجل واحد يريد أن يفرق جماعتكم فاقتلوه" (صحیح مسلم: کتاب الامارۃ)

یعنی "جب تم کسی شخص کی خلافت پر اکٹھے ہو جاؤ اور کوئی دوسرا مدعیٔ خلافت تمہارا شیرازہ بکھیرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہو تو اسے قتل کر دو"۔

پھر بعض حضرت حذیفہؓ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

"تكون بعدي ائمة لا يهتدون بهداي ولا يستنون بسنتي وسيقوم فيهم رجال قلوبهم قلوب الشياطين في جثمان إنس. قال: قلت كيف أصنع يا رسول الله إن أدركت ذلك؟ قال: تسمع و تطيع و إن ضرب ظهرك و أخذ مالك فاسمع وأطع" (منداحمد، مسلم: کتاب الامارۃ)

یعنی "میرے بعد ایسے امام ہوں گے جو میرا طور طریق چھوڑ دیں گے، میری سنت پر نہیں چلیں گے، اور عنقریب ان میں ایسے

لوگ حکمران ہوں گے کہ اُن کا جسم تو انسانوں کا ہوگا، مگر دل
شیطان کا سا۔ حذیفہؓ کہتے ہیں، میں نے پوچھا: اگر میں ایسا
زمانہ پاؤں تو کیا کروں؟ فرمایا: سنو اور اطاعت کرو، اگرچہ
تمہاری پیٹھ پر تازیانے لگائے جائیں اور تمہارا مال چھین لیا
جائے تب بھی ان کی سنو اور اطاعت کرو''۔

اس میں شک نہیں کہ ایسی احادیث کثرت سے ملتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی کی خلافت پر امت کا اجماع ہو جائے تو جنگ و قتال سے بچنے کی خاطر اور ملی اتحاد و یگانگت قائم رکھنے کے لیے اُس کی اطاعت سے روگردانی جائز نہیں ہے، اگرچہ وہ خلیفہ اہلیت واستحقاق کے اعتبار سے اسلام کے ٹھیرائے ہوئے معیار پر پورا نہ اترتا ہو یا فقہی اصطلاح میں یوں کہیے کہ وہ جامع الشروط نہ ہو۔

آیئے اب ہم دیکھیں:

۱۔ آیا یزید منصب خلافت پر فائز تھا؟ کیا اس کے منصب پر خلافت کا اطلاق بھی ہوسکتا ہے؟

۲۔ کیا اس کی حکومت پر امت کا اجماع ہو گیا تھا؟

۳۔ کیا حضرت حسینؓ نے اس پر خروج کیا تھا؟

خلفائے راشدینؓ کے انتخاب پر ایک نظر

ہم خلفائے راشدینؓ کے انتخاب اور یزید کے تقرر کی تاریخ پر ایک نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کیا یزید کی حکومت پر خلافت کا اطلاق ہوتا ہے؟

۱۔ خلیفۂ اولؓ کا انتخاب

حضور اکرم ﷺ نے اپنا جانشین خود مقرر نہیں کیا بلکہ انتخاب امت کی مرضی پر چھوڑ دیا۔

سقیفۂ بنو ساعدہ میں صدہا صحابیؓ اکٹھے ہوئے، مہاجرین و انصارؓ کی آپس میں تیز تیز بحثیں ہوئیں، اور آخر سب نے متفقہ طور پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اگلے روز آپ مسجد نبوی میں منبر پر تشریف فرما ہوئے اور عامۃ الناس نے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (البدایہ والنھایہ: ۲۴۸/۵)

۲۔ خلیفۂ دومؓ کا انتخاب

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کا نام ارباب حل وعقد کے سامنے پیش کیا۔

عبدالرحمانؓ ابن عوف، عمرؓ بن خطاب، علیؓ ابن ابی طالب، سعیدؓ ابن زید، ابو الاعورؓ، اسید بن حضیرؓ، اس شوریٰ کے ممتاز افراد تھے اور یہ وہ لوگ تھے جنہیں عوام اپنا نمائندہ سمجھتے تھے۔ ارباب حل وعقد نے پوری آزادی کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کیا۔

صدیق اکبرؓ نے شوریٰ کے بعد مجوزہ نام رائے عامہ حاصل کرنے کے لیے عوام کے سامنے پیش کیا اور ان سے پوچھا أفترضون به؟ کیا آپ ان کے حق میں ووٹ دیتے ہیں؟ تجویز پر غور کرنے کے بعد سب لوگوں نے کہا: قد رضینا ہم اس تجویز کو منظور کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے تو للکار کر کہا تھا کہ ہم عمرؓ بن خطاب کے علاوہ کسی اور شخص پر رضامند نہیں ہوں گے۔

(اسد الغابہ: ۶۹/۴، ۷۰ تاریخ الامم والملوک للطبری: ۵۱/۴، ۵۲)

یہ جو حضرت صدیقؓ اکبر نے حضرت عمرؓ کا نام پیش کیا تو یہ محض ایک تجویز تھی قطعی حکم نہ تھا۔ اگر یہ قطعی حکم ہوتا تو شوریٰ کیوں طلب کیا تھا اور عوام سے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی کہ: أفترضون به؟

۳۔ خلیفۂ سومؓ کا انتخاب

حضرت عثمانؓ کا انتخاب بھی استصواب رائے عامہ سے ہوا۔ حضرت عمرؓ مجوسی غلام کے خنجر سے زخمی ہوئے تو فوراً مجلس شوریٰ کا انتخاب کیا

(اس مجلس شوریٰ کے ارکان یہ تھے: علیؓ بن ابی طالب، عثمانؓ بن عفان، سعدؓ بن ابی وقاص، عبدالرحمانؓ بن عوف، زبیرؓ بن عوام، طلحہؓ بن عبیداللہ اور عبداللہ بن عمرؓ (تاریخ الاسلام، ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن، ۲۵۴/۱ قاہرہ)

آپ نے مجلس شوریٰ کے ارکان سے فرمایا: میں نے تمہیں مجلس شوریٰ کا رکن محض اس لیے بنایا ہے کہ تم عوام الناس کے سردار ہو اور انہوں نے اپنی قیادت کی زمام تمہارے ہاتھ میں دے رکھی ہے۔ مجھے اطمینان ہے کہ لوگ تم پر اعتماد رکھتے ہیں، اس لیے کہ وہ آگاہ ہیں کہ حضور اکرم ﷺ زندگی بھر تم سے خوشنود رہے ہیں۔"

(تاریخ طبری: ۳۴،۳۵/۵)

آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں صاف کہہ دیا تھا: "لیس له من الا مرشیء" خلافت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے (اسد الغابہ: ۷۵/۴)

(یہ بات قابل غور ہے کہ بیٹے کو مجلس شوریٰ میں تو شامل فرمایا، لیکن اہلیت کے باوجود انہیں منصب خلافت سے الگ رکھنے کی وصیت فرمائی! یہ فیصلہ حضرت عمر فاروقؓ کی دور اندیشی اور حزم و احتیاط کی زریں مثال ہے)

مجلس شوریٰ نے حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف کو اختیار دیا کہ وہ جمہوری مشورے کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں۔ تین دن اور تین راتیں مسلسل استصواب رائے عامہ کے بعد حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کا اعلان کیا تھا۔

ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: ازدحم الناس یبایعون عثمانؓ حتی غشوه تحت المنبر "بیعت کرنے کی غرض سے لوگوں نے حضرت عثمانؓ پر ہجوم کیا حتیٰ کہ منبر کے پاس انہیں ڈھانپ لیا"۔ (البدایہ والنھایہ: ۱۴۵/۷، ۱۴۶)

ابن اثیر نے زید بن وھب سے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حکومت کو خاندانی میراث نہیں سمجھا ورنہ وہ اپنے بیٹے کو امیر نامزد کرتے (اسد الغابہ)

۴۔خلیفۂ چہارمؓ کا انتخاب

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد لوگوں نے حضرت علیؓ سے درخواست کی کہ منصب خلافت آپ سنبھالیے! حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا: مجھے امیر مت بناؤ، بہتر یہی ہے کہ تم مجھے وزیر بنالو۔لوگوں نے جب پیہم اصرار کیا تو آپ نے فرمایا: ففی المسجد، فان بیعتی لا تکون خفیا ولا تکون إلا عن رضی المسلمین" تو فیصلہ مسجد میں ہوگا، میری بیعت نہ چوری چھپے ہوسکتی ہے نہ مسلمانوں کی رضامندی کے بغیر ہی۔ (تاریخ الامم والملوک،طبری،۱۵۲/۵)

(امام حسنؓ کا انتخاب

اسی طرح امیر المؤمنین سیدنا علیؓ سے زخمی ہونے کی حالت میں جب عرض کیا گیا کہ "آپ خلیفہ کیوں نہیں مقرر کردیتے؟"

تو فرمایا "لا ولکن اترککم کما ترککم رسول الله" "نہیں میں تمہیں ویسے ہی چھوڑوں گا، جیسے رسول ﷺ نے تمہیں چھوڑا تھا"۔

عرض کیا گیا: اگر اللہ نے پوچھ لیا کہ امت کو بے سہارا کیوں چھوڑ آئے! فرمایا: عرض کروں گا، جب تک آپ نے مجھے زندہ رکھا، میں، بقدر استطاعت، اصلاح کی کوشش کرتا رہا، اور جب آپ نے مجھے بلالیا تو میں ذمہ داری سے بری ہوا۔" (ابن کثیر: ۳۲۳/۷)

یہ تقریباً وہی جواب ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام استفسار پر بروز قیامت بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے۔کہ (ترجمہ) "جب تک میں ان میں رہا، انہیں دیکھتا بھالتا رہا، پھر جب آپ نے مجھے اٹھالیا تو آپ ہی ان کے نگران تھے اور آپ تو ہر چیز کی خبر رکھتے ہیں" (المائدہ: ۱۱۷)

رسول خدا ﷺ نے سیدنا علیؓ سے فرمایا تھا "فیک مثل من عیسی" تجھ میں عیسی کی کچھ شان پائی جاتی ہے" (مسند احمد، مشکوۃ: ۵۶۵) اس شان کا ایک ظہور جواب مذکور میں بھی ہوا!

بہرکیف! سیدنا علیؓ نے اہلیت کے باوجود اپنے بیٹے یا کسی دوسرے کو خلیفہ نامزد کرنے سے صریح انکار فرمایا۔ اور آپ کی وفات کے بعد عوام نے بیعت عامہ سے سیدنا حسنؓ کو خلیفہ منتخب کیا۔ ابن کثیر، ۱۴/۸)

پس خلافت راشدہ کا ہر ہر ورق یہ گواہی دیتا ہے کہ اسلامی نظام حکومت میں خلیفہ کا انتخاب جمہور کے باہم فیصلے سے ہوتا ہے، اہلیت و استحقاق کی بنا پر ہوتا ہے، خاندانی وراثت کے اصول پر نہیں ہوتا۔

وہ ملوکیت ہی ہے جو خاندانی وراثت کی بنا پر ملتی ہے، اور وہ ولی عہدی ہی ہے جس کا تقرر جمہوری مشورے کے بغیر ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا اعلان حقیقت

حضرت عمرؓ نے تو صاف کہہ دیا تھا: "**لاخلافة إلا عن مشورة**" عام مشورے کے بغیر خلافت کا قیام نہیں ہو سکتا، (کنز العمال: ۳/۱۲۹)

اور "**من بويع عن غير مشورة المسلمين فانه لا بيعة له**" "جس کی عامۃ المسلمین کے مشورہ کے بغیر بیعت کی گئی تو اُس کی بیعت نہ ہونے کے برابر ہے"۔
(تاریخ طبری ۵/۳۴،۳۹)

حضرت علیؓ مرتضے کا اظہار حقیقت

امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کو لکھا تھا کہ تمہیں خلیفہ کس نے بنایا؟
حضرت علیؓ مرتضے نے جواب دیا تھا:

"**انه بايعني القوم الذين بايعوا أبابكر و عمر و عثمان على ما بايعوهم عليه فلم يكن للشاهد أن يختار و لا للغائب أن يرد و انما الشورىٰ للمهاجرين والا نصار فإن اجتمعوا على رجل وسموه اماماً كان ذلك رضیً لله**" (نہج البلاغۃ: ۲/۷ مصر)

"جس قوم نے ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کی بیعت کی تھی اور جن شرائط پر کی تھی اسی قوم نے انہی شرائط پر میری بیعت بھی کی ہے۔ لہٰذا جو (مجلس انتخاب میں) موجود تھا، اب اسے بیعت توڑنے

کا اختیار نہیں اور جو غائب تھا اسے بیعت رد کرنے کا اختیار
نہیں۔ اور شوریٰ کا حق صرف مہاجرین و انصار کو ہے، وہ اگر کسی
پر ایکا کرلیں اور اسے خلیفہ سمجھ لیں تو اسی میں اللہ کی رضا و
خوشنودی سمجھی جائے گی"

ایک لمحہ کے لیے اگر علی مرتضیٰؓ کے اس جواب پر ہم غور کریں تو بہت سے مابہ
النزاع مسائل کا حل ہم اس جواب میں ڈھونڈ سکتے ہیں اور نہج البلاغہ کا حوالہ عمداً دے
رہا ہوں، فبأی حدیث بعده یؤمنون ؟

یزید کا تقرر

خلافت راشدہ کے بعد بنوامیہ کے دور میں اسلامی حکومت کا وہ نظام جو
حضور اکرم ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کی پیہم کاوشوں سے تشکیل پایا تھا، زیر وزبر ہو
گیا اور یزید کی ولی عہدی سے ملوکیت از سرنو مسلمانوں پر مسلط کر دی گئی، اور افسوس
کہ یہ تقرر اکابر صحابہؓ کی زندگی میں اور اُن کے علی الرغم ہوا۔

چنانچہ مروان نے جب مدینہ میں یزید کی ولی عہدی کا اعلان کیا تو
عبدالرحمانؓ بن ابوبکر فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور علانیہ کہہ دیا: اے مروان! تم جھوٹ
بول رہے ہو، تم لوگوں نے محمد (ﷺ) کی امت کے لیے خلیفہ نہیں چنا ہے بلکہ
خلافت کو تم نے ہرقلیت (ملوکیت) سے بدل دیا ہے"۔ حضرت حسینؓ اور حضرت
عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی کھڑے ہو کر احتجاج کیا۔

ملوکیت کے اہم ترکیبی عناصر خاندانی وراثت اور شخصی اختیار ہی ہیں اور یہ
دونوں عنصر اس تقرر میں بدرجۂ اتم موجود تھے۔ استصواب رائے عامہ کا تو سوال ہی
پیدا نہیں ہوتا، ارباب حل وعقد سے بھی مشورہ لینے کی ضرورت نہ سمجھی گئی اور محض قوت
کے بل بوتے پر یزید کی حکومت ٹھونس دی گئی۔
(کاش یزید کے تقرر میں خلافت راشدہ کی روشن مثالوں کی پیروی کی جاتی!)

ملوکیت اور خلافت میں فرق صحابہؓ سمجھتے تھے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ ملوکیت اور جمہوریت کے نظریے آج کی پیداوار ہیں، قرن اول کے مسلمانوں کو ان بحثوں کی کیا خبر تھی!

یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جو تاریخ اسلام سے یکسر ناآشنا ہو۔

ایک دفعہ ایک شخص حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کو دور ہی سے دیکھ کر لرزنے لگا، آپؐ نے فرمایا: "**ھون علیک، لست بملک**" ڈرو نہیں، میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں۔ (رواہ البخاری)

فتح مکہ سے قبل ابوسفیان نے مسلمانوں کا آہن پوش لشکر دیکھا تو بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا: کتنی عظیم بادشاہت ہے! تو حضرت عباسؓ نے بلا تامل اسے جواب دیا تھا: ابوسفیان! یہ بادشاہت نہیں نبوت ہے! (سیرۃ ابن ہشام۔ روض، فتح مکہ: ۲/۲۹۹)

صدیق اکبرؓ نے منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد پہلی بار جب قوم سے خطاب کیا تو آپ نے کہا تھا: آج روئے زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟ وہ فنا ہو چکے، ہم نے روئے زمین پر خلافت قائم کی ہے، اگر ہم نے بھی ان کی روش اختیار کی تو ہم بھی ان کی طرح نیست ونابود ہو جائیں گے' (طبری: ۳/۲۱۱)

عہد فاروقی کا یہ واقعہ تو مشہور و معروف ہے کہ جب روم کا سفیر مدینہ پہنچا اور اس نے دریافت کیا کہ تمہارا بادشاہ کہاں ہے؟ تو اس کو صحابہؓ کی طرف سے جواب ملا تھا: "مالنا ملک بل لنا أمیر" ہمارا کوئی بادشاہ نہیں ہے، ہاں ہمارا امیر ضرور ہے۔

ان واقعات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ صحابہ ملوکیت اور خلافت کا فرق اچھی طرح سمجھتے تھے اور ملوکیت کے خلاف ایک شدید جذبہ ان میں موجود تھا۔

پس یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی کہ یزید خلیفۃ المسلمین نہ تھا، یہ قیصریت تھی یا بقول حضرت عبدالرحمان بن ابوبکرؓ یوں کہیے کہ یہ ہرقلیت تھی اور بیعت کا تعلق قیصریت یا ہرقلیت سے نہیں ہے، خلافت سے ہے۔

ملوکیت کے جواز کے لیے ایک استدلال کا جواب

بعض لوگ ملوکیت کے جواز میں قرآن مجید کی ان آیات سے استدلال کرتے ہیں:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو انعامات خداوندی یاد دلاتے ہوئے فرمایا "اذ جعل فیکم انبیاء و جعلکم ملوکاً......" (المائدہ ۲۰) یعنی اللہ نے تم میں انبیا پیدا کیے اور تمہیں "ملوک" بنایا۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد جالوت نامی ظالم بادشاہ بنی اسرائیل پر مسلط ہوا تو انہوں نے پیغمبر وقت سے درخواست کی: "ابعث لنا ملکاً نقاتل فی سبیل اللہ" "ہمارے لیے ایک "ملک" مقرر کر دیجئے تاکہ (اس کی قیادت میں) ہم اللہ کے راستے میں جہاد کریں"۔

پھر پیغمبر وقت نے فرمایا: ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکاً" "اللہ نے تمہارے لیے طالوت کو "ملک" مقرر کیا ہے"۔ (البقرۃ: ۲۴۶/۲۴۷)

لیکن یہ استدلال درست نہیں۔ ان آیات میں معروف معنوں کی ملوکیت مراد نہیں۔ پہلی آیت میں "جعل فیکم" اور جعلکم" کے فرق پر غور کریں اور "عسیٰ ربکم ان یھلک عدوکم و یستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون" (الاعراف: ۱۲۹) کی روشنی میں اس آیت کو دیکھیں۔ "اعراف" میں وعدہ فرمایا گیا کہ "تمہارا دشمن ہلاک کر دیا جائے گا اور تم کو ان کے اموال و املاک کا مالک بنا دیا جائے گا" (تفسیر عثمانی، ص ۲۱۹) "المائدہ" میں یاد دلایا گیا کہ اللہ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا کہ تمہیں فرعونیوں کے اموال و املاک کا مالک بنا دیا، غلامی کے شکنجے سے نکال کر ملوک یعنی آزاد و خود مختار بنا دیا۔

اور ابن عباسؓ نے یہاں "ملوک" کی تفسیر "اصحاب خدم و حشم" فرمائی ہے:
(جلالین: ۹۵، معالم: ۱/۲۷۷)

پھر دیکھیے، اسرائیلی پیغمبر حضرت داؤدؑ کے بارے میں قرآن مجید کی صراحت ہے: و آتاہ اللہ الملک" (البقرہ: ۲۵۱) لیکن قرآن انہیں "ملک" کے لقب سے یاد نہیں کرتا بلکہ ارشاد ہے: یاد اؤد انا جعلنک خلیفۃ فی الارض" (ص: ۲۶)

اور مذکورہ بالا دوسری آیت میں "نقاتل فی سبیل اللہ" کے قرینے سے سمجھ آتا ہے کہ یہاں پیغمبر وقت جو قوم کے رہنما اور نگران ہیں، سے ایک کمانڈر کی درخواست کی گئی اور پیغمبر وقت نے اللہ کی ہدایت پر طالوت کو کمانڈر مقرر فرمادیا۔ تو یہاں "ملک" کمانڈر کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ علامہ بیضاویؒ اس کی تفسیر میں رقمطراز ہیں: "اقم لنا امیراً ننهض معه للقتال يدبر امره و نصدر فيه عن رايه" (انوار التنزیل:۱۶۰)

آیت استخلاف (النور:۵۵) کی روشنی میں یہ اصولی بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری امت اور پہلی امتوں کے مؤمنین صالحین سے خلافت کا وعدہ فرمایا ہے، ملوکیت کا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خلفاء تو مقرر فرمائے ہیں، لیکن معروف اصطلاحی معنوں میں کبھی کوئی مَلِک مقرر نہیں فرمایا۔

خلافت اور ملوکیت کے درمیان علمی فرق تو خود آیت استخلاف میں بیان ہوا ہے اور عملی فرق نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس حدیث مبارک میں واضح فرمایا ہے کہ: "الخلافة بعدی ثلثون سنةً ثم یصیر ملکاً عضوضاً" خلافت میرے بعد ۳۰ سال رہے گی، پھر کٹھنی بادشاہت آجائے گی۔ (مسلم، احمد) ❁

کیا یزید پر امت کا اجماع ہو چکا تھا؟

(الف) حضرت حسینؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور عبدالرحمان بن ابی بکرؓ کا یزید کے خلاف احتجاج تاریخ کی مسلمہ حقیقت ہے، ان کی آواز کو محض تین آدمیوں کی آواز سمجھنا غلطی ہے، یہ قوم کے مختلف دھڑوں کی آواز تھی۔

سیدنا حسینؓ کچھ خاندانی نجابت اور کچھ ذاتی خصائص کی بنا پر لوگوں کی نگاہوں کا مرکز ومحور تھے۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے جب حضرت حسینؓ کو کوفہ کے سفر سے باز رکھنے کے لیے خط بھیجا تو اس میں لکھا تھا:

"إن هلكت اليوم طفى نور الأرض فانك علم المهتدين ورجاء المؤمنين" (کامل:۳/۲۷۷)

''اگر آپ شہید ہو گئے تو دنیا اندھیر ہو جائے گی، اس وقت آپ ہدایت یافتہ لوگوں کے امام ہیں اور مسلمانوں کی امیدیں آپ ہی سے وابستہ ہیں''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی ان سے کہا تھا کہ:

''اقم فی هذا البلد فأنت سيد أهل الحجاز''

(کامل: ۲۷۶/۳)

''اسی شہر میں قیام کیجئے کہ آپ باشندگان حجاز کے امام ہیں''

پس یہ کہنا کہ محض دو تین آدمیوں نے مخالفت کی تھی باقی ساری امت تو متفق ہو چکی تھی، حقائق کی سراسر تکذیب ہے۔ حضرت حسینؓ کی آواز ہزاروں انسانوں کی آواز تھی اور ان کا احتجاج ایک جم غفیر کا احتجاج تھا۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ بیزاری اور تنفر کے جذبات جو لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے تھے اور حکومت کی قہرمانیت کی وجہ سے بند گھروں میں بھی جن کا اظہار کرتے ہوئے ان کی زبانیں ہکلاتی تھیں، حسین بن فاطمہؓ نے اپنی حق گوئی و بے باکی کی وجہ سے ان جذبات کا اظہار بے خوف وخطر اور برملا کیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی زیرکی، سیاستدانی اور عزم کی پختگی سے کون واقف نہیں ہے، حجاز میں حضرت حسین علیہ السلام کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ ہی کا وجود تھا جو لوگوں کی نگاہیں اپنی طرف کھینچ سکتا تھا، اسی لیے حضرت ابن عباسؓ نے امام حسینؓ کے مکہ سے رخصت ہو جانے کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ سے مزاحاً کہا تھا:۔

خلالک الجو فبیضی واصفری

ونقری ما شئت أن تنقری

یعنی فضا تمہارے لیے خالی ہو گئی ہے خوب چہچہاؤ اور جتنی منقار چلانا چاہتے ہو چلالو۔

زبیریوں کا دھڑا ایسا طاقت ور دھڑا تھا جسے یزید شکست دینے سے قاصر رہا، پھر یہ سمجھنا کہ عبداللہ بن زبیرؓ کی آواز تنہا ایک فرد کی آواز تھی، سادہ لوحی ہے۔

(ب) خود کوفہ والے بھی یزید کو خلیفہ بنانے کے لیے دل سے آمادہ نہ تھے مگر ان کی مصلحت کوشی اور کم ہمتی سچی بات کہنے سے انہیں باز رکھتی تھی۔ اگر کوفہ والے یزید کے ساتھ تھے تو پھر یہ خطوط کے انبار کون لکھتا رہا جن سے دو خورجین بھر گئے تھے! جن لوگوں نے حضرت امام حسینؓ کے نام خط لکھے، ان میں سے بعض کے نام تو آج تک تاریخ میں محفوظ ہیں، مثلاً سلیمان بن صرد الخزاعی، المسیب بن نجبہ، رفاعہ بن شداد، حبیب بن مظاہر، شبث بن ربعی، حجار بن ابجر، یزید بن الحرث، یزید بن رویم، عروۃ بن قیس، عمر بن حجاج الزبیدی، محمد بن عمیرا لتیمی۔

اگر کوفہ والے یزید کے ساتھ تھے تو ہزاروں آدمیوں نے حضرت امام حسینؓ کے لیے مسلم بن عقیلؓ کے ہاتھ پر بیعت کیوں کر لی تھی؟! (کامل: ۳/۲۶۷)

(ج) نعمانؓ بن بشیر کی معزولی پر جب ابن مرجانہ کوفہ کا عامل بنا تو وہ کوفہ شہر میں ڈھاٹا باندھے ہوئے داخل ہوا تھا۔ ان دنوں حضرت حسینؓ کی آمد کی خبر بھی کوفہ میں گرم تھی، اس کا چہرہ ڈھاٹا میں چھپا ہوا تھا، لوگوں نے سمجھا کہ حسین بن علیؓ آ گئے، ان کے چہرے خوشی سے تمتما اٹھے اور فضا **مرحبا بک یا ابن رسول اللہ!** کی صداؤں سے گونج اٹھی۔

اگر کوفہ والے یزید کی خلافت پر مطمئن ہوتے تو اس گرم جوشی سے امام حسینؓ کا استقبال نہ کرتے۔

فرزدق نے کوفہ والوں کی نبض پر ٹھیک ہاتھ رکھا تھا۔ کوفہ جاتے ہوئے راستے میں حضرت حسینؓ کی فرزدق سے ملاقات ہوئی، حضرت حسینؓ نے پوچھا کہ بتاؤ کوفہ والوں کا کیا حال ہے؟ فرزدق نے کہا:

"قلوب الناس معک، سیوفهم مع بنی امیة" (کامل ۳/۲۷۷)

"لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر تلواریں بنوامیہ کے ساتھ۔"

(د) یہ تھا حال کوفہ وحجاز کا اور یمن میں شیعان علیؓ کی کثرت تھی ہی، حضرت ابن عباسؓ امام حسینؓ سے کہتے تھے:

"فان أبیت إلا أن تخرج فسر إلی الیمن فان بها حصوناً و شعاباً وهی أرض عریضة طویلة ولا بیک بها شیعة (کامل: ۳/۲۷۶)

"اگر آپ کو مکہ سے جانا ہی ہے تو یمن چلے جایئے، وہاں قلعے ہیں، وادیاں ہیں اور وہ ایک لمبی چوڑی سرزمین ہے اور وہاں آپ کے بابا کے حامی موجود ہیں"۔

ان تاریخی حقائق کی موجودگی میں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یزید کی حکومت پر امت کا اجماع ہو چکا تھا!

کیا حضرت حسینؓ نے یزید پر خروج کیا تھا؟

کوفہ والوں نے حضرت حسینؓ کو پے در پے خطوط روانہ کیے اور ان خطوط میں وہ لکھتے رہے:

"لیس علینا إمام فاقبل لعل الله ان یجمعنا بک علی الحق والنعمان بن بشیر فی قصر الأمارة لا نجتمع معه فی جمعة ولا عید ولو بلغنا إقبالک إلینا أخر جناه حتی نلحقه بالشام إن شاء الله تعالی" (کامل: ۳/۲۶۶)

"ہمارا کوئی امام نہیں ہے، آپ تشریف لایئے، ہمیں امید ہے کہ خدا آپ کے ذریعے ہمیں حق پر اکٹھا کردے گا۔ نعمان بن بشیر

(والی کوفہ) شاہی محل میں ہے، ہم اُس کے پیچھے نہ جمعہ کی نماز
پڑھتے ہیں نہ عید کی، اگر آپ کے آنے کی خبر ہمیں مل جائے تو
انشاء اللہ ہم اسے شہر سے نکال باہر کریں گے حتیٰ کہ شام تک
اسے دھکیل دیں گے"

(نعمانؓ بن بشیر صحابی تھے۔ حضرت حسینؓ کے بارے میں فطری طور پر نرم گوشہ رکھتے تھے، لیکن چونکہ یزید کے عامل تھے، اس لیے اہل کوفہ آپ سے اس قدر درشت رویہ اپنائے ہوئے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عوام یزید سے کتنی گہری نفرت رکھتے تھے)

حضرت حسینؓ نے دیکھا کہ لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف اٹھی ہوئی ہیں اور وہ یزید کو خلیفہ ماننے کے لیے تیار نہیں اور حضرت حسینؓ سمجھتے تھے کہ یزید کے اقتدار میں دین و ملت کی تباہی ہے، ان حالات میں انھوں نے ایک نااہل کے تسلط سے مسلمانوں کو بچانے کی غرض سے کوفہ والوں کی آواز پر لبیک کہا۔

یہ سمجھنا غلطی ہے کہ وہ خود خلافت کے مدعی تھے، کوفہ کی جانب اُن کی روانگی محض لوگوں کی طلب و خواہش کا جواب تھا:

دعانا والأسنة مشرعات
فکنا عند دعوته الجوابا

(''اس نے نیزوں کی چھاؤں میں ہمیں پکارا، تو ہم
اس کی پکار پر سراپا جواب بن گئے!)

حضرت حسینؓ یزید کی فوجوں سے جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ اگر جنگ ہی کا ارادہ ہوتا تو وہ حامیان بنو ہاشم کا ایک جم غفیر اپنے ساتھ لے سکتے تھے، اگر جنگ و جدل ہی کا ارادہ تھا تو یوں بے یار و مددگار عورتوں اور بچوں سمیت کوفہ روانہ نہ ہوتے۔

جب یہ بات ثابت ہوئی کہ یزید منصب خلافت پر فائز ہی نہ تھا نہ اس پر امت کا اجماع ہوا تھا لہٰذا حضرت حسینؓ کا اقدام اس کے خلاف خروج نہ ہوا۔

امام ابن تیمیہؒ نے بھی منہاج السنہ میں یہی فتویٰ دیا ہے کہ امام حسینؓ کی شہادت تک یزید مسند حکومت پر متمکن ہی نہ ہوا تھا:

"والحسین استشھد قبل ان یتولی یزید علی شیء من البلاد" (منہاج السنۃ: ۲/۲۳۹)

مولانا آزاد غفر اللہ لہٗ کی رائے بھی یہی ہے۔ وہ "مسئلہ خلافت" میں یوں رقمطراز ہیں:

"یہ بالکل غلط ہے کہ حضرت امام حسینؓ اس حالت میں لڑے جب کہ وہ یزید کی حکومت کے مقابلے میں خود مدعی امامت اور طالب خلافت تھے۔ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں انہوں نے واقعۂ کربلا کا دقت نظر سے مطالعہ نہیں کیا۔ حالات میں اچانک ایسی تبدیلیاں ہوئی ہیں کہ اس غلط فہمی کا پیدا ہو جانا عجیب نہیں۔ حضرت امام حسینؓ جب مدینہ سے چلے تو اُن کی حیثیت دوسری تھی، جب کربلا میں حق پرستانہ لڑ کر شہید ہوئے تو اُن کی حیثیت دوسری تھی، دونوں حالتیں مختلف ہیں اس لیے دونوں کا حکم بھی شرعاً مختلف۔

جب وہ مدینہ سے چلے ہیں تو حالت یہ تھی کہ نہ تو ابھی یزید کی حکومت قائم ہوئی تھی، نہ اہم مقامات و مراکز نے اس کو خلیفہ تسلیم کیا تھا اور نہ اہل حل وعقد کا اس پر اجماع ہوا تھا۔ ابتدا سے معاملۂ خلافت میں سب سے پہلی آواز اہلِ مدینہ کی رہی ہے، پھر حضرت علیؓ کے زمانے میں مدینہ کی جگہ کوفہ دار الخلافہ بنا، اہل مدینہ اُس وقت تک متفق نہیں ہوئے تھے، کوفہ کا یہ حال تھا کہ تمام آبادی یک قلم مخالف تھی اور حضرت امام حسینؓ سے بیعت کرنے کے لیے پیہم اصرار والحاح کر رہی تھی۔ انہوں نے خود خلافت کی حرص نہ کی بلکہ ایک ایسے زمانے میں جب تخت حکومت سابق حکمران سے خالی ہو چکا تھا اور نئے حکمران کی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی، ایک بہت بڑی مرکزی اور مؤثر آبادی (یعنی کوفہ وعراق) کے طلب وسوال کو منظور کر لیا، البتہ اس منظوری میں یہ مصلحت ضرور پیش نظر تھی کہ یزید جیسے نااہل کی حکومت سے امت کو بچایا جائے۔

اگر کہا جائے کہ امیر معاویہؓ نے اپنی زندگی میں یزید کو ولی عہد مقرر کر دیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ شرعاً اولاد کی ولی عہدی کوئی شے نہیں ہے۔ اصلی شرط خلافت کی انعقاد حکومت ہے۔ یزید کو گو ولی عہد مقرر کر دیا ہو لیکن جب تک اس کی خلافت بالفعل قائم نہ ہو جاتی صرف یہ بات کوئی حجت نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب یزید کی ولی عہدی کے لیے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بیعت طلب کی گئی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا "لا أبايع لا ميرين" میں دو امیروں سے بیک وقت بیعت نہیں کروں گا۔ یعنی خلیفہ کا اپنی زندگی میں ولی عہد کے لیے بیعت لینا ایک وقت میں دو امیروں کی بیعت ہے، جس کی شرعاً کوئی اصل نہیں۔ (رواہ ابن حبان ونقلہ فی الفتح)

لیکن جب وہ کوفہ پہنچے تو یکا یک نظر آیا کہ حالت بالکل بدل چکی ہے، تمام اہل کوفہ ابن زیاد کے ہاتھ پر یزید کے لیے بیعت کر چکے تھے اور سرزمین عراق کی وہ بے وفائی وغداری جو حضرت امیرؓ کے عہد میں بارہا ظاہر ہو چکی تھی، بدستور کام کر رہی ہے۔ یہ حال دیکھ کر وہ معاملۂ خلافت سے دست بردار ہو گئے اور فیصلہ کر لیا کہ مدینہ واپس چلے جائیں، لیکن ابن سعد کی فوج نے ظالمانہ محاصرہ کر لیا ورمع اہل وعیال کے قید کرنا چاہا۔ وہ اس پر بھی آمادہ ہو گئے تھے کہ مدینہ کی جگہ دمشق چلے جائیں اور براہ راست یزید سے اپنے معاملہ کا فیصلہ کرا لیں، (مولاناؒ نے یہ بات مشہور روایت کے مطابق لکھی ہے) مگر ظالموں نے یہ بھی منظور نہ کیا۔ اب امامؑ کے سامنے صرف دو راہیں تھیں، یا اپنے تئیں مع اہل وعیال قید کرا دیں، یا مردانہ وار لڑ کر شہید ہوں۔ شریعت نے کسی مسلمان کو مجبور نہیں کیا ہے کہ ناحق ظالموں کے ہاتھ اپنے تئیں قید کرا دے۔ پس انہوں نے دوسری راہ کمالِ عزیمت ودعوت کی اختیار کی اور خود فروشانہ لڑ کر حالت مظلومی ومجبوری میں شہید ہوئے۔

پس جس وقت کربلا میں میدان کارزار گرم ہوا ہے اس وقت حضرت امام

حسینؓ مدعی خلافت وامامت نہ تھے، نہ اس حیثیت سے لڑ رہے تھے، ان کی حیثیت محض ایک مقدس اور پاک مظلوم کی تھی جس کو ظالموں کی فوج ناحق گرفتار کرنا چاہتی ہے اور وہ اپنے آپ کو زندہ گرفتار کرا دینا پسند نہیں کرتا اور چاہتا ہے کہ طاقت ورظلم کے مقابلے میں بے سروسامان حق کی استقامت کا ایک یادگار منظر دنیا کو دکھلا دے۔

تعجب ہے کہ یہ غلط فہمی صدیوں سے پھیلی ہوئی ہے!

(مسئلہ خلافت: ۱۳۸۔۱۴۰، مکتبہ احباب، لاہور)

کیا قتل حسینؓ میں یزید کا ہاتھ نہ تھا؟

بعض مصری مؤرخین اور بعض مستشرقین کہتے ہیں کہ یزید کا دامن بالکل بے داغ ہے اور حضرت حسینؓ کا خون فقط ابن زیاد کی گردن پر ہے۔ یزید تو شام میں تھا اور اسے حضرت امام حسینؓ کی آمد کی خبر تک نہ تھی۔

آیئے واقعات کی روشنی میں دیکھیں کہ حقیقت حال کیا ہے؟

(۱) حضرت حسینؓ کی آمد کی خبر جب کوفہ میں پھیل رہی تھی وہاں کے والی اس وقت نعمانؓ بن بشیر تھے، نعمانؓ بن بشیر کے مزاج کی محض نرمی اور دھیمے پن کی بنا پر یزید نے ان کی معزولی کے احکام صادر کیے تھے، عبید اللہ بن زیاد والی بصرہ سے یزید اُن دنوں خفا تھا لیکن محض اس کے مزاج کی شدت و غلظت کی بنا پر کوفہ بھی اس کے حوالے کر دیا۔ یزید آگاہ تھا کہ ابن زیاد کے دل میں پتھر کی سی صلابت اور قساوت ہے اور وہ حضرت امام حسینؓ سے ذلت آمیز برتاؤ کرے گا۔ کوفہ آکر ابن زیاد نے پہلی ہی تقریر میں صاف اعلان کر دیا تھا کہ ''امیر المؤمنین نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم میں سے جو ابھی تک ڈانواڈول ہے اور بیعت کرنے پر آمادہ نہیں ہے میں اس کے ساتھ سختی سے پیش آؤں، میری تلوار اور تازیانہ اس پر برسے گا، جو بیعت نہیں کرے گا، اس کا خون اور مال ہمارے لیے حلال ہے''۔

ہر وہ شخص جو ابن زیاد کے مزاج سے آشنا ہے، سمجھتا ہے کہ ابن زیاد کا تقرر اور حسین بن علیؓ کا قتل بالکل دو مترادف باتیں ہیں۔

(۲) مؤرخین متفق ہیں کہ مسلمؓ بن عقیل کے قتل کا حکم خود یزید نے صادر کیا تھا، ابن عقیل اور ھانی کے سر یزید کے دربار میں جا چکے تھے، اسے خبر تھی کہ حضرت حسینؓ روانہ ہو چکے ہیں اور ابن زیاد ان کے ساتھ ابن عقیلؒ سے کچھ مختلف برتاؤ کرنے والا نہیں۔ پھر کیا یزید نے ابن زیاد کے نام کوئی ہدایات بھیجیں کہ حسینؓ کے قتل سے باز

رہنا، حالانکہ اُس کے باپؒ نے اسے وصیت کی تھی:

"انظر حسين بن فاطمة بنت رسول الله فانه أحب الناس الى الناس فصل رحمه وارفق به" (ابن کثیر: ۱۶۲/۸)

"حسین بن فاطمہ بنت رسول اللہ کا خیال رکھنا، وہ لوگوں کی محبوب ترین شخصیت ہیں، ان کے ساتھ صلہ رحمی کرنا اور نرمی سے پیش آنا"۔

فان خرج و ظفرت به فاصفح عنه فان له رحماً ماساً و حقاً عظيماً و قرابةً من محمد (کامل: ۲۵۹/۳)

"اگر وہ خروج کریں اور تو ان پر قابو پالے تو ان سے درگزر کرنا، تیرے قریبی رشتہ دار ہیں، ان کا بڑا حق ہے، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے قرابت دار بھی ہیں۔"

حضرت حسین کی بھتیجی یعنی حضرت عبداللہ بن جعفرؓ الطیار کی دختر سیدہ ام محمد یزید کے نکاح میں تھیں۔ (جمہرۃ الانساب، ابن حزم: ۶۲)

اس رشتہ کے اعتبار سے یزید حضرت حسینؓ کا بھتیج داماد تھا اور دوسرے رشتہ کے اعتبار سے حضرت حسینؓ اس کے بہنوئی ہوتے ہیں، یعنی حضرت حسینؓ کی زوجۂ اولیٰ آمنہ والدہ علی اکبر بن الحسینؓ حضرت معاویہؓ کی حقیقی بھانجی تھیں یعنی میمونہ بنت ابوسفیانؓ کی دختر تھیں۔ (جمہرۃ الانساب، ابن حزم: ۲۵۵)

(۳) حضرت حسینؓ کی روانگی سے قبل یزید نے حضرت ابن عباسؓ کو ایک خط میں لکھا تھا کہ حسینؓ کو سمجھاؤ اور اس سے کہو کہ وہ کوفہ نہ جائے۔ اس خط میں یزید نے کچھ شعر بھی لکھے تھے، ان سے بھی خون حسینؓ کی پیاس صاف جھلک رہی ہے:

"إنى لأعلم او ظنا كعالمه
والظن يصدق أحيانا فينتظم

ان سوف ینزلکم ماتطلبون بھا
قتلیٰ تھاداکم العقبان و الرخم

''میں جانتا ہوں یا ایک خبیر و علیم انسان کی طرح گمان کرتا ہوں اور گمان بسا اوقات سچا بھی نکل آتا ہے۔ جس چیز کا تم تقاضا کرتے ہو وہ بہت جلد تم پر نازل ہوگی، عقاب اور کرگس مقتولین کے لاشے تم سے تحفۃً لیں گے اور دیں گے۔''

(طبری: ۶/ ۱۴۱۹ ابن کثیر: ۸/ ۱۶۴)

پھر یہ سوال بھی ہے کہ ایک صوبائی گورنر مرکزی حکومت سے مشورہ کئے بغیر ایک ایسی سربرآوردہ شخصیت کو قتل کرنے کی جسارت کیونکر کر سکتا تھا؟ فرض کیجئے اس نے یزید کی مرضی کے خلاف یہ سب کچھ کیا تو پھر کیا یزید نے اس کے خلاف کوئی تادیبی کاروائی کی؟ اس نے قاتلین حسینؓ کو قتل کرایا نہ معزول کیا حتیٰ کہ ملامت کا ایک حرف بھی انہیں لکھ کر نہیں بھیجا، ہاں بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ اس نے امام حسینؓ کا سر مبارک دیکھ کر تاسف کا اظہار کیا، اگر یہ تأسف از راہ مداہنت نہ تھا تو قاتلین حسینؓ کے خلاف تادیبی کاروائی کیوں نہ ہوئی؟

(پروفیسر سید ابوبکر غزنویؒ کی تحریر بہ تلخیص پوری ہوئی، اس میں قوسین کے اضافے مرتب کی طرف سے ہیں۔)

یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کا افسانہ

کہا جاتا ہے کہ امام حسینؓ یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے، اس لیے یزید کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا ہے، درست نہیں۔

آیئے! روایات کی روشنی میں اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

(۱) امام حسینؓ کی زوجہ محترمہ اور سُکینہؒ بنت حسینؓ کی والدہ ماجدہ رباب بنت امرئ القیس کلبیہ کا غلام ہے عقبہؒ بن سمعان، اس کا بیان ہے کہ:

''میں حسینؓ کے ساتھ رہا، مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق اور پھر شہادت تک میں آپؓ سے جدا نہیں ہوا، آپؓ نے مدینہ میں، مکہ میں، راستے میں، عراق میں اور یوم شہادت تک لشکر میں جو جو باتیں فرمائیں، سب میں نے سنیں۔

آگاہ رہو، واللہ! آپؓ نے انہیں ہرگز وہ پیشکش نہیں فرمائی، جس کا لوگ چرچا کر رہے ہیں کہ آپؓ یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے یا کسی سرحد پر جانے کے لیے آمادہ ہو گئے تھے، آپؓ نے تو یہ فرمایا تھا: مجھے چھوڑ دو، میں اس وسیع وعریض مملکت کا دورہ کرتا ہوں، پھر دیکھتے ہیں کہ لوگ کیا فیصلہ کرتے ہیں!'' (طبری: ۴۱۴/۵، ۴۱۳)

(۲) میدان کربلا میں امام حسینؓ اور عمر بن سعد کے درمیان گفتگو چل رہی تھی، اس دوران میں عمر بن سعد نے کہا:

''اپنے ابن عم کی حکومت تسلیم کرنے میں آپ کو کیا مانع ہے؟''

فرمایا: ''معاذ اللہ! میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آیا ہر اس متکبر سے، جو روز حساب میں یقین نہیں رکھتا'' (ابن کثیر: ۱۷۸/۸، ۱۷۵، ۱۶۷)

یہ وہ بات ہے جو حضرت موسیٰ نے فرعون کی طرف سے قتل کی دھمکی کے جواب میں فرمائی تھی، (المؤمن: ۲۶، ۲۷)

اس جواب سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یزید کی شخصیت آپؓ کی نگاہ میں کیسی تھی!

(۳) امام حسینؓ حالات پر نظر رکھے ہوئے تھے اور بھانپ چکے تھے کہ یزیدی لشکر قتل و غارت پر تلا ہوا ہے تو آپؓ نے عمر بن سعد سے تین باتیں فرمائیں۔

یاد رہے کہ ابن سعد سے آپ ملاقات تنہائی میں ہوتی رہی، کوئی اور تو وہاں موجود نہیں ہوتا تھا، خود ابن سعد نے عبید اللہ ابن زیاد کے نام اپنے مکتوب میں ان باتوں کا ذکر کیا ہے۔

امام ذھبیؒ ''سیر اعلام النبلاء'' میں روایت کرتے ہیں کہ:

امام حسینؓ نے فرمایا: تین میں سے کوئی ایک بات پسند کر لو

(۱) مجھے چھوڑ دو، میں کسی سرحدی علاقے میں چلا جاؤں۔

(۲) یا یزید کے پاس چلا جاؤں

(۳) یا مدینہ لوٹ جاؤں

عمر ابن سعد نے یہ بات قبول کی اور ابن زیاد کو لکھ بھیجی، اس نے جواب دیا: نہیں، یہ کوئی عزت نہیں جب تک وہ میرے ہاتھ پر بیعت نہیں کر لیتا۔

اس پر امام حسینؓ نے فرمایا:

واللہ! یہ نہیں ہوگا''۔(الحسینؓ حفیداًو شہیداً: ۱۸۱)

اس روایت کے سلسلے میں چند نکات قابل غور ہیں:

(۱) عبید اللہ ابن زیاد کو یزید نے مکمل اختیار دے کر بھیجا تھا، دونوں ہم مزاج تھے، کوفہ میں ابن زیاد کا ہونا گویا خود یزید کا موجود ہونا تھا، اس وقت حکومت کی پالیسی یہ تھی کہ امام حسینؓ سے بیعت سے کم کوئی بات قبول نہ کی جائے، اس لیے ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت سے انکار خود یزید کی بیعت سے انکار تھا۔

(۲) اس سے پہلے امام حسینؓ نے جن تین باتوں کی پیشکش کی، اُن میں صرف یزید کے پاس جانے کا ذکر ہے، بیعت کا نہیں، مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ ویرانے میں گھیر

کر قتل کرنا چاہتے ہیں، یہاں سے کسی طور نکلا جائے۔

(۳) یزید کے پاس جا کر بھی آپؓ ہرگز بیعت نہ کرتے، جیسا کہ آپؓ نے یہاں سنگین صورت حال میں شدت کے ساتھ بیعت سے انکار کیا۔ اگر آپؓ کے دل میں یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے حوالے سے کوئی نرم گوشہ ہوتا، تو اس سے اچھا موقعہ اور کوئی نہ تھا

(۴) آپؓ یزید کے پاس پہنچ کر بھی اپنے موقف کا اظہار کرنا چاہتے تھے، اور وہاں یزید کے لیے آپؓ پر ہاتھ ڈالنا آسان نہ ہوتا۔ آپؓ سرحدی علاقے میں چلے جاتے یا مدینہ لوٹ جاتے، حکومت کے لیے آپؓ کا وجود مستقل خطرہ تھا، اس لیے ابن زیاد، گویا یزید، نہیں چاہتا تھا کہ آپؓ ہاتھ سے نکل جائیں کہ دوبارہ آپؓ پر قابو پانا مشکل ہوگا۔

(۵) امام حسینؓ نے ان باتوں کی پیشکش اتمام حجت کے طور پر فرمائی، بالکل ہابیل ابن آدمؑ کے رنگ میں، جب دیکھا کہ قابیل بہر طور قتل پر تلا ہوا ہے تو فرمایا:

(ترجمہ) ''اگر تو میرے قتل کرنے کو اپنا ہاتھ بڑھائے گا تو بھی میں تیرے قتل کے لیے اپنا ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ میرا گناہ اور اپنا گناہ تمہی لے کر لوٹو پس اہل جہنم میں داخل ہو جاؤ اور یہی ظالموں کی سزا ہے'' (المائدہ: ۲۸،۲۹)

امام حسینؓ بھی قتال سے گریز کر رہے تھے اور اس پیشکش کے بعد تو اُن کے پاس قتال کا کوئی جواز نہ تھا، لیکن وہ تو قتل پر تلے ہوئے تھے، چنانچہ قتل کر کے قابیل ہی کے انجام کو پہنچے۔

(۶) اس روایت میں صرف یزید کے پاس جانے کا ذکر ہے، اس بات کو کچھ راویوں نے اپنے خیال کے مطابق یوں بیان کر دیا کہ: ''مجھے یزید کے پاس لے چلو، کہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دوں، پھر وہ خود میرے بارے میں فیصلہ کرے''۔
(طبری: ۵؍۴۱۳،۴۱۴)

یزید کے پاس جا کر امام حسینؓ کیا کرتے؟ اس بارے میں راوی نے اپنے گمان کو روایت کا حصہ بنا دیا، پھر اس گمان کی چنگاری سے ایسی آگ بھڑکی کہ اچھے اچھے لوگ اس کی لپیٹ میں آ گئے۔

امام حسینؓ کے بارے میں کوئی سی روایت پڑھتے ہوئے آپؓ کے خاندانی اوصاف اور شخصی حالات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

یزید کے ہاتھ پر بیعت کی ذلت قبول کرنا امام حسینؓ کے خاندانی اور فطری خصائص کے سراسر منافی تھا، چنانچہ کربلا میں اسی کا تو اظہار ہوا، اس لیے بیعت یزید کی روایت از روے درایت واجب الرد ہے۔

جانوروں تک میں جینز (Genes) کا کردار ماننے والے امام حسینؓ کے بارے میں نہ جانے سب کچھ کیوں بھول جاتے ہیں!

یہاں ایک دلچسپ مکالمہ یاد آ رہا ہے۔

برعظیم پاک و ہند میں ایک بزرگ گزرے ہیں، نسباً بھی حسنی حسینی، وصفاً بھی حسنی حسینی، تمام عمر انگریز اور فتنوں کے خلاف جہاد میں بسر کی، قید و بند کی صعوبتیں اٹھائیں۔

ایک مرتبہ میری ایک عالم سے ملاقات ہوگئی، جو بیعتِ یزید کی روایت بہت بیان کیا کرتے تھے اور مذکور الصدر بزرگ سے رشتۂ قرابت بھی رکھتے تھے، میں نے کہا:

سنا ہے کہ آپ کے بزرگ انگریز سے معافی مانگ کر جیل سے چھوٹے تھے؟

تڑخ کر بولے: تم یقین کرتے ہو تو کرو، ہمیں تو یقین نہیں آتا،...... پھر بولتے ہی گئے۔

ذرا تھمے تو میں نے کہا: چودہ سو سال بعد ایک حسینی کے باطل کے سامنے جھکنے کا تو تمہیں یقین نہیں آتا، ایک فاسق و فاجر کے سامنے حسینؓ کے جھکنے کا تمہیں کیسے یقین آ گیا!

اور عقبہؓ بن سمعان کی روایت مذکور ہوئی، جیسا کہ بیان ہوا یہ امام حسینؓ کی اہلیہ محترمہ ربابؓ کا غلام تھا۔ سانحۂ کربلا کے بعد گرفتار ہو کر عمر بن سعد کے پاس لایا گیا، پوچھ گچھ سے معلوم ہوا کہ یہ تو غلام ہے تو چھوڑ دیا گیا، اس طرح اس کی جان بچی۔

(طبری: ۴۵۴/۵)

غالبًا اللہ تعالیٰ کو اس کے ذریعے سفرِ کربلا کا سچ ہم تک پہنچانا مطلوب تھا، اس لیے اس کی جان چھڑائی گئی!

کیا یزید مغفرت کی بشارت میں داخل رہا؟

امام بخاریؒ قتالِ روم کے باب میں روایت کرتے ہیں:

''امّ حرام نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

''میری امت کے وہ مجاہدین جو پہلا بحری جہاد کریں گے، یقیناً (اپنے لیے جنت) واجب کرلیں گے''

امّ حرام کہتی ہیں: میں نے کہا: یارسول اللہ! میں بھی اُن میں شامل ہوں گی؟......

فرمایا: تو بھی ان میں ہوگی۔

پھر نبی ﷺ نے فرمایا: میری امت کے وہ مجاہدین جو شہر قیصر پر پہلا حملہ کریں گے مغفرت یافتہ (مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ) ہوں گے''

میں نے عرض کیا: میں اُن میں ہوں گی یارسول اللہ!

فرمایا: نہیں''۔

(صحیح بخاری: ۱/۴۰۹)

شہر قیصر سے مراد قسطنطنیہ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس شہر پر پہلا حملہ یزید کی سرکردگی میں ہوا، لہٰذا یزید نے جو کچھ کیا، اِس حدیث کی روشنی میں سب معاف ہے۔ یہ استدلال درست نہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ امیر معاویہؓ نے قسطنطنیہ کی مہم پر پہلا لشکر جو روانہ کیا تھا، اس کے امیر سفیانؓ بن عوف تھے، یزید نہ تھا، اس مہم پر چونکہ مغفرت کی بشارت مشہور تھی، اس لیے عبداللہؓ بن عباس، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہؓ بن زبیر، ابوایوبؓ انصاری اور امام حسینؓ جیسے جلیل القدر صحابہ اس لشکر میں شریک ہوئے۔ (تاریخ اسلام: ۱/۵۸۲)

امیر معاویہؓ نے یزید کو بھی کہا، لیکن اس نے بیماری کا بہانہ بنایا، یہ لشکر وہاں جا کر شدید تکالیف میں گھر گیا، دمشق خبر پہنچی تو یزید اپنے نہ جانے پر خوش ہوا اور کچھ

طرح یہ اشعار کہے، امیر معاویہؓ کو پتہ چلا تو آپؓ نے قسم اٹھالی کہ تمہیں بھی سفیانؓ بن عوف کے پاس جانا پڑے گا، تا کہ تم بھی جہاد کی تکلیفوں کا مزا چکھو! چنانچہ موسم گرما میں آپؓ نے یزید کے ساتھ بھاری کمک روانہ کی۔

ابن اثیرؒ نے الکامل: ۴۵۸/۳ پر اور بدر الدین عینیؒ نے عمدۃ القاری: ۱۹۸/۱۴ پر یہ تفصیل ذکر کی ہے، اور عینیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ''یہ جلیل القدر صحابہؓ سفیانؓ بن عوف کی قیادت میں تھے، یزید اس کا اہل ہی نہ تھا کہ یہ اکابر صحابہؓ اس کے ماتحت ہوتے، بعض نے اس حدیث کو یزید کی منقبت میں شمار کیا ہے، حالانکہ اس حدیث سے یزید کی کوئی منقبت ثابت نہیں ہوتی، اُس کا حال تو مشہور و معروف ہے!''

حاصل یہ کہ شہر قیصر پر حملہ آور ہونے والے پہلے لشکر میں یزید شامل ہی نہ تھا، اس لیے وہ مغفرت کی اس بشارت میں داخل ہی نہ ہوا۔

دوسری بات یہ کہ قرآن و حدیث میں جہاں جہاں اعمال صالحہ پر مغفرت کی بشارت دی جاتی ہے، وہاں اس کا مطلب گذشتہ گناہوں کی مغفرت ہوتا ہے، آئندہ گناہوں کی اجازت نہیں ہوتا۔

اس بات کی وضاحت کے لیے دو حدیثیں پیش کر رہا ہوں، جن میں عمل صالح پر بالکل اُنہی الفاظ میں مغفرت کی نوید ہے، جو حدیث بالا میں مذکور ہوئے۔

(۱) حضرت انسؓ لیلۃ القدر کے بعد، عید الفطر کی فضیلت میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد روایت کرتے ہیں:

''جب عید الفطر کا دن آتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں کی عبادت پر فخر فرماتا ہے اور ان سے دریافت کرتا ہے:

میرے فرشتو! جو اجیر اپنا کام پورا کر لے، اس کی کیا جزا ہے؟

فرشتے عرض کرتے ہیں: ہمارے رب! اس کی جزا یہی ہے کہ اس کی اجرت پوری پوری دے دی جائے۔

ارشاد ہوتا ہے: میرے فرشتو! میرے بندوں اور میری بندیوں نے میرا عائد کردہ فریضہ پورا کر دیا، آج وہ آوازیں بلند کرتے ہوئے دعا کے لیے نکلے ہیں،

مجھے قسم ہے اپنی عزت، اپنے جلال اور اپنے کرم کی اور اپنے علوشان اور اپنی رفعت مکان کی میں ان کی دعا ضرور قبول کروں گا۔

پھر بندوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

جاؤ، میں نے تمہارے گناہ معاف کیے اور تمہاری برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا۔

پھر بندے مغفرت یافتہ (مغفوراً لھم) ہو کر لوٹتے ہیں''

(مشکوۃ، باب لیلۃ القدر: ص ۱۸۲، عن البیہقی)

(۲) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے مسلسل گھومتے پھرتے رہتے ہیں، جب وہ ذکر کے حلقوں سے گزرتے ہیں تو ایک دوسرے کو کہتے ہیں: بیٹھ جاؤ، جب لوگ دعا کرتے ہیں تو وہ آمین کہتے ہیں، جب وہ نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں تو ان کے ساتھ وہ بھی درود بھیجتے ہیں، یہاں تک کہ لوگ فارغ ہو جاتے ہیں۔

پھر وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں: خوش نصیب ہیں یہ لوگ، مغفرت یافتہ (مغفوراً لھم) ہو کر لوٹ رہے ہیں'' (جلاء الافہام: ص ۲۴، ۲۵)

اب کوئی شخص عید الفطر کی نماز پڑھے اور علماء، صلحاء، اولیاء پر بمباری کروائے،

سیرت کانفرنس منعقد کرے اور سیرت پر چلنے والوں کو پابند سلاسل کرے،

قرآن خوانی کروا کے اہل قرآن پر گولیاں برسائے،

اور جب کوئی اس ظلم و جور پر نکیر کرے تو اسے کہا جائے:

ناں ناں عید الفطر پڑھ کے، سیرت کانفرنس کروا کے اور قرآن پڑھوا کے یہ شخص مغفرت یافتہ ہو چکا ہے، اسے کچھ نہ کہو!

یقیناً ان حدیثوں کا مقصود یہ نہیں ہے۔

بالکل اسی طرح حدیث بالا کا مفہوم بھی یہ نہیں ہے کہ قسطنطنیہ کی مہم میں شریک ہوکر یزید کو آئندہ تمام جرائم کی اجازت مل گئی تھی، لہٰذا اُسے کچھ نہ کہو!

اس مہم میں شریک ہوکر یقیناً اس کے گذشتہ گناہ معاف ہوئے، لیکن آئندہ جرائم کا اسے جواب دینا ہوگا۔

واقعۂ کربلا کے بارے میں قرآن کے اشارات، حدیث کے بیانات اور ائمہ واولیاء کے جذبات خود یہ واضح کررہے ہیں کہ حدیث بالا کا مفہوم ومقصود وہ نہیں، جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کی یزید سے بیعت

یزید کے لیے جب بیعت لی گئی تو صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد نے، جن میں چند نامور صحابہ بھی شامل تھے، یزید کی بیعت کر لی۔ اس سے یہ شبہ پھیلایا جاتا ہے کہ یزید برحق تھا، ورنہ صحابہ کرامؓ اس کی بیعت نہ کرتے۔

یہ خیال درست نہیں، اس معاملے کو سمجھنے کے لیے اُس وقت کے حالات کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ امیر معاویہؓ کے دور میں جب یزید کے لیے بیعت کی تحریک چلائی گئی تو، کہیں جبر سے، کہیں ترغیب و تحریص سے، لوگوں نے بیعت کر لی...... ابھی کچھ ہی عرصہ ہوا تھا کہ امت خونریز قتال و جدال کے مرحلے سے گذری تھی...... چنانچہ بیعت کرنے والے صحابہؓ نے مستقبل میں اصلاح احوال کی توقع پر، امت کو نئے جدال سے بچانے کے لیے نہایت نیک نیتی سے یزید کی بیعت کی۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ امام حسینؓ تمام صحابہ میں کم سن تھے اور اس بیعت کے وقت امام حسینؓ کی عمر پچاس برس سے متجاوز تھی تو باقی صحابہؓ کتنے معمر ہوں گے؟ اور اتنی عمر میں ایک نئے میدان میں اترنا، جس کا باطل ہونا ابھی واضح نہیں تھا، بڑی ہمت چاہتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ یزید کا فسق و فجور ابھی ڈھکا چھپا تھا، اس کی اہلیت اور صلاحیت کا پروپیگنڈا تھا، اس وقت ذرائع اطلاعات آج کی طرح کے نہیں تھے، تو بیعت کرنے والوں نے جدال سے بچانے کے لیے افضل شخصیات کے ہوتے ہوئے اسے صرف مفضول سمجھ کر بیعت کی، اس امید پر کہ اس کے بعد کوئی صالح تر فرد آ جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ جب کربلا کے مظالم سامنے آئے اور مدینہ طیبہ سے ایک مؤقر وفد، جن میں غسیل الملائکہ حضرت حنظلہؓ کے فرزند حضرت عبداللہؓ اور حضرت عبداللہ بن ابی عمرو مخزومیؓ بھی شامل تھے، دمشق گیا، اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے

یزید کے اخلاق واطوار کا مشاہدہ کیا تو انہوں نے واپس آ کر بیعت توڑ دی، صحابہ کرامؓ کی اس خلع بیعت کا ذکر صحیح بخاری: ۱۰۵۳/۲ پر موجود ہے۔

حرّہ کا شرمناک واقعہ، جس میں صحابہ کرامؓ کو نہایت بے دردی اور سنگدلی سے شہید کیا گیا اور جس میں ابوسعید خدریؓ جیسے جلیل القدر صحابیؓ کی داڑھی کا ایک ایک بال نوچ لیا گیا، (وفاء الوفاء: ۱۳۵/۱ الامامۃ والسیاسۃ: ۲۱۳/۱) اسی خلع بیعت کے نتیجے میں رونما ہوا۔

تیسری اور اہم بات یہ کہ بیعت کرنے والے صحابہؓ اسے صرف ایک بیعت سمجھ رہے تھے، جبکہ یہ صرف ایک بیعت نہیں تھی بلکہ ولی عہدی کی صورت میں اسلام میں طرز قیصری اور رسم خسروی کی بنیاد رکھی جارہی تھی، جس کا اسلام کے سیاسی نظام پر دوررس منفی اثر مرتب ہوسکتا تھا...... جیسا کہ بعد میں ہوا......

یہ ایک نیا معاملہ اور نئی صورت حال تھی، جن لوگوں نے اسے صرف ایک بیعت سمجھا، انہوں نے نیک امید کے ساتھ بیعت کرلی...... اور جن لوگوں کی نظر اسلام کے سیاسی نظام پر تھی، جو لوگ خلافت کی گود میں پرورش پائے ہوئے تھے، انہیں اس کے مفاسد کا ادراک ہوا اور انہوں نے شدت سے اس بیعت کی مخالفت کی......

علاوہ ازیں بیعت یزید کے صحیح یا غلط ہونے پر بحث اُس وقت ہوسکتی تھی جب تک اس کے برگ وبار نمودار نہیں ہوئے تھے، لیکن آج جب کہ اس بیعت کے نتائج خبیثہ آشکار ہوچکے، امام حسینؓ اور دوسرے صحابہؓ کے خدشات واقعات بن کر سامنے آچکے، اب اس کی صحت پر بحث کرنا اور اس اقدام کے جواز پر دلائل فراہم کرنا ایک لایعنی مشق ہے۔

اب سوال امام حسینؓ کے قیام کے بارے میں نہیں، عدم قیام کے بارے میں ہونا چاہئے!

یزیدی سازش کا پول کھلتا ہے

امام حسینؓ کی شہادت کے بعد سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی خلافت کا اعلان کیا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کو اپنی بیعت کی دعوت دی۔ ابن عباسؓ نے اپنے موقف کی وجہ سے، جس کا انہیں حق تھا، بیعت سے انکار کیا۔ اِس انکار سے یزید یہ سمجھا کہ چونکہ یہ میری بیعت میں داخل ہیں، اس لیے انہوں نے ابن زبیرؓ کی بیعت سے انکار کیا ہے۔ اس بات سے خوش ہو کر اُس نے ابن عباسؓ کو ایک خط لکھا اور ابن عباسؓ نے اس کا جواب دیا۔ تاریخ نے یہ خط اور اس کا جواب اپنے دامن میں محفوظ کر کے بہت سے حقائق سے پردہ اٹھا دیا ہے۔

پہلے سیدنا ابن عباسؓ کے نام نامۂ یزید پڑھتے ہیں:

(ترجمہ) ''بعدازاں، مجھے اطلاع ملی ہے کہ ملحد ابن زبیر نے آپ کو اپنی بیعت کی دعوت دی تھی، لیکن آپ ہم سے وفا کرتے ہوئے ہماری بیعت پر قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک رشتہ دار کی طرف سے وہ بہترین جزا عطا فرمائے جو وہ صلہ رحمی کرنے والوں کو اور عہد نبھانے والوں کو عطا فرمایا کرتا ہے۔ اب میں کچھ بھی بھولوں پر آپ سے حسن سلوک اور آپ کے شایان شان صلے کا فوری انتظام نہیں بھول سکتا۔ اب آپ ذرا اتنا خیال اور رکھیں کہ باہر سے جو لوگ آپ کے پاس آئیں، جنہیں ابن زبیر نے اپنی جادو بیانی سے متاثر کر لیا ہو، تو آپ ابن زبیر کے حال سے انہیں آگاہ کر دیا کریں، کیونکہ اِس حرم کعبہ کی حُرمت پامال کرنے والے (ابن زبیر) کی نسبت لوگ آپ کی بات زیادہ سنتے اور زیادہ مانتے ہیں''۔

اور اب ابن عباسؓ کا صاف جواب:

(ترجمہ) ''بعدازاں، تمہارا خط مجھے ملا، میں نے جو ابن زبیر کی بیعت نہیں کی تو واللہ اس امید پر نہیں کی کہ تم مجھ پر احسان کرو گے اور میری تعریف کرو گے، میری جو نیت

ہے، اُسے اللہ خوب جانتا ہے۔

تم نے یہ جو کہا کہ تم مجھ سے حسن سلوک کو فراموش نہیں کرو گے تو اے انسان! تم اپنے حسن سلوک کو اپنے پاس رکھو، کیونکہ میں تم سے اپنا سلوک نہیں رکھنا چاہتا۔

تم نے مجھ سے یہ درخواست کی کہ میں لوگوں کے دلوں میں تمہاری محبت اور ابن زبیر سے نفرت پیدا کروں اور انہیں ابن زبیر کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ کروں، تو نہیں یہ نہیں ہوگا، یہ کام میرے لیے باعث مسرت ہے نہ باعث عزت۔

اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ تم نے حسین اور خاندان عبدالمطلب کے ان جوانوں کو قتل کیا جو ہدایت کے چراغ اور ناموروں میں ستارے تھے، تمہارے سواروں نے تمہارے حکم سے انہیں ایک کھلے میدان میں اس حال میں چھوڑا کہ وہ خون میں لت پت تھے، ان کے بدن پر جو کچھ تھا، چھینا جا چکا تھا، پیاس کی حالت میں انہیں قتل کیا گیا اور بے کفن، بے دفن رہنے دیا گیا، ہوائیں ان پر خاک ڈالتی رہیں اور دبلے بجو بار بار ان کی لاشوں پر آتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی قوم کو ان کے کفن، دفن کی توفیق دی جو ان کے خون میں شریک نہ تھی۔

قسم ہے میرے رب کی ان ہی کے طفیل تجھے یہ عزت ملی اور تجھے اس جگہ بیٹھنا نصیب ہوا، جس جگہ اب بیٹھا ہوا ہے۔

سو اب میں سب کچھ بھول سکتا ہوں لیکن یہ بات نہیں بھول سکتا کہ تیرے جبر سے حسین حرم نبوی سے نکل کر حرم الٰہی میں آئے پھر تو اپنے سواروں کو مسلسل ان کے پاس بھیجتا رہا یہاں تک کہ انہیں عراق کی طرف روانہ کر کے چھوڑا اور وہ اس حالت میں نکلے کہ اُن کو دھڑکا لگا ہوا تھا، پھر تیرے لشکر نے انہیں جا لیا، اور یہ سب کچھ تو نے اللہ اور اُس کے رسول اور اُن اہل بیت کی عداوت میں کیا جن سے اللہ نے گندگی کو دور کر کے انہیں خوب پاک صاف کر دیا تھا۔

حسین نے تمہیں یہ بھی کہا کہ میں لڑائی بھڑائی نہیں چاہتا، مجھے واپس چلے

جانے دو، لیکن تم نے یہ موقع غنیمت جانا کہ انصار کی تعداد کم ہے اور پورے خاندان کو ختم کیا جا سکتا ہے تو تم مل کر اُن پر یوں ٹوٹ پڑے گویا تم مشرکوں اور کافروں کے خاندان کو قتل کر رہے ہو۔

تو نے میرے باپ کے خاندان کو قتل کیا، تیری تلوار سے میرے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں اور میرا ایک مدعا علیہ تو ہے، اِن حالات میں تو مجھ سے مودت کا طلبگار ہے! اس سے بڑھ کر عجیب چیز کیا ہوگی!

اور کسی غلط فہمی میں نہ رہنا، اگر آج تو نے ہم پر فتح پائی ہے تو ایک دن یقیناً ہم تجھ پر فتح پائیں گے"۔ (الکامل لابن اثیر: ۴/۵۰، ۵۱)

یزید کے مکتوب اور ابن عباسؓ کے جواب سے چند باتیں سامنے آتی ہیں:

(۱) یزید صحابہ کرامؓ کا گستاخ تھا، اس مکتوب میں عبداللہ ابن زبیرؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو ملحد لکھ رہا ہے۔

(۲) یزید کا ذہن گندی سیاست کی آماجگاہ تھا۔

(۳) مکہ میں امام حسینؓ کے پاس جو وفود اور خطوط آتے تھے، ان میں بہت سے یزید کے بھیجے ہوئے ہوتے تھے۔ اس طرح اس نے ایک سازشی منصوبے سے امام حسینؓ کو مکہ سے نکالا اور کربلا تک پہنچایا۔

(۳) کربلا میں جو کچھ ہوا، یزید کی رضا بلکہ حکم سے ہوا، اس واقعے پر اُس کا اظہارِ افسوس محض دکھاوا تھا، جیسا کہ آجکل ہوتا ہے۔

(۴) اہل بیتؓ کا کوئی فرد یزید کا حامی نہیں تھا، جو پہلے خاموش رہے، اس واقعے کے بعد انہوں نے بھی یزید کی شدید مذمت کی۔

یہی حال دوسرے صحابہؓ کرام کا تھا، کسی صحابیؓ نے یزیدی اقدامات کی تائید و تصویب نہیں، بلکہ واقعۂ کربلا کے بعد انہوں نے کھل کر یزید کی مذمت کی۔

سانحۂ کربلا میں نصرانی سازش بھی کارفرما تھی

قاضی اطہر مبارک پوریؒ اپنی مشہور تصنیف "علیؓ وحسینؓ" میں واقعۂ کربلا کا ایک پس منظر ذکر کرتے ہیں، یہ پس منظر دلدوز بھی ہے اور ہماری ملّی بے حسی کا غماز بھی!

آیئے اس کا مطالعہ کرتے ہیں:

"اسلام سے پہلے شام کا پورا علاقہ رومی امپائر کے زیرنگیں تھا، شام کے غسانی حکمران رومی شہنشاہیت کے نمائندے تھے، اور چونکہ شام اور بیت المقدس کا سارا علاقہ عیسائیوں کے لیے مقدس تھا (اور ہے) اس لیے یورپ کی تمام مسیحی طاقتیں وہاں نظر جمائے رکھتی تھیں، شام مسیحیوں کا دینی اور قومی مرکز ہی نہ تھا بلکہ ان کی سیاست وحکومت اور تہذیب وتمدن کا بھی مشرقی گہوارہ تھا۔

خلافت راشدہ میں جب شام فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے یہاں کا انتظام حضرت معاویہؓ کے سپرد کیا، جو اسلامی سیاسی دوراندیشی سے رومی سیاست کا توڑ کر سکتے تھے، چنانچہ حضرت معاویہؓ نے رومیوں کا پورا مقابلہ کیا۔ عہد فاروقی میں بحری جنگ کی اجازت طلب کی اور عہد عثمانی میں قبرص وغیرہ پر چڑھائی کرکے بار بار فتح حاصل کی......

حضرت معاویہؓ رومیوں کے معاملے میں نہایت سخت تھے اور پوری طاقت سے ان کی حرکتوں کا مقابلہ کرتے رہے.........

مگر افسوس کہ حضرت معاویہؓ کی آنکھیں بند ہوتے ہی ہرقلیت اور رومی سیاست اسلام پر حملہ آور ہوئی اور ان نوعمر، ناسمجھ حکمرانوں کے زیر اثر اسے پروان چڑھنے کا موقع ملا، جو اسلامیت اور مسیحیت سے قطع نظر صرف اموی حکومت کا استحکام چاہتے تھے۔ واقعۂ کربلا اسی طرز سیاست کا مکروہ نتیجہ تھا۔

ہوا یہ کہ ہنگامی ضرورت کی وجہ سے حضرت معاویہؓ نے اپنے زمانے میں دیوانِ خراج (محکمہ مالیات) میں کام کرنے کے لیے کچھ نصرانی لوگوں کی خدمات

حاصل کیں، چنانچہ شہر حمص کے خراج کی وصولی کے لیے ابن اثال نصرانی کو مقرر کیا اور سرجون بن منصور رومی مسیحی کو دیوان خراج کا کاتب (سیکرٹری) بنایا۔

سرجون (اسے سرجس بھی کہتے ہیں) حضرت معاویہؓ، یزید، معاویہ بن یزید، مروان بن حکم اور عبدالملک بن مروان کے زمانے تک شام کے دیوانِ خراج کا منتظم اعلیٰ رہا (کتاب الوزراء والکتاب از جہشیاری) اس نے اپنے عملے میں نصرانیوں کو بھرتی کیا، رفتہ رفتہ اس کا اثر ورسوخ بڑھتا گیا اور یہ یزید کا قابل اعتماد مشیر بن گیا اور وہ اپنے عمال و امراء کے عزل ونصب میں اس سے مشورہ کرنے لگا۔

یہ قدیم رومی حکومت کا زمانہ دیکھنے والا سیکرٹری اپنے مذہب پر قائم رہا، مسلمان حکومت کا ملازم ہوتے ہوئے یہ روم کی مسیحی حکومت کا خیر خواہ تھا اور اسلامی فتوحات سے راضی نہ تھا، ایسا آدمی کب صحیح مشورہ دے سکتا تھا، اور اسلامی معاملات خصوصاً مسلمانوں کے باہم نزاع وجدال میں امن وصلح کی بات کیسے کرسکتا تھا۔

چنانچہ علامہ جہشیاری اپنی مشہور و معتبر کتاب الوزراء والکتاب: ص ۳۱ پر لکھتے ہیں کہ:

''جب حسینؓ کے کوفہ پہنچنے کی خبر یزید کو ملی تو اس نے عراق کے والی کے بارے میں سرجون بن منصور سے مشورہ کیا'' اور اس نے عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کا والی مقرر کرنے کا مشورہ دیا اور مشورہ دینے سے پہلے یزید کو متاثر کرنے کے لیے حضرت معاویہؓ کے ساتھ اپنے تعلق کا حوالہ دیا۔ (طبری)

سرجون کا یہ مشورہ مسیحی پالیسی کے عین مطابق تھا، کیونکہ ابن زیاد اپنی شدید عصبیت اور طرفداری میں مشہور تھا اور حکومت کے ساتھ وفاداری میں کسی شخصیت، جماعت یا دیانت کی پروانہیں کرتا تھا۔

آج عرب کی سب سے بڑی دنیوی طاقت ایک طرف تھی اور خاندان رسالت اور ان کے طرفدار دینی جذبے کے ساتھ دوسری طرف، اہل دنیا کے ہاتھوں

اہل دین کو رسوا کرنے کا اس سے بہتر موقع کب میسر ہوتا!

چنانچہ اس نے ایک سفاک شخص کو والی بنانے کا مشورہ دیا، ابن زیاد کی جگہ اگر کوئی اور سمجھ دار اور دیندار والی ہوتا تو شاید یہ نصرانی سازش کامیاب نہ ہوتی اور واقعۂ کربلا رونما نہ ہوتا۔

آج مسیحی مصنفین اور مستشرقین امام حسینؓ اور ان کے رفقاء کو جو غلط کار قرار دے رہے ہیں اور یزید کی حکومت اور اس کے عمال کو جو سراہ رہے ہیں تو اس کی وجہ درحقیقت یہی ہے کہ یزید نے یہ ظلم سرجون مسیحی کے مشورے سے کیا اور اس کاروائی کے نتیجے میں امت اسلامیہ میں ہمیشہ کے لیے افتراق وانشقاق پیدا ہو گیا، اسلام دشمن طاقتوں کا ہمیشہ سے یہی مقصود رہا ہے، تو وہ کیوں نہ یزیدی اقدام کو درست قرار دیں؟

اموی دربار میں نصرانی اثر ونفوذ کتنا بڑھ چکا تھا؟ اس بارے میں ایک مسیحی مستشرق جان کریمر لکھتا ہے:

"عیش وعشرت کی مشغولیت کی بنا پر اکثر اموی خلفاء نے عیسائیوں اور دیگر غیر مسلموں کے ساتھ بہت زیادہ رواداری برتی، عیسائیوں کو نہ صرف یہ کہ خلفاء کے دربار میں آزادی کے ساتھ داخلے کی اجازت تھی بلکہ انہیں اکثر اہم ترین ذمہ داری کے عہدے بھی دیے جاتے تھے۔ سرجون، جو یوحنا دمشقی کا باپ تھا، عبدالملک کے دربار میں مشیر اعلیٰ کے عہدے پر فائز تھا، اور اس کی وفات پر یہ عہدہ اس کے بیٹے کو تفویض ہوا، یہاں تک کہ دربار کا ملک الشعراء ایک مسیحی اخطل ہی تھا۔

عیسائیوں کی حالت ایسی اچھی تھی کہ انہیں مساجد میں بے روک ٹوک جانے کی اور عام مجمعوں میں طلائی صلیب کے ساتھ چلنے پھرنے کی اجازت تھی"۔

ایک اور مستشرق نکسن لکھتا ہے:

"عیسائیوں کو اموی خلفاء کے دربار میں آزادی کے ساتھ نقل وحرکت کی اجازت تھی، نصرانی شاعر اخطل دربار کا ملک الشعراء تھا اور اُس کے ہم مذہب حکومت

کے اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، مسلمان اور عیسائی دوستانہ گفتگو نیز مذہبی مناظروں میں تبادلۂ خیال کیا کرتے تھے" (علیؓ و حسینؓ: ۱۷۴ تا ۱۷۹، بہ تلخیص)

بات صرف دربار تک محدود نہ تھی، خود یزید کی شخصیت پر مسیحی تہذیب و تمدن کے اثرات تھے۔

"مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب حضرت معاویہؓ شام کے گورنر مقرر ہوئے تو انہوں نے اپنی حکومت مضبوط کرنے کے لیے شام کے سب سے طاقتور قبیلے بنوکلب کی ایک خاتون میسون (Maysun) سے شادی کی، یزید انہی کے بطن سے پیدا ہوا، میسون خود تو مسلمان ہوگئی تھیں، لیکن ان کے عزیز و اقارب بدستور عیسائی رہے۔ یزید ایک طرف اپنے گھر میں اسلامی معاشرت اور عربی تہذیب کی خوبیاں دیکھتا تھا تو دوسری طرف جب وہ ننھیال جاتا تو عیسائی تہذیب و تمدن کے مظاہر دیکھتا تھا، وہیں اس نے گھڑ سواری اور شاعری سیکھی۔

یہاں تک خیریت تھی، لیکن آگے بڑھ کر اس نے ایسے مشاغل بھی سیکھ لیے جو اسلامی تعلیمات کے منافی تھے، نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی سیرت میلی ہوتی چلی گئی"۔

(ماہنامہ "اردو ڈائجسٹ" مارچ ۲۰۰۴ء ص: ۸۵)

عیسائی تہذیب و تمدن سے آشنائی کا ثمر تھا کہ اتنے اہم معاملے میں یزید نے ایک مسیحی مشیر سے مشورہ کیا اور پھر اس پر عمل بھی کیا۔

واقعات کی ان کڑیوں کو ملایا جائے تو خیال آتا ہے کہ کربلا میں مسیحیوں نے ایک تو مباہلے کی ہزیمت کا انتقام لیا، دوسرے وحدتِ ملّی کو پارہ پارہ کر دیا۔

اور یہ سب کچھ اُن کے ہاتھوں سے کروایا، جو اپنے کہلاتے تھے۔

اسی کا نام سازش ہے، نصرانی سازش!

معاویہ بن یزید کا اعترافِ حق

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری!

یزید کے بعد اُس کے بیٹے معاویہ کے لیے بیعت لی گئی اور وہ امیر وقت ہو گیا۔ امام حسینؓ اور دوسرے اکابر صحابہؓ نے بیعت یزید کی تحریک پر یہی تو کہا تھا کہ یہ اسلام کے سیاسی نظام کو خلافت سے ملوکیت میں بدلنے کی کوشش ہے، یزید کے بعد معاویہ کی بیعت نے تصدیق کر دی کہ ان صحابہؓ کا اعتراض بالکل بجا تھا۔

دین و دانش میں معاویہ اپنے باپ یزید سے بہتر تھا، یہی وجہ ہے کہ اس شاہی بیعت کا بوجھ زیادہ دیر برداشت نہ کر سکا۔ چالیس دن، اور بعض نے کہا ہے کہ پانچ ماہ اور کچھ دن، گذرے تھے کہ مجلس طلب کی، منبر پر چڑھا، کافی دیر خاموش بیٹھا رہا، پھر گفتگو کا آغاز کیا۔

مشہور محقق کمال الدین محمد بن موسیٰ دمیریؒ (۷۴۲ـ۸۰۸ھ) اس مجلس کا حال بیان کر رہے ہیں:

(ترجمہ) ''سب سے پہلے اس نے اللہ تعالیٰ کی بلیغ انداز میں حمد و ثنا کی، پھر نبی اکرم ﷺ کا حسین و جمیل ذکر کیا، پھر یوں گویا ہوا:

''لوگو! میں تم پر امارت کا خواہش مند نہیں ہوں، اس لیے کہ یہ بڑی ذمہ داری ہے، اور میں جانتا ہوں کہ تم ہمیں ناپسند بھی کرتے ہو، اس لیے کہ تمہاری وجہ سے ہم مبتلا ہوئے اور ہماری وجہ سے تم مبتلا ہوئے۔

میرے دادا معاویہؓ نے اس خلافت کے سلسلے میں ایک ایسے شخصؓ سے نزاع کیا جو رسول ﷺ سے اپنی قرابت، اپنی عظمت و فضیلت اور اپنی دینی سبقت کی

وجہ سے خلافت کے لیے
اُن سے اور دوسروں سے اَولیٰ تھے
جو مہاجرینؓ میں
سب سے عظیم القدر تھے
سب سے دلیر تھے
سب سے بڑے عالم تھے
سب سے پہلے مؤمن تھے
سب سے بلند مرتبت تھے
اور سب سے قدیم صحابی تھے
رسول اللہ ﷺ کے چچازاد
آپؐ کے داماد
اور (دنیا و آخرت) میں آپؐ کے بھائی
رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہؓ کا اُن سے نکاح کیا
اُنہیں اُن کی اپنی پسند سے فاطمہؓ کا شوہر بنایا
اور فاطمہؓ کو ان کی اپنی پسند سے اُن کی زوجہ بنایا
جو
جوانانِ جنت کے دو سرداروں
اِس امت کی دو بہترین شخصیتوں
آغوشِ رسولؐ میں تربیت یافتہ
فاطمہ بتولؓ کے دو فرزندوں
شجرۂ طیبہ، طاہرہ، زکیہ کے دو نونہالوں
حسنینؓ سبطین کے والدِ گرامی ہیں۔

میرے داداؓ نے اُن سے جو کیا، وہ تم جانتے ہو
اور اُن کے ساتھ مل کر تم نے جو کچھ کیا، اُس سے بھی تم ناواقف نہیں۔
ان کارروائیوں کے نتیجے میں امور خلافت میرے داداؓ کے انتظام میں آ گئے،
پھر اُن کا حتمی وقت آ پہنچا اور موت کے ہاتھوں نے انہیں ہم سے چھین لیا،..........

....

.... پھر خلافت میرے ابا کی طرف منتقل ہوئی، وہ تمہارے امیر بن گئے، اور اس امارت میں ان کے والدؓ کی خواہش کا عمل دخل تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ میرے ابا یزید اپنے برے کردار اور اسرافِ نفس کی وجہ سے امت محمد ﷺ پر خلافت کے اہل نہیں تھے۔

چنانچہ وہ اپنی خواہشات پر سوار رہے، اپنی خطاؤں کو درست سمجھتے رہے، بڑی دیدہ دلیری سے اللہ کے احکام کو توڑا اور اولادِ رسول ﷺ کی حرمت کو اپنی عزت کی خاطر پامال کیا۔

چنانچہ اُن کا وقت گھٹ گیا، خیر کا سلسلہ کٹ گیا اور وہ اپنے عمل کے ساتھ سو گئے، آج وہ اپنے گڑھے کی آغوش میں اپنے جرم کے گروی ہیں اور ان کی بدیوں کے نتائج دنیا میں باقی ہیں...... انہوں نے جو کچھ کیا اس کا صلہ پا لیا، وہ شرمندہ ہیں لیکن بے فائدہ...... آج اُن کی موت کا نہیں، خود اُن کا غم ہمیں کھا رہا ہے۔

کاش مجھے معلوم ہو جائے کہ اُن کے بارے میں جو کچھ قیل وقال ہے، کیا یہ اُن کی برائیوں کی سزا اور اُن کے عمل کا بدلہ ہے؟ (تو بھی مجھے اطمینان ہو جائے کہ جان سستی چھوٹی) اور یہ میری خود فریبی ہے"

اتنا کہہ کر اُس کی آواز رندھ گئی، دیر تک روتا رہا اور زور زور سے ہچکیاں لیتا رہا، پھر بولا:

''تیسرا حکمران میں بنا اور حال یہ ہے کہ مجھ سے راضی لوگ کم ہیں، ناراض زیادہ ہیں، میں تمہارے گناہ اٹھانے کی اپنے اندر ہمت نہیں پاتا، اللہ تعالیٰ مجھے اس حال میں نہ دیکھے کہ تمہارے بوجھ میرے گلے میں ہوں اور تمہارے تاوان میں بھروں! سو تم جانو اور تمہاری حکومت جانے، جسے چاہو، اپنا حکمران بنالو، میں نے تو اپنی بیعت کا قلادہ تمہاری گردنوں سے اتار پھینکا۔ والسلام علیکم''

یہ خطاب سن کر مروان بن حکم، جو وہاں منبر کے قریب بیٹھا تھا، بولا:

''ابو لیلیٰ! کیا یہ سنت عمری ہے؟''

(یعنی کیا تم حضرت عمرؓ کی طرح مجلس خلافت بنانا چاہتے ہو؟)

''میری نظروں سے دور ہو جاؤ، کیا تم میرے دین کے بارے میں مجھے دھوکا دینا چاہتے ہو؟'' معاویہ بن یزید نے جواب دیا

''واللہ! میں نے تمہاری خلافت کی مٹھاس نہیں چکھی تو میں اس کے تلخ گھونٹ کیوں بھروں! میرے پاس عمرؓ کے آدمیوں جیسے آدمی تو لاؤ، علاوہ ازیں جب انہوں نے خلافت کو شوریٰ کے تحت رکھا اور ایسے لوگوں کے سپرد کیا، جن کی عدالت میں شک نہیں ہو سکتا تھا، تو مجلس بنا کر انہوں نے کوئی ظلم نہیں کیا،

واللہ! اگر خلافت کوئی اچھی چیز ہے تو میرے ابا نے (اپنے کرتوتوں کی وجہ سے) اس کا تاوان اور گناہ پالیا اور اگر کوئی بری چیز ہے تو جو بھگت لیا، اتنا ہی کافی ہے''

یہ کہہ کر معاویہ منبر سے اتر آیا (گھر گیا) رشتہ داروں کے ساتھ ماں ملنے آئی تو روتے ہوئے پایا، اس پر ماں نے اُسے کہا: ''کاش تو حیض ہی رہتا اور میں تیری (پیدائش کی) خبر نہ سنتی!''

''واللہ! میری بھی یہی تمنا رہی (کہ میں پیدا ہی نہ ہوتا) ہائے میری بدبختی اگر میرے رب نے مجھ پر رحم نہ فرمایا!'' معاویہ بن یزید نے کہا۔

حالات نے جو یوں پلٹا کھایا تو بنو امیہ نے اس کے اتالیق عمر المقصوص کو دھر لیا:

"یہ سب کچھ تو نے اسے تعلیم و تلقین کیا ہے، تو نے اسے خلافت سے روکا ہے، علیؓ اور اولادِ علیؓ کی محبت تو نے اس کے دل میں ڈالی ہے، اس کی وجہ سے ظلم کا جو داغ ہم پر لگ گیا، یہ تو نے لگوایا، تو نے ہی (اس طرح کی) بدعتیں اسے لبھائیں تبھی اُس نے ایسی گفتگو کی"۔

"اللہ کی قسم! میں نے کچھ نہیں کیا، دراصل حبّ علیؓ اس کی جبلّت اور طبیعت میں ودیعت ہوئی ہے" اتالیق نے کہا۔

لیکن انہوں نے اتالیق کی بات تسلیم نہ کی، اسے پکڑا اور زندہ دفن کر دیا، یہاں تک کہ وہ (بے چارا) مر گیا۔

خود معاویہ بن یزید بھی خلعِ بیعت کے بعد صرف چالیس دن، بعض نے کہا: ستر دن، زندہ رہا، کل عمر تیئیس سال، بعض نے کہا: اکیس سال اور بعض نے کہا: اٹھارہ سال ہوئی اور لاولد مرا۔" (حیاۃ الحیوان الکبری: ۸۹،۸۸/۱)

معاویہ بن یزید کا یہ خطاب اعترافِ حق ہے اور یہ واقعات عبرت کی نشانیاں ہیں، لیکن اُن کے لیے جو بصیرت رکھتے ہیں!

امام حسینؓ کا ہر قدم شریعت کے مطابق اٹھا

کچھ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اہل کوفہ سیدنا علیؓ اور سیدنا حسنؓ سے بے وفائی کر چکے تھے، اس لیے ان پر اعتماد کرنا امام حسینؓ کی خطا تھی، چنانچہ کوفہ کے قریب پہنچ کر راہ بدلنا آپؓ کے تأسف اور ملال کو ظاہر کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ بات لکھتے ہوئے ان لوگوں نے امام حسینؓ کا علمی وفقہی مقام سامنے نہیں رکھا۔

جب حکومت پر غاصبانہ قبضہ ہو جائے، امور مملکت شریعت کے خلاف چلائے جائیں اور اس دور میں کسی اہل کو اتنی عوامی تائید حاصل ہو جائے جس سے اقتدار بدلا جا سکے یا اس کی اصلاح کی جا سکے تو ایسی شخصیت پر ایسے حالات میں قیام واجب ہو جاتا ہے...... امام حسینؓ کا بیضہ کا خطبہ اس حقیقت کو واضح کر رہا ہے......

چنانچہ امام حسینؓ بیعت عامہ کی خبر ملنے پر مکہ سے کوفہ کے لیے روانہ ہوئے، اور آپؓ نے روانگی کے لیے آٹھ ذی الحجہ کا انتخاب فرمایا..... لوگ مکہ سے منیٰ کے لیے روانہ ہو رہے تھے اور پچیس مرتبہ پیدل حج کرنے والا امامؑ مکہ سے کوفہ کے لیے روانہ ہو رہا تھا!

ایک تو یہ اندیشہ تھا کہ حج کے دوران میں آپؓ کو سازش سے شہید کیا جائے گا، جیسے اموی گورنر حجاج بن یوسف کے اشارے سے حج کے ہجوم میں عبداللہ بن عمرؓ کو زہر آلود نیزہ چبھویا گیا اور اسی کے اثر سے وہ شہید ہوئے۔

دوسرا سب کے سامنے ایک مختلف سمت کی جانب روانہ ہو کر اس عالمی اجتماع کے ذریعے آپؓ پوری امت پر واضح کرنا چاہتے تھے کہ موجودہ حکومت شریعت کی ہدایت اور امت کی روایت کے خلاف جابرانہ حکومت ہے، اور ظلم و جبر کے خلاف قیام نفل حج سے زیادہ اہم عبادت ہے۔

آپؓ نے خواتین اور بچوں کو بھی ہمراہ لے لیا، یہی خیال ہوگا کہ کوفہ کو مرکز بنا

کر آمریت کے خلاف جدوجہد کی جائے گی۔

ابھی کوفہ نہیں پہنچے تھے کہ راستے میں یزیدی ظلم و جور کی خبر ملی، صورت حال یکسر بدل گئی، اب کہاں جائیں؟

ایک صورت مکہ یا مدینہ واپسی کی تھی، لیکن جن لوگوں نے پہلے نکلنے نہ دیا، وہ اب کہاں نکلنے دیتے! اب تو جبر میں یقیناً اضافہ ہوتا، اس لیے آپؓ نے یہ صورت ترک کردی۔

دوسری صورت یہ تھی کہ کسی گوشے میں جا بسیں اور حالات کے سازگار ہونے کا انتظار کریں۔

یہ دوسری صورت آپؓ کی جدوجہد کے مناسب حال تھی، چنانچہ آپؓ نے اسے ہی اختیار فرمایا اور کوفہ کی راہ سے ہٹ کر دوسری راہ پر ہو لیے۔

(اس سلسلے میں طبری: ۳۹۲/۵ کی روایت میں یہ جو مذکور ہے کہ ''آپؓ شام کی طرف یزید کی طرف چل پڑے...... اور کربلا میں آپؓ نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی پیشکش کی''

اس میں صرف اتنی بات تو درست ہے کہ آپؓ شام کے راستے پر چل پڑے، باقی یزید کے حوالے سے سب باتیں راویوں کے اندازے ہیں۔ امام حسینؓ نے کبھی یزید کی بیعت کی پیشکش نہیں کی...... اور شام کے راستے پر چلنے سے یہ کہاں متعین ہوتا ہے کہ شام ہی جانا چاہتے تھے، ہوسکتا ہے کہ آگے جا کر آپؓ کسی اور طرف جانا چاہتے ہوں، ایسی صورت حال میں دشمن کو غچہ دیا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ بعض دفعہ جہاد کے لیے جب مدینہ طیبہ سے روانہ ہوتے، تو منافقین اور اعداء اسلام آپ کی سمت کو دیکھ کر کچھ اندازہ لگاتے لیکن آپ کی منزل مقصود کچھ اور ہوتی تھی!)

یزیدی لشکر مسلسل تعاقب کرتا رہا، آپؓ کربلا میں فروکش ہوئے، لیکن ظالموں نے آپؓ کو یہاں بھی چین نہ لینے دیا، آپؓ لڑنا نہیں چاہتے تھے، لیکن آپؓ کو لڑنے پر مجبور کیا گیا، آپؓ نے اپنے دفاع میں تلوار اٹھائی، آپؓ کسی مسلمان پر، خواہ

وہ نام نہاد مسلمان ہی کیوں نہ ہو، اقدامی حملہ کرنا روا نہیں سمجھتے تھے، ورنہ کون تھا جو آپؓ کے سامنے ٹھہر سکتا!

ان نازک اور جانگسل لمحات میں آپؓ اپنے والد ماجدؓ کے نقش قدم پر چل رہے تھے، علی مرتضیٰؓ شیر خدا ہیں، ہر میدان آپؓ کی شجاعت و بسالت کا گواہ ہے، لیکن صفین میں بچ بچ کر حملوں کا جواب دے رہے ہیں، مبادا کوئی مسلمان ناحق قتل نہ ہو جائے! پھر امام حسینؓ نے جوابی حملے سے پیشتر ظالموں کو دین کے احکام بھی بتائے اور رسول اللہ ﷺ سے اپنے تعلقات بھی یاد دلائے، تاکہ اتمام حجت ہو جائے۔ لیکن یزیدی جبر اور زیادی استبداد اندھا، بہرا ہو چکا تھا، سینوں میں دلوں کی جگہ سیاہ پتھر تھے، انہوں نے کچھ سنا نہ دیکھا، نہ سمجھا اور چاروں طرف سے حملہ آور ہو کر نہایت بے دردی سے شہید کر ڈالا اور پھر تمام جاہلی روایات زندہ کی گئیں، اس طرح پوری دنیا کے سامنے واضح ہو گیا کہ یزیدی آمریت صرف شرع اسلامی ہی کی نہیں، شرع انسانی کی بھی باغی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ امام حسینؓ کا مکہ سے کوفہ کی جانب چلنا بھی شریعت کے مطابق تھا، اور کوفہ کے قریب پہنچ کر راہ بدلنا بھی شریعت کے مطابق تھا، پہلے سفر کو ناعاقبت اندیشی کہا جا سکتا ہے نہ دوسرے سفر کو پسپائی، آپؓ کا ہر قدم شریعت کے موافق اور برمحل تھا۔

آپؓ کے رویے میں تبدیلی حالات کی تبدیلی کی وجہ سے ہوئی، یہی فقہاہت اور فراست ہے۔

جن لوگوں نے اس فرق کو نہیں سمجھا، انہیں امامؓ کا اقدام خطا نظر آیا۔

اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائے۔

اس مضمون کی کتابت ہو چکی تھی کہ حضرت خواجہ گیسو درازؒ کا ایک ملفوظ ملا، جس سے اس نظریے کی کلی تائید ہوتی ہے، تبرک کے طور پر اسے نقل کیا جا رہا ہے:

''رسول اللہ ﷺ کے اہل بیتؓ میں سے کوئی بھی سیرت رسول سے

روگرداں نہ ہوا" اور جب تک وہ زندہ رہے رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو پکڑے رہے، اور ہمیشہ اس راستہ پر گامزن رہے جس میں سیرت رسول سے ذرا بھی تبدیلی اور روگردانی کا شائبہ نہ تھا، اور ان کے دشمن ہمیشہ اسی وجہ سے ان سے خائف رہے کہ انہوں نے برے سے برے وقت میں بھی شریعت کی پابندی اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو نظر انداز نہیں کیا، اور ان کے دشمنوں نے اس کے برخلاف دین و مذہب سے ہٹ کر اور شرع کی پابندیوں سے قطع تعلق کر کے ہر طرح کے مکر و فریب سے کام لے کر ان کو زیر اور مغلوب کرنا چاہا۔ اہل بیتؓ دشمنوں کی اذیت سہتے رہے، جان دیتے رہے لیکن شریعت الٰہی اور سیرت رسول سے وہ بال برابر منحرف نہ ہوئے، انہوں نے شریعت اور سیرت پر قائم رہنے کے لیے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ سب کو معلوم ہے ان پر کیا گزری لیکن بچے سے لے کر جوان اور بوڑھے تک کسی کا بھی جنگ و دشمنی کے وقت قدم نہ ڈگمگایا۔ پھر اُن لوگوں کا کیا پوچھنا جو رسول اللہ ﷺ کے فرزند اور لخت جگر تھے، ان سے کوئی کام شریعت اور سیرت رسول ﷺ کے خلاف ہونے کا کیا امکان تھا؟" (جوامع الکلم: ۱۹۲)

روکنے والوں نے امام حسینؓ کو کیوں روکا؟

امام حسینؓ نے جب مکہ مکرمہ سے کوفہ روانگی کا ارادہ فرمایا تو بہت سے احباب واعزہ نے آپؓ کو روکا، لیکن آپؓ اپنے عزم پر قائم رہے، اس سے یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ امام حسینؓ کا ارادہ صائب نہیں تھا۔

حقیقت یہ نہیں ہے۔

جن لوگوں نے آپؓ کو روکا، اُن کا روکنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ آپؓ کے موقف کو غلط سمجھتے تھے، اُن کا روکنا اس وجہ سے تھا کہ اس وقت آپؓ کا واسطہ بے مروت، بے لحاظ، خودغرض، ابن الوقت اور جاہ پرست لوگوں سے ہے، ایسا نہ ہو کہ: "ان تقادفی عثمان" (ابن کثیر: ۱۶۴/۸) یہ لوگ آپؓ کو قصاص عثمانؓ کے بہانے قتل کر ڈالیں۔

اگرچہ مخلصین کے یہ اندیشے بالکل صحیح ثابت ہوئے لیکن امام حسینؓ نے تمام خطرات کے باوجود عزیمت کی راہ اپنائی، کیونکہ ایک طرف ذاتی خطرات تھے، دوسری طرف امت کا مفاد تھا، آپؓ نے اپنی ذات کو امت کے مفاد پر قربان کر دیا۔

اور امت کی خاطر اپنی ذات وہی قربان کر سکتا تھا جس کی رگوں میں "امتی امتی" کی فریاد کرنے والے نبی ﷺ کا خون دوڑ رہا ہو یا جو اس نبی ﷺ کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے والے کا فرزند ہو!

ایسے پرخطر معاملات میں رخصت کے لیے تو عذر ہوتا ہے، عزیمت کے لیے نہیں، اور امام حسینؓ صاحب عزیمت تھے۔

امام حسنؓ کی امیر معاویہؓ سے صلح

سانحہ کربلا کا امام حسنؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان ہونے والی صلح سے گہرا تعلق ہے۔ اس لیے ایک نظر اس صلح نامہ پر بھی!

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حسن بن علی ان شرائط پر اہل اسلام کی ولایت معاویہ بن ابی سفیان کی سپرد کر رہے ہیں:

(۱) امور مملکت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین مہدیینؓ کی سیرت کی روشنی میں انجام دیے جائیں گے۔

(۲) معاویہ بن ابی سفیان کو اپنے بعد کسی کو ولی عہد بنانے کا حق نہیں ہے، ان کے بعد اہل اسلام کی مشاورت سے امیر چنا جائے گا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی سرزمین پر بسنے والے سب انسانوں کو امن حاصل ہوگا، خواہ وہ شام میں ہوں یا عراق میں، حجاز میں ہوں یا یمن میں۔

(۴) علی کے اصحاب اور حامیوں کی جان و مال اور عزت آبرو کو تحفظ حاصل ہوگا، وہ جہاں بھی ہوں۔

حسن بن علی کو، ان کے بھائی حسین کو اور اہل بیت نبوی کے کسی فرد کو کھلے، چھپے کسی طور نشانہ بنایا جائے گا نہ ہی ان میں سے کسی کو ملک کے کسی حصے میں ڈرایا دھمکایا جائے گا۔

(۵) معاویہ بن ابی سفیان اللہ تعالیٰ سے عہد و میثاق کرتے ہیں کہ ان شرائط کو پورا کریں گے۔" (الصواعق المحرقہ:۱۳۶)

صلح ہو جانے کے بعد سب کی موجودگی میں امیر معاویہؓ کے التماس پر آپؓ نے خطاب فرمایا اور اس میں واضح کر دیا کہ:

"میرے پیش نظر امت کی اصلاح اور فتنہ و فساد کا خاتمہ ہے...... میں سمجھتا

ہوں کہ آپس میں لڑ کر خون بہانے سے بہتر ہے کہ جانیں بچالی جائیں، اس صلح سے میری مراد صرف تمہاری اصلاح اور بقا ہے۔

''وَإِنْ أَدْرِیْ لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَكُمْ وَمَتَاعٌ إِلٰى حِيْنٍ ''(الانبیاء:۱۱۱)

ترجمہ: ''اور میں نہیں جانتا شاید یہ تمہارے لیے آزمائش ہو اور ایک وقت تک دنیوی فائدہ ہو''۔(الصواعق:۱۳۷)

امام حسنؓ کے اس اقدام سے رسول اللہ ﷺ کی یہ پیشگوئی اعجازی شان کے ساتھ پوری ہوئی:

''میرا یہ بیٹا سید ہے اور بہت جلد اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا''(صحیح بخاری:۱/۵۳۰)

آپؓ کے اس فیصلے کو کئی معنی پہنائے گئے ہیں لیکن محدثین نے صراحت کی ہے کہ آپؓ کی صلح اضطراری نہیں، سراسر اختیاری تھی۔(الصواعق:۲۱۷)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بھی فرماتے ہیں:

"فانه ترک الملک لالقلة ولالذلة ولالعلة بل لرغبة فيما عندالله......"(فتح الباری:۱۳/۵۷)

''آپؓ مملکت سے دستبردار کسی قلت کی وجہ سے ہوئے نہ کسی ذلت کی وجہ سے اور نہ کسی علت کی وجہ سے بلکہ خالص اللہ کی رضا کے لیے آپؓ نے حکومت چھوڑی''۔

آپؓ سیدنا علیؓ کے بعد چھ ماہ خلیفہ رہے اور ربیع الاول ۴۱ھ میں اس ذمہ داری سے الگ ہوئے، جبکہ سیدنا ابو بکرؓ کی خلافت سے لے کر اب تک ٹھیک تیس سال پورے ہوئے تھے، اس طرح رسول اللہ ﷺ کی ایک اور پیشگوئی بھی پوری ہوئی کہ ''خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی''۔(مشکوۃ، کتاب الفتن)

صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم

مناقب اہل بیتؓ کی روایات پر بے جا تنقید

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ محدث عبدالرحمٰن مہدیؒ (۲۳۴ھ) سے ایک اصول نقل فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''جب ہم حلال وحرام کے بارے میں نبی اکرم ﷺ سے کوئی حدیث روایت کرتے ہیں تو اسانید میں شدت برتتے ہیں اور رجال کی خوب جانچ پرکھ کرتے ہیں، اور جب ہم فضائل میں اور ثواب وعقاب کے بارے میں کوئی حدیث روایت کرتے ہیں تو اسانید میں نرمی برتتے ہیں اور رجال کے بارے میں تسامح سے کام لیتے ہیں'' (فتح الملہم: ۸/۱)

لیکن برا ہو تعصب جاہلی کا، خلفاء ثلاثہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں تو یہی اصول برتا جاتا ہے، لیکن مناقب اہل بیتؓ کی روایات جب بیان کی جاتی ہیں تو معاً سند پر نقد وجرح اور مضمون پر اعتراض وارد کیے جاتے ہیں، حتیٰ کہ صحیحین کی روایات بھی اس جاہلی رویے سے نہ بچ سکیں۔ اسے جاہلی رویہ اس لیے کہا جا رہا ہے کہ مناقب اصحابؓ کی روایات پر اگر ایسا ہی انتقاد ہو تو شاید ہی کسی کی منقبت ثابت ہو سکے۔

مناقب اہل بیتؓ کی روایات پر ایک عمومی تنقید سند کے کسی راوی کے بارے میں منقول اس جملے کے حوالے سے ہوتی ہے کہ ''کان شیعیاً'' وہ شیعی تھا' لہٰذا یہ روایت قابل قبول نہیں۔

ملا علی قاریؒ اس بارے میں بڑی معقول اور معتدل بات فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''علی الاطلاق ہر شیعی کی ہر روایت مسترد نہیں ہے، بلکہ صرف وہ روایت مسترد ہوگی جس میں اہل بیتؓ کی مدحت یا دشمنان اہل بیتؓ کی مذمت میں حد سے زیادہ غیر معروف مبالغہ ہو، وگرنہ جہاں تک اہل بیتؓ کی نفس فضیلت اور ان سے لڑنے والوں کی مذمت کا تعلق ہے تو یہ علماء اہل السنت اور اکابر ائمہ امت کے یہاں

اجماعی بات ہے۔

خیال رہے کہ کسی کے ساتھ محبت زیادہ ہونے سے اس کا افضل ہونا ثابت نہیں ہوتا، اس لیے کہ کسی دوسرے کے یقینی طور پر افضل ہونے کے باوجود اولاد اور کسی عزیز سے محبت ایک فطری امر ہے، ہاں جو خونی رشتہ نہیں رکھتے اُن کے لیے کسی کا افضل ہونا اُس کے ساتھ زیادہ محبت رکھنے کا سبب ہوا کرتا ہے"۔(مرقاۃ:۱۱/۳۸۷)

اسی طرح شیعی راوی کی روایت سے اُس کے خاص مسلک کی تائید ہو رہی ہو تو اسے بھی پرکھا جائے گا، وگرنہ روایت قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

صحیح بخاریؒ کے راویوں کی ثقاہت مسلمہ ہے، جبکہ صحیح بخاریؒ میں کتنے راوی ہیں، جن کے بارے میں محدثین لکھتے ہیں کہ وہ شیعہ تھے! اس سے معلوم ہوا کہ ایک راوی شیعی ہوتے ہوئے بھی ثقہ ہو سکتا ہے۔

اس سے بڑھ کر، سنی صحاح ستہ میں ایک مجموعۂ حدیث **"سنن نسائی"** ہے، جو صدیوں سے ہمارے دینی مدارس میں پڑھا پڑھایا جاتا ہے، اس کے مؤلف امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی النسائیؒ کے حالات زندگی، جو درسی نسخے کے آخر میں مطبوعہ ہیں، میں ہے:

"و کان یتشیع" "آپ اہل تشیع تھے"

اس پر حافظ ابن حجر عسقلانیؒ "تہذیب" میں لکھتے ہیں:

ترجمہ: "متقدمین کے عرف میں تشیع یہ عقیدہ ہے کہ علیؓ عثمانؓ سے افضل ہیں اور یہ کہ تمام جنگوں میں علیؓ راہ صواب پر تھے اور ان کے مخالف خطا پر تھے، ہاں شیخینؓ سب سے مقدم اور افضل ہیں، بلکہ بعض تو یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد علیؓ افضل الخلق ہیں، اس عقیدہ کا حامل اگر خدا ترس ہے، دیندار ہے، سچا ہے، مجتہد ہے تو محض اس عقیدے کی وجہ سے اُس کی روایت رد نہیں کی جائے گی، بالخصوص جبکہ وہ اپنے مسلک کا داعی بھی نہ ہو"۔(سنن النسائی، ترجمۃ المؤلف:۲/۳۲۷)

اس سے یہ بات سامنے آئی کہ کتب حدیث میں جب کسی راوی کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ شیعی تھا، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ آجکل کے شیعہ کی طرح شیعی تھا، بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جو سیاسی اختلاف تھا، اُس میں وہ شیعہ علیؓ میں سے تھا، چنانچہ تاریخ میں شیعہ عثمانؓ اور شیعہ معاویہؓ کے الفاظ بھی ملتے ہیں، اس کا معنی یہ ہے کہ قرون خیر میں شیعہ کا ٹائٹل مذہبی حوالہ نہیں، سیاسی حوالہ تھا، اس سیاسی اختلاف میں مذہب کا رنگ بعد میں بھرا گیا، جس سے بات بگڑ گئی۔

صحابہ کرامؓ کے درمیان سیاسی اختلاف کو اِس مثال سے سمجھیے ......اور ذہن میں رہے کہ یہ مثال صرف اختلاف کی ہے، رہا صحابہ کرامؓ کی عظمت وفضیلت کا معاملہ اس مثال کا اُس سے کوئی تعلق نہیں۔

آج مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی میں سیاسی اختلاف ہے، لیکن اختلاف کے باوجود دونوں پارٹیوں کے افراد اور قائدین ایک دوسرے سے ملتے ہیں، خوشی، غمی میں شریک ہوتے ہیں، کسی نکتے پر اتحاد بھی ہو جاتا ہے۔

پچاس سو برس بعد کوئی ظالم اس سیاسی اختلاف پر مذہب کی چھاپ لگا دے تو کیا حال ہو!

آئندہ نسل اس اختلاف کو ایمان وکفر کا مسئلہ بنا لے گی، جبکہ حقیقت بالکل اور ہے۔

ضرورت ہے کہ اہل بیتؓ اور صحابہؓ کے حالات کو اُنہی کے دور میں پہنچ کر پڑھا جائے یعنی قرآن اور حدیث کی امہات کتب میں ان کا مطالعہ کیا جائے تو مسائل آسانی سے سمجھ آئیں گے۔ ہاں یہی مسائل جب مناظرانہ رنگ کی کتابوں میں پڑھے جائیں تو بات الجھتی چلی جاتی ہے۔

حفظ مراتب تقاضائے شریعت ہے

قرآن وحدیث میں صحابہ کرامؓ کے جہاں درجات بیان ہوئے ہیں، وہاں حفظِ مراتب کی بھی تلقین فرمائی گئی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

ترجمہ: ''تم میں سے جس نے فتح (مکہ یا صلح حدیبیہ) سے پہلے خرچ اور قتال کیا وہ (دوسروں کے) برابر نہیں، ان لوگوں کا درجہ بڑا ہے اُن سے جنہوں نے اس کے بعد خرچ اور قتال کیا، اور (یوں تو) سب سے اللہ نے وعدہ کیا ہے بھلائی کا، اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو''۔(الحدید: ۱۰)

معلوم ہوا کہ جن اصحابؓ نے کڑے وقت میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا، وہ بعد میں آنے والوں سے عظیم تر ہیں۔

ایک مرتبہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور خالدؓ بن ولید کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہوگیا، خالدؓ بن ولید نے انہیں کوئی سخت جملہ کہہ دیا، بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

ترجمہ: ''میرے اصحاب کو برا مت کہو، اگر تم میں سے کوئی احد جتنا بھی سونا خرچ کرے تو ان کے خرچ کیے ہوئے ایک مدّ بلکہ نصف مدّ کے بھی برابر نہیں''۔

(مشکوٰۃ مع مرقاۃ:۱۱/۲۷۲)

خالدؓ بن ولید بھی صحابی ہیں، اور ان کی اسلام کے لیے خدمات محتاج بیان نہیں، لیکن اس مقام پر رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب انہیں قرار دے رہے ہیں، جنہوں نے سب کو چھوڑ کر اور سب کچھ چھوڑ کر اوّل اوّل آپ ﷺ کی صحبت اختیار کی۔

ان روایات کی روشنی میں ہر دور میں امت نے فرق مراتب کا لحاظ رکھا۔

اِس سلسلے میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ اپنی آپ بیتی میں یہ فکر انگیز ملفوظ نقل کرتے ہیں:

''مولانا عبدالشکور لکھنویؒ سے میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے، ایک موقع پر حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درجات کا فرق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سابقون اوّلون کی پہلی صف کے بھی اکابر میں ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں لیکن حضرت علی مرتضیٰؓ سے اُن کو کیا نسبت؟ اُن کی مجلس میں اگر صف نعال میں بھی حضرت معاویہؓ کو جگہ مل جائے تو اُن کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے''۔

(تحدیث نعمت:۳۴۶)

مولانا لکھنویؒ کا یہ ارشاد اور مولانا نعمانیؒ کی روایت دونوں اپنی جگہ بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

اور خیال رہے کہ مولانا نعمانیؒ نے یہ بات مولانا لکھنویؒ کے ''غیر معمولی اعتدال'' کے زیر عنوان ذکر کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلک اعتدال دراصل یہی ہے، اور اس سے ہٹ کر جتنی باتیں کی جاتی ہیں، سب افراط و تفریط ہیں۔

قرآن کی آیت آپ نے پڑھی، حدیث بھی پڑھ لی، اکابر علماء کا ارشاد بھی ملاحظہ ہوا، اب عصر حاضر کے ایک صاحب کی بات سنیے:

''بے شک ابوعبیدہؓ و خالدؓ، علیؓ عظیم
لیکن نہیں کسی سے بھی کم تر معاویہؓ''

ناطقہ سربگریباں ہے اِسے کیا کہیے!

تمام خلفاءؓ راشدین ہیں، لیکن:

''بعد از چہار یار و حسن شد خلیفہ ای
امت کے حق میں ارشد و اکبر معاویہؓ''

'راشد اور' ارشد' کا فرق ملحوظ خاطر رہے!

مزید ارشاد ہوتا ہے:

"قولِ نبیؐ ہے جو بھی لڑے گا امیر سے
اس کو پچھاڑ دیں گے برابر معاویہؓ
پھر دیکھ کہ جو بھی مقابل ہوا رہا
مغلوب اور رہے ہیں مظفر معاویہؓ"

یہ کونسا قول نبی ﷺ ہے؟ کون مقابل ہوا؟ اور کون مغلوب اور کون غالب رہا؟ تاریخ سب کچھ بیان کر رہی ہے، لیکن کیا کیجئے تعصب میں ہوش وحواس ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔

اور ذرا یہ طنزیہ انداز ملاحظہ ہو:

"گرلیں نہ انتقام تو پھر وہ حلیم ہوں
اور بیٹا ہو جانشین تو ستم گر معاویہؓ
یہ منطق خبیث ہے ابن سبا کا دین
ورنہ تھے حُسن و خیر کے مظہر معاویہؓ"

جب انسان حفظِ مراتب اور حسنِ ادب سے محروم ہو جائے تو پھر اس سے اسی طرح کی بے سروپا باتیں سرزد ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ قلب سلیم عطا فرمائے!

یہ رشتہ دار

کچھ لوگ واقعۂ کربلا کی سنگینی کو کم بلکہ ختم کرنے کے لیے یزید اور شمر کی بنو ہاشم کے ساتھ قرابت داری کا حوالہ دیتے ہیں کہ یہ حادثہ فتنہ پردازوں کی سازش کی وجہ سے ہوا، ورنہ قاتلین و مقتولین تو ایک دوسرے کے قرابت دار تھے، ان کے درمیان ایسا کشت وخون کیسے ہوسکتا تھا؟

یہ لوگ بھی کیا سادہ ہیں، یزید کے دفاع میں بھول گئے کہ:

اس سرزمین پر پہلا قتل بھائی کے ہاتھوں بھائی کا ہوا۔

سیدنا یوسفؑ کو کنوئیں میں سگے بھائیوں نے پھینکا۔

ابوجہل، ابولہب اور قبول اسلام سے پہلے ابوسفیان نے رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ ناروا سلوک کیا، وہ تمام تر رشتہ داری کے باوجود کیا۔

اب رشتہ داری کی بنیاد پر جیسے انہیں بری الذمہ قرار دینے کی بات حماقت اور جہالت ہے، اسی طرح یزید کو بھی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے بری قرار دینا پرلے درجے کی سفاہت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حسد کی آگ ہمیشہ رشتہ داروں اور دوستوں میں بھڑکتی ہے، بیگانوں کو تو خبر ہی نہیں ہوتی۔ خاص طور پر انسان جب اقتدار کی حرص میں مبتلا ہو جائے تو سب رشتوں ناتوں کو فراموش کر دیتا ہے، عباسی، عثمانی اور مغل ادوار میں کتنے واقعات ملتے ہیں کہ اقتدار کی خاطر ماں، باپ نے اولاد کو اور اولاد نے ماں، باپ کو اور بھائیوں نے بھائیوں کو قتل اور قید کیا۔

اس لیے رشتہ داری کی وجہ سے یزید اور شمر نہ صرف یہ کہ اس جرم سے بری نہیں ہوتے بلکہ سانحۂ کربلا کا ایک بڑا سبب یہی رشتہ داری تھا!

ایک عربی شاعر کہتا ہے:

اقـارب کـا لـعقـارب فـی الایذاء

فـلاتـفـرح بـعـمّ او بـخـالٍ

فـکـم عـمّ یـکـون الـغـمّ مـنـه

وکـم خـال عـن الاحسـان خـالٍ

ترجمہ: ''اذیت رسانی میں رشتہ دار بچھوؤں کی طرح ہوتے ہیں لہٰذا کسی چچا اور ماموں سے فرحت کی امید نہ رکھ (ہاں کسی سے راحت مل جائے تو شکر ادا کر) کتنے عمّ باعث غم ہوتے ہیں اور کتنے خال (ماموں) حسنِ سلوک سے خالی ہوتے ہیں''

کسی نے خوب کہا ہے:

سلگتی لکڑیاں ہیں یہ رشتہ دار

جو دور ہوں تو دھواں دیں، ملیں تو جلنے لگیں

تابعین کے لقب کا استحصال

امت میں صحابہؓ اور تابعینؒ کا خاص مقام ہے اور ان کا وجود باعث نصرت و برکت ہے، جیسا کہ ابو سعید الخدریؓ کی روایت (مشکوۃ مع مرقاۃ: ۱۱/۲۷۴) سے معلوم ہوتا ہے۔

اور عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں (یعنی صحابہ) پھر وہ لوگ جو اِن (صحابہ) سے قریب ہوں (یعنی تابعین) پھر وہ لوگ جو اِن (تابعین) سے قریب ہوں (یعنی اتباع تابعین)'' (مشکوۃ مع مرقاۃ: ۱۱/۲۷۶)

اور جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس مسلم کو آگ نہیں چھوئے گی، جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا''۔

(مشکوۃ مع مرقاۃ: ۱۱/۲۷۸)

کچھ لوگ یزید کے دفاع میں یہ احادیث بھی بڑے زور و شور سے بیان کرتے ہیں کہ یزید تابعین کے زمرے میں داخل ہے اور آگ اس پر حرام ہے، لہٰذا اسے کچھ نہ کہا جائے۔

یہ تابعین کے لقب کا استحصال ہے، احادیث پڑھنے، پڑھانے والے خوب جانتے ہیں کہ ایسی تمام روایات میں فضیلت عمل صالح سے مشروط ہوتی ہے، خواہ صراحۃً اس کا ذکر نہ بھی ہو۔

قرآن مجید نے سورۃ توبہ، آیت: ۱۰۰ میں سابقون اوّلون صحابہ اور اُن کے تابعین کے لیے رضائے الٰہی اور جنت کا اعلان فرمایا ہے، لیکن اُن تابعین کے لیے جو اِحسان کے ساتھ پیروکار ہوں۔

خود تابعین کا لفظ اتباع کا تقاضا کرتا ہے۔

جن لوگوں نے صحابہ کرامؓ کو دیکھا، لیکن ان کا اتباع نہیں کیا، وہ تابعین کی فضیلت سے محروم ہیں۔

یوں تو امام حسینؓ کو شہید کر کے ان کی نعش پر گھوڑے دوڑانے والے،

واقعۂ حرہ میں مدینہ طیبہ کی حرمت پامال کرنے والے،

حجاج بن یوسف سمیت بیت اللہ پر چڑھائی کرنے والے بھی تابعین تھے،

لیکن احسان کے ساتھ صحابہؓ کے پیچھے چلنے والے نہیں،

ظلم و عدوان کے ساتھ صحابہؓ کا پیچھا کرنے والے!

یزید کا حال بھی ایسا ہی تھا۔

کوفہ اور کوفی

واقعۂ کربلا کے حوالے سے کوفہ اور کوفیوں کو بہت بدنام کیا گیا ہے، آیئے ایک نظر اس پر بھی!

"نصب الرایہ لاحادیث الھدایہ" حافظ عبداللہ بن یوسف زیلعیؒ (۷۶۲ھ) کی مشہور کتاب ہے، جس میں انہوں نے فقہ حنفی کے دلائل بیان کیے ہیں۔

اس کتاب کا ایک شاندار مقدمہ استاذ کبیر محمد زاہد کوثریؒ نے تحریر فرمایا ہے۔ اس مقدمے میں ص: ۲۹ تا ۳۶ کوثریؒ نے قرآن، سنت، فقہ، عربیت وغیرہ اجتہادی علوم میں کوفہ کا مقام، کوفہ میں حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے کچھ اصحاب کا تذکرہ، کوفہ اور دوسرے شہروں کے علما کا موازنہ، کوفہ میں احادیث اور محدثین کی کثرت کے بارے میں نفیس تحقیق فرمائی ہے۔

کوثریؒ لکھتے ہیں: کوفہ ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ کے حکم سے آباد کیا گیا، اس کے اطراف میں فصحائے عرب بسائے گئے اور یہاں کے مسلمانوں کی تعلیم وتذکیر کے لیے سرکاری طور پر عبداللہ ابن مسعودؓ کو مقرر کیا گیا۔ اس بارے میں حضرت عمرؓ نے اہل کوفہ کو لکھا: "ابن مسعودؓ کی مجھے اشد ضرورت ہے، لیکن تمہاری ضرورت کو مقدم رکھتے ہوئے میں انہیں تمہارے پاس بھیج رہا ہوں"۔

ابن مسعودؓ نے عثمانی دور کے آخر تک لوگوں کو قرآن مجید اور شریعت کی تعلیم دی۔ آپؓ کی ان علمی کاوشوں سے اس شہر میں چار ہزار علماء ومحدثین پیدا ہوئے۔

حضرت علیؓ جب کوفہ پہنچے تو آپؓ نے اس شہر کے علمی ماحول کو دیکھ کر فرمایا: "اللہ ابن مسعود کا بھلا کرے، انہوں نے اس شہر کو علم سے بھر دیا"۔

خود حضرت علیؓ کی اس شہر میں علمی اور روحانی خدمات گراں قدر ہیں۔

مذکورہ دو اصحابؓ کے علاوہ پندرہ سو صحابہؓ اس شہر میں قیام پذیر ہوئے، جن

میں ستر بدری صحابہؓ تھے"۔

صحابہ کرامؓ کے انوار و برکات اور علماء و فقہاء کی خدمات نے کوفہ کو اسلام کا مرکز اور علوم و فیوض کا منبع بنا دیا، جہاں دور دور سے پیاسے آتے تھے اور اپنی فکر و نظر اور علم و عمل کی پیاس بجھاتے تھے۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ قدیم مراکز اسلام تھے۔لوگوں سے جب یزید کی بیعت کا مطالبہ ہوا تو ان تینوں مراکز کی نمائندہ اکثریت نے بیعت سے انکار کیا، باقی علاقوں میں دھن، دھونس، دھاندلی کے تمام حربے آزمائے گئے، بیعت ہوئی لیکن خوف، بے دلی اور بے یقینی کی فضا میں، مراکز نے جب بیعت نہ کی تو بیعت صحیح نہ ہوئی ،اور ایسی بیعت کی بنیاد پر استقرار حکومت بھی درست نہ ہوا، تو کوفہ اپنی مرکزیت کی وجہ سے حکومت سازی میں اہم کردار کا حامل تھا۔

واقعۂ کربلا پڑھتے ہوئے یہ خیال آتا ہے کہ اتنے اچھے ماحول میں رہنے والوں نے یہ کیا کیا کہ جہان میں بے وفائی ان کا حوالہ بن گیا، اور پھر ایسے جفا کار ماحول میں کیسے کیسے علماء، فقہاء صوفیا نے جنم لیا، یاللعجب!

حالات کا جائزہ لیجیے تو حقیقت کچھ اور سامنے آتی ہے۔کوفہ کے سب لوگ بے وفا نہ تھے، بلکہ اہل اخلاص زیادہ تھے۔یزید کی بیعت کی دعوت دی گئی تو اہل کوفہ نے بیعت نہ کی اور بجا طور پر امام حسینؓ کو خلافت کی ذمہ داری قبول کرنے کی دعوت دی، پھر امام حسینؓ کے نمائندے مسلمؓ بن عقیلؓ کے ہاتھ پر ہزاروں نے بیعت کر لی۔

اس وقت نعمان بن بشیرؓ کوفہ کے والی تھے، صحابی رسول ﷺ تھے، اظہار رائے کی آزادی کو تسلیم کرتے تھے اور عوام کی رائے کا احترام کرتے تھے، انہوں نے اس بیعت کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا۔

اس پر ابن زیاد کو مارشل لا ایڈمنسٹریٹر بنا کر کوفہ بھیجا گیا، اس نے آتے ہی تحریص و تہدید کے وہ تمام ہتھکنڈے استعمال کیے جو فرعونی، یزیدی سیاست کا طرۂ

امتیاز ہیں۔ سب سے پہلے قبائل کے سرداروں کو ہاتھ میں لیا گیا، بہکا اور ڈرا کر انہیں مسلمؓ کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ کیا گیا، پھر ان کے ذریعے عوام میں سراسیمگی، بے دلی اور بے یقینی پھیلائی گئی اور آخر میں مسلم ابن عقیلؓ کو ظالمانہ اور سفا کانہ طریقے سے شہید کر کے تو گویا حوصلے توڑ دیے گئے۔ چنانچہ ایک طرف خوف وہراس کی یہ فضا تھی، دوسری طرف وسائل ابلاغ نہ ہونے کی وجہ سے کربلا کے حالات سے مکمل آگاہی نہ تھی اور پھر یہ سان گمان نہ تھا کہ کوئی امام حسینؓ پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت بھی کر سکتا ہے، بس کوفہ میں یہی ملے جلے احساسات تھے کہ ادھر سانحۂ کربلا رونما ہو گیا، اور پھر ایک سناٹا طاری ہو گیا، لیکن جونہی قیادت ملی، انہی اہل کوفہ نے بھرپور انداز میں اپنے غیظ وغضب کا اظہار کیا اور قاتلانِ امامؓ کو چن چن کر کیفر کردار تک پہنچایا۔

اگر سبھی اہل کوفہ بے وفا ہوتے تو یوں انتقام نہ لیتے، بے وفائی کچھ سرداروں نے کی، عوام بکھر گئے اور سہم گئے۔

اور سرداروں کی بے وفائی مال کی محبت میں تھی۔

برا ہو حبِ مال کا!

کتنے بڑے بڑے سانحے اسی حبِ مال کے نتیجے میں رُونما ہوئے۔

حضرت موسیٰؑ پر تہمت لگانے والی کو اسی مال نے اندھا کیا تھا۔

قارون اسی دولت کی لالچ میں فرعون کا ایجنٹ بنا۔

اور وہ جس کے پاس کتاب اللہ کا علم تھا، وہ اسی دنیا کی خاطر دین سے نکلا تھا۔ (اعراف: ۱۷۵، ۱۷۶)

مسیحی روایت کے مطابق حواری نے حضرت مسیحؑ کی مخبری اسی مال کی محبت میں کی۔

اور عصر حاضر کے عراق میں صدام حسین کے وزراء اور کمانڈرز کی نگاہیں دولت کی چمک دمک سے خیرہ ہوئیں۔

صدام کے کزن نواف الزیدان نے اپنے گھر میں پناہ دے کر صدام کے بیٹوں کو ۳ کروڑ ڈالرز کے لالچ میں مروایا۔ (نوائے وقت، لاہور ۲۸ جولائی ۲۰۰۲ء)

خود صدام کو اس کے باڈی گارڈ نے انہی ڈالرز کی حرص میں پکڑوایا۔

لیکن یہ کردار سبھی عراقی عوام کا نہیں، چند کا ہے، چنانچہ جونہی قیادت میسر آئی، عراقی عوام بڑی ہمت اور جرأت سے امریکی فوج کے مقابلے میں آ گئے اور سرفروشی کی نئی مثالیں پیش کرنے لگے! اب چند کی وجہ سے سب کو برا نہیں کہا جا سکتا!

بلا امتیاز اہل کوفہ کو ملامت کرنے والے پاکستان کے ماضی قریب کے حالات وواقعات پر ایک نظر ڈالیں۔

۹/۱۱ کے بعد جب طالبان کو دھمکایا گیا تو پاکستان کے چھوٹے بڑے شہروں میں علماء ومشائخ کی قیادت میں بڑے بڑے جلوس نکالے گئے، عزم کیا گیا کہ جہاں طالبان کا پسینہ بہے گا، ہم خون بہائیں گے، امریکہ کو مار بھگائیں گے۔ خوب اچھل اچھل کر تقریریں اور گلے پھاڑ پھاڑ کر نعرے لگائے گئے، اخباروں میں دھڑا دھڑ جوشیلے مضامین لکھے گئے، طالبان کو یقین دلایا گیا کہ آڑے وقت میں ہم تمہارے ساتھ کھڑے ہوں گے...... اور یہ سب وہ لوگ تھے جن کا معاش بھی ایک مدت سے طالبان کی حمایت اور جہاد سے وابستہ تھا...... لیکن جب آزمائش آئی تو اکثریت چپ، یہاں تک کہ طالبان کے خون کی ندیاں بہہ گئیں اور ان کا پسینہ تک نہ بہا، یہ قائدین اپنے آراستہ وپیراستہ حجروں میں بیٹھے رہے، ائرکنڈیشنڈ گاڑیوں کے فراٹوں اور جہازوں کی اڑانوں سے لطف اندوز ہوتے رہے، کوئی ایک بھی تو شہید ہونے کے لیے نہیں نکلا...... حالانکہ یہ بڑے اگر مزاحمت کرتے اور جانیں قربان کرتے تو پاکستان میں امریکی اڈے نہ بنتے...... جب بڑے چپ سادھ گئے اور بولنے والے سیاسی بولی بولنے لگے تو عوام کیا کرتے، ان کی آواز دم توڑ گئی۔

اب جیسے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اہل پاکستان بے وفا ہیں، اسی طرح یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اہل کوفہ بے وفا تھے، ہاں اُس وقت بھی بڑوں نے بے وفائی کی تھی، اب بھی بڑوں نے بے وفائی کی ہے۔

پھر اکتوبر ۲۰۰۲ء میں انتخابات ہوئے تو مذہبی جماعتوں کا اتحاد صرف طالبان کی حمایت یا مخالفت کے نعرے پر میدان میں اترا، لوگوں نے امریکی ظلم پر اپنے غیظ وغضب کا اظہار ووٹ سے کیا، چنانچہ پاکستان کی تاریخ میں مذہبی جماعتوں کو کبھی اتنے ووٹ نہیں ملے، جتنے اِن انتخابات میں ملے۔

لیکن ایک سال تک قومی اسمبلی میں ایل، ایف، او کے مسئلے پر ڈیسک بجانے کے بعد جب وقت آیا تو سیاسی چالوں سے اُسے ہی جتوایا، جس کی مخالفت میں عوام نے انہیں ووٹ دیے تھے! غضب یہ ہے کہ صوبہ سرحد میں حکومت بھی ایم ،ایم، اے کی ہے اور وانا آپریشن بھی وہیں سے ہو رہا ہے!

کوئی حد ہے اس بے وفائی کی!

اب اس میں عوام کا کیا قصور!

اسی طرح کوفی عوام بھی بے قصور ہیں، سارا قصور کوفی سرداروں کا تھا، اس لیے ''کوفی بے وفا'' کہنا درست نہیں ''کوفی سردار بے وفا'' کہنا چاہیے، جیسے ''پاکستانی بے وفا'' نہیں کہا جائے گا، ''پاکستانی رہنما بے وفا'' کہنا چاہیے۔

بے وفا خون سے وفادار پیدا نہیں ہوا کرتے لیکن یہ کیا ہے کہ واقعۂ کربلا کے بعد انہی کوفیوں کی نسل میں اسلام کے وفادار اور عظیم خدمت گذار پیدا ہوئے!

کیا یہ اس حقیقت کی دلیل نہیں کہ ان کے آبا کوفی عوام مخلص اور نیک نیت تھے؟

اور جن سرداروں نے بے وفائی کی، ان کی نسلیں مٹ گئیں۔

امام حسینؓ سے بے وفائی معمولی جرم نہیں تھا

اور امت سے بے وفائی بھی کوئی معمولی جرم نہیں ہے!

معصوم اور محفوظ میں فرق

معصوم وہ ہے جس سے خطا ہوتی ہی نہیں، اگر کبھی بتقاضائے بشریت خطا ہو بھی جائے تو اللہ تعالیٰ فوراً اس کی اصلاح فرمادیتا ہے۔

محفوظ وہ ہے جس سے خطا ہوسکتی ہے اور ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی خطا کی اصلاح ہو، لیکن چونکہ نہایت درجہ مخلص، نیک نیت اور صالح ہوتا ہے، اس لیے دنیا میں سوء خاتمہ اور آخرت میں عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں، جبکہ صحابہ کرامؓ، اولیاء عظامؒ، ائمہ فخامؒ محفوظ ہوتے ہیں۔

ہمارے ہاں صحابہ کرامؓ کی شان بیان کرتے ہوئے ایسی جذباتی تقریریں کی جاتی ہیں کہ صحابہؓ سے خطا ہو، یہ کیسے ممکن ہے؟ اور جو کسی معاملے میں بیان واقعہ کے لیے خطا کا ذکر کردے، وہ گستاخ ہے، اور پھر تان بیعتِ یزید پر آکر ٹوٹتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ بدر کے قیدیوں، غزوۂ احد، واقعۂ افک پھر لشکر اسامہؓ کی روانگی اور دوسرے متعدد مواقع پر کیا خطا نہیں ہوئی؟ بالکل اسی طرح بیعتِ یزید کے معاملے میں بھی بیعت کرنے والوں سے اجتہادی خطا ہوئی...... یہاں بیعت سے انکار کرنے والے بھی عظیم المرتبت صحابہؓ ہی تھے، بالفرض امام حسینؓ کے موقف کی تائید میں کوئی اور صحابی نہ بھی ہوتا تو تنہا آپؓ کی شخصیت ہی اتنی بلند مرتبہ ہے کہ صرف آپؓ کا انکار ہی کافی ہوتا!

آخر کوئی تو وجہ تھی کہ یزید کو سب سے پہلے آپؓ ہی سے بیعت لینے پر اتنا اصرار تھا!

اس سلسلے میں اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے حوالے سے طعن وتشنیع حرام ہے، البتہ بیان خطا جائز ہے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”جب میرے اصحاب کا ذکر ہو تو زبان سنبھال کر بات کرو“ یعنی ان پر طعنہ زنی نہ کرو، کیونکہ قرآن مجید نے متعدد مقامات میں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا کا اعلان فرمایا ہے، اس کا لازمی تقاضا ہے کہ ان کا انجام بخیر ہو اور ان کا ٹھکانہ جنت ہو۔ علاوہ ازیں (اپنی خدمات اور قربانیوں کی وجہ سے) اُن کے امت پر حقوق ہیں، لہٰذا لازم ہے کہ ان کا ذکر ثنائے جمیل اور دعائے جزیل سے کیا جائے۔

لیکن تمام تر احترام کے باوجود اس میں کوئی گناہ نہیں کہ اجمالی طور پر یا تعین کے ساتھ یہ بتلایا جائے کہ علیؓ کے ساتھ جنگ آزما ہونے والے بغاوت کی راہ پر چل رہے تھے، جیسا کہ حدیث عمارؓ واضح طور پر بتلا رہی ہے کہ ”تجھے باغی جماعت قتل کرے گی“، اس لیے کہ مقصود یہ ہے کہ حق اور باطل کے درمیان تمیز ہو جائے اور مجتہد کی خطا اور صواب کا سب کا پتہ چل جائے، لیکن خیال رہے کہ اُن کی تعظیم و توقیر کا دامن دل سے چھوٹنے نہ پائے، چنانچہ بعض اکابر سے پوچھا گیا کہ عمرؒ بن عبدالعزیز افضل ہیں یا معاویہؓ؟ تو فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی ہم رکابی میں معاویہؓ نے جس گھوڑے پر بیٹھ کر جہاد کیا، اس گھوڑے کی ناک کا غبار بھی عمرؒ بن عبدالعزیز سے بہ مراتب افضل ہے“۔ (مرقاۃ: ۱۰/۱۳۱)

غزوۂ بدر میں ستر کافر قیدی بنے، اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں مسلمانوں کے سامنے دو صورتیں رکھیں:

(۱) انہیں قتل کر دو

(۲) یا فدیہ لے کر چھوڑ دو، لیکن اس صورت میں آئندہ سال اتنی ہی تعداد میں تمہارے آدمی شہید ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اختیار مسلمانوں کے امتحان کے لیے تھا، صحابہ کرامؓ نے دینی، اخلاقی اور مالی مصلحتوں کے پیش نظر فدیے کی صورت اختیار کی، اللہ تعالیٰ کو

یہ پسند نہ آئی تو سورۃ الانفال، آیت: ۶۷، ۶۸ میں شدید عتاب ہوا۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ آیات مذکورہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

''......بہر حال فدیہ لے کر چھوڑ دینا اُس وقت کے حالات کے اعتبار سے بڑی بھاری غلطی قرار دی گئی......اسے صحابہؓ جیسے مقربین کی شان عالی اور منصب جلیل کے منافی سمجھا گیا، اسی لیے ان آیات میں سخت عتاب آمیز لہجہ اختیار کیا گیا۔ حدیث میں ہے کہ لڑائی میں ایک شخص کے سر پر زخم آیا، اُسے غسل کی حاجت ہوئی، پانی سر پر استعمال کرنا سخت مہلک تھا، ساتھیوں سے مسئلہ پوچھا، انہوں نے کہا: پانی کی موجودگی میں ہم تیرے لئے کوئی گنجائش نہیں پاتے، اس نے غسل کر لیا، نتیجۃً فوت ہو گیا، حضور ﷺ کو جب اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو فرمایا: ''قتلوہ قتلھم اللہ''

(اِنہوں نے اُسے مار ڈالا، اللہ اِنہیں مارے)

اس سے ظاہر ہوا کہ اجتہادی غلطی اگر زیادہ واضح اور خطرناک ہو تو اُس پر عتاب ہو سکتا ہے، گویا یہ سمجھا جاتا ہے کہ مجتہد نے پوری قوت اجتہاد صرف کرنے میں کوتاہی کی''۔

بغض صحابہؓ اور بغض اہل بیتؓ کی سزا

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: ''ایک طبقہ وہ ہے جو صحابہؓ پر سب وشتم کرتا ہے، دوسرا طبقہ وہ ہے جو اہل بیتؓ کو برا بھلا کہتا ہے۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے، ان کی بدکلامی کی وجہ سے صحابہؓ و اہل بیتؓ کے نامۂ اعمال میں، موت کے بعد بھی، حسنات کا اضافہ ہو رہا ہے اور ان دشمنوں کا نامۂ اعمال روز بروز سیاہ ہوتا جا رہا ہے اور یہ قدم بہ قدم عذاب شدید کے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔'' (مرقاۃ: ۱۱/۲۸۰)

صحابہ کرامؓ پر لعن طعن قیامت کی علامت ہے

رسول اللہ ﷺ نے چند گناہوں کا ذکر کرتے ہوئے ایک برائی یہ بیان فرمائی کہ جب اس امت کے پچھلے پہلے لوگوں پر لعنت کرنے لگیں تو آسمانی اور زمینی آفات کا انتظار کرو (ترمذی، مفہوم)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

یہود سے پوچھا جائے کہ تمہاری امت کا بہترین طبقہ کون سا ہے؟ تو کہیں گے: اصحاب موسیٰ،

نصاریٰ سے یہی پوچھا جائے تو کہیں گے: اصحاب عیسیٰ،

لیکن ایسے بدبخت صرف اسی امت میں پیدا ہوئے جو اصحاب محمد ﷺ پر زبان طعن دراز کرتے ہیں'' (مرقاۃ: ۱۰/۱۷۲)

قصاصِ عثمانؓ کا معاملہ قضا سے تعلق رکھتا ہے اور بہترین قاضی علیؓ ہیں

حضرت علیؓ کے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد آپؓ سے ناروا انداز میں قصاص عثمانؓ کا مطالبہ کیا گیا اور لوگوں میں اشتعال پیدا کیا گیا، حالانکہ قصاص کا مسئلہ قضا سے تعلق رکھتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے یہ سند عطا فرمائی تھی: "واقضاھم علی" "تمام صحابہ میں بہترین قاضی علی ہیں" (مشکوۃ مع مرقاۃ: ۱۱/۳۶۱)

حضرت عمرؓ اقرار کرتے تھے: "اقضانا علی"
"ہمارے درمیان بڑے قاضی علی ہیں" (صحیح بخاری: ۲/۶۴۴)

عبداللہ ابن مسعودؓ جیسے فقیہ صحابی فرماتے ہیں کہ: "ہم آپس میں یہ کہا کرتے تھے کہ اہل مدینہ میں بہترین قاضی علی بن ابی طالب ہیں"
(ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین، مستدرک حاکم: ۳/۱۳۵)

لہٰذا قصاص عثمانؓ کے بارے میں حضرت علیؓ کا طرز عمل ہی درست اور آپ کا فیصلہ ہی حجت تھا، اس بارے میں آپؓ کی دیانت پر شبہ کرنے والوں کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیئے۔

اور صرف قصاص ہی نہیں بلکہ آپؓ کے دور خلافت میں جتنے بھی مشاجرات ہوئے، فقہاء کا اتفاق ہے کہ ان میں اسوۂ علیؓ ہی ہمارے لیے حجت اور ہدایت ہے۔ آپؓ کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپؓ نے انتہائی دشوار اور نامساعد حالات میں بھی خلافت کے نظام کو منہاج نبوت سے ہٹنے نہیں دیا، آپؓ کا دور خلافت بھی آپؓ کی شجاعت، استقامت اور فراست کا ایک نمونہ ہے۔

سیدنا علیؓ کی فراست

سیدنا علیؓ دارالخلافہ مدینہ طیبہ سے کوفہ لے گئے،
نکتہ چین کہتے ہیں کہ آپؓ نے مرکز اسلام بدل دیا!
غور کیجیے تو حقیقت کچھ اور سمجھ آتی ہے

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے لیے سیاسی، انتظامی، معاشری، سماجی معاملات میں معیار دورِ نبوت اور دورِ خلافت ہے۔

خلفاء ثلاثہؓ کا دارالخلافہ مدینہ طیبہ رہا، حضرت علیؓ کا دارالخلافہ بھی مدینہ منورہ ہی رہتا تو قیامت تک کسی اور شہر کو دارالخلافہ بنانا جائز نہ ہوتا، عملی اعتبار سے اس میں جو مشکلات پیش آتیں، وہ محتاج بیان نہیں۔

حضرت علیؓ کے اس اقدام سے امت کے لیے وسعت اور راحت کی راہ نکل آئی، نیز قیامت تک وہ لوگ کہاں سے آتے، جو پاکیزہ سیاست کرتے، مدینہ میں بیٹھ کر خلافِ اسلام حکومت کرنا توہین رسول ﷺ کے مترادف ہوتا، تو سیدنا علیؓ کے اس فیصلے سے حرمِ مدینہ کا احترام برقرار رکھنے میں مدد ملی ہے۔

حدیث معادن کا صحیح مفہوم

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(ترجمہ) ''لوگ کانیں ہیں جیسے سونے چاندی کی کانیں ہوتی ہیں، جو لوگ دور جاہلیت میں بہتر رہے، وہ اسلام میں بھی بہتر رہیں گے بشرطیکہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرلیں'' (مشکوٰۃ مع مرقاۃ: ۱/۲۶۷)

ناصبی حلقے میں اس حدیث شریف سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ چونکہ بنوامیہ مکہ کے اہل حل وعقد، سربرآوردہ، کمانڈر اور حکمران تھے، اس لیے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کرتے ہی انہی کا حق بنتا تھا کہ انہیں اہل حل وعقد، سربراہ اور حکمران بنایا جاتا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا...... اور یہ لوگ اپنے اس سیاسی نظریے کی تائید کے لیے مذکورہ بالا حدیث شریف کے جملے: ''خیارھم فی الجاھلیة خیارھم فی الاسلام'' کا تحریف کے ساتھ ترجمہ یوں کرتے ہیں: ''ان میں جو لوگ جاہلیت میں سربرآوردہ تھے، اسلام میں بھی وہی سربرآوردہ ہیں......''

یہ استدلال درست نہیں۔ حدیث کا مقصود، جیسا کہ اوپر ترجمے سے واضح ہورہا ہے، یہ ہے کہ جیسے سینۂ کائنات میں اللہ تعالیٰ نے مختلف اشیاء کی کانیں رکھی ہیں، اسی طرح سینۂ انسان میں بھی اللہ تعالیٰ نے فکری ونظری صلاحیتوں اور عملی واخلاقی قوتوں کی کانیں ودیعت فرمائی ہیں، اور اللہ کا دین اللہ کی عطا کردہ ان صلاحیتوں کو دباتا نہیں، ابھارتا ہے، ان قوتوں کو زنگ نہیں لگاتا، بلکہ صیقل کرتا ہے، ہاں صحیح سمت میں کوشش انسان کی اپنی ذمے داری ہے، چنانچہ دور جاہلیت میں جو لوگ بہتر فکری اور عملی صلاحیتیں رکھتے تھے، لیکن ان کی صلاحیتیں بے محل صرف ہورہی تھیں، شرف اسلام حاصل ہونے کے بعد جب ایمانی رسوخ پیدا ہوجائے اور دینی سمجھ بوجھ حاصل ہوجائے تو اب یہ قوتیں صحیح رخ پر استعمال ہوں گی، لہٰذا جلد

ترقی کریں گے اور نیکی میں جلد آگے بڑھیں گے......سونے اور چاندی کی کانوں سے تشبیہ خود یہ مفہوم متعین کرتی ہے......

اس حدیث کا مقصود یہ نہیں کہ جو لوگ دور جاہلیت میں سربرآوردہ، کمانڈر اور چودھری تھے، اسلام قبول کرنے کے بعد اُن کا استحقاق ہے کہ انہیں کمانڈر اور چودھری مانا جائے اور انہیں عہدے تفویض کیے جائیں۔

سماجی مرتبے، سیاسی حیثیت اور روحانی فضیلت کا معیار سبقت اور خدمت ہے، اور یہاں ایک ایک لمحہ اور ایک ایک قدم مرتبہ متعین کرتا ہے۔ قرآن مجید کی نص بھی یہی ہے اور خلافت راشدہ کی زریں روایات بھی یہی رہیں، اور تاریخ کی شہادت ہے کہ جب بھی گڑبڑ ہوئی، اس میرٹ سے انحراف کے نتیجے میں ہوئی۔

یہ بھی غنیمت ہے کہ یہ لوگ بنو امیہ کا یہ تقابل صرف السابقون الاولون صحابہؓ ہی سے کرتے ہیں، یہ نہیں کہتے کہ مکہ میں حضور اکرم ﷺ کا خاندان والاشان مذہبی مراسم کا قائد تھا، سیاسی قیادت بنو امیہ کے پاس تھی، اس لیے بنو امیہ کے مسلمان ہوتے ہی حضور ﷺ کے لیے مناسب تھا کہ عبادات کی امامت اپنے پاس رکھتے اور سیاسی قیادت بنو امیہ کے حوالے کر دیتے!

یزیدی تلبیس

کچھ لوگ بہت جوش کے ساتھ اکثر یہ جملہ کہا کرتے ہیں:

''صحابہ کرامؓ قرآنی شخصیات ہیں، تاریخی شخصیات نہیں''

غور کیجئے تو اس جملے میں ''صحابہ کرامؓ'' کا ذکر ناصبی تقیہ ہے، مقصود خوب واضح ہے، اور قرآن مجید کی یہ آڑ پہلی مرتبہ نہیں لی گئی، بلکہ اس سے پہلے بھی قرآن نیزوں پر اٹھایا جا چکا ہے!

سیدھی بات ہے کہ اگر صحابہ کرامؓ صرف نزول قرآن تک زندہ رہے تو صرف قرآنی شخصیات ہیں اور اگر نزول قران مکمل ہونے کے بعد تاریخ کے کسی عہد میں بھی زندہ رہے تو تاریخی شخصیات بھی ہیں۔

قرآن مجید کی آڑ میں جو عقیدۂ معصومیت دیا جا رہا ہے، اہل السنۃ والجماعۃ کبھی اس عقیدے کے حامل نہیں رہے۔ شیعہ صرف گیارہ معصومین عن الخطا مانیں تو مجرم، یزیدی ایک لاکھ چوبیس ہزار معصومین عن الخطا کا دعویٰ کریں تو پکے مسلم!

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح خارجیوں کا ''ان الحکم الا للہ'' کا نعرہ ایک تلبیس تھا، یہ جملہ بھی ایک تلبیس ہے، اور ہم اس یزیدی تلبیس کے جواب میں وہی کہتے ہیں، جو سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے خارجی تلبیس کے جواب میں کہا تھا: ''کلمة حق ارید بها الباطل'' یعنی بات حق ہے، مقصود باطل ہے۔

امام حسینؓ کی امامت

ایک عالم نے مجھے کہا: حسینؓ کو امام کیوں کہتے ہو؟ وہ صرف کے امام ہیں یا نحو کے، تفسیر کے امام ہیں یا حدیث کے، انہوں نے کوئی فقہ مرتب کی ہے یا منطق و فلسفہ کی گتھیاں سلجھائی ہیں؟ یا معانی، بیان اور بدیع کے اصول بیان کیے ہیں؟

میں نے عرض کیا: سبحان اللہ! فکر ہر کس بقدر ہمت اوست!

ائمہ اہل بیتؓ کے لیے آپ نے بہت چھوٹے پیمانے تلاش کیے

ائمہ اہل بیتؓ تو وہ ہیں کہ ان کے عمل کا نام تفسیر اور ان کے قول کا نام حدیث ہے

صرف اور نحو نے ان کی گفتگو سے جنم لیا

فصاحت و بلاغت کے اسالیب اُن کے تکلم سے متعین ہوئے

منطق و فلسفہ ان کی فکر کی خیرات ہے

اور ابو حنیفہؒ و مالکؒ، شافعیؒ و احمدؒ ان کے قدموں کی دھول ہیں!

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''انی جاعلک للناس أماماً'' (البقرۃ:۱۲۴)

''میں تجھے سب لوگوں کا امام بناؤں گا''......

ابراہیمؑ کون سے علم و فن کے امام تھے؟ میں نے پوچھا۔

حسینؓ کی امامت اپنے جد امجدؑ جیسی تھی،

آپؓ ہدایت و عزیمت اور استقامت و شہادت کے امام تھے۔

ایک صاحب نے مجھے لکھا امام حسینؓ کہتے ہو تو امام ابوبکرؓ اور امام عمرؓ کیوں نہیں کہتے؟

میں نے کہا: ان اصحابؓ کے لیے خلیفۃ الرسول اور امیر المؤمنین کے القاب معروف ہیں اور کسی بھی شخصیت کے ساتھ معروف القاب ہی جچتے ہیں، باقی اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اصحابؓ بھی امت کے امام اور مقتدا ہیں۔

سراب

امت کی تاریخ میں جتنی پرعظمت نسبتیں امام حسینؓ کے دامن میں ہیں، کسی کے پاس نہیں۔ حکومت نے آپؓ کو شہید تو کر دیا، لیکن آپؓ کی بات نہیں مانی۔

اب اگر کوئی بڑے سے بڑا شخص یہ خیال رکھتا ہے کہ حکومت میرے احترام میں اپنی پالیسی بدل لے گی، تو وہ سراب کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔

غلط تصور

امام حسینؓ پر اعتراض کرنے والوں کے ذہن میں اپنے ماحول کی وجہ سے لیڈروں، پیروں اور مہتمموں کی اولاد کا تصور ہوتا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ امامؓ کا احترام بس "صاحبزادہ" ہونے کی وجہ سے ہے اور یہ سارا حادثہ ایک صاحبزادے کی ضد کی وجہ سے ہوا۔

یہ تصور غلط ہے، امام حسینؓ نسب کی عظمت کے ساتھ ذاتی اوصاف و محاسن کے بھی حامل تھے، درجۂ اجتہاد اور مرتبۂ امامت پر فائز تھے، آپؓ کا اقدام ضد نہ تھا، جِدّ اور جہد تھا، فساد نہ تھا، اجتہاد تھا۔

دورِ فتنہ میں ثابت قدم رہنے پر امام احمد بن حنبلؒ کی تحسین کرنے والے امام حسینؓ کے لیے نجانے کیوں گنگ ہو جاتے ہیں، حالانکہ وہاں بھی چند آدمی امام احمدؒ کے ہمنوا تھے اور اُن میں سے بھی اکثر ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

راہ عزیمت پر چلنے کے لیے حسینی حوصلہ چاہیے:

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

فتنہ انگیز کون ہوتا ہے؟

ایک عالم نے مجھے کہا: حسینؓ نے اپنی رائے پر اصرار کر کے فتنہ برپا کیا......

معاذ اللہ ثم معاذ اللہ

یہ پست سوچ صرف اِس دور کے گمراہوں کی نہیں، شام کے یزیدی بدبختوں کی سوچ بھی یہی تھی۔

جب امام علی بن حسینؓ زین العابدین کو گرفتار کر کے دمشق لایا گیا تو ایک شامی کھڑا ہوا اور کہا:

''اللہ کا شکر ہے جس نے تمہیں قتل کر دیا، تمہاری بیخ کنی کر دی اور فتنے کے دونوں سینگ کاٹ ڈالے'' (روح المعانی: ۲۵/۳۱)

بات یہ ہے کہ فتنہ انگیز وہ ہوتا ہے جو شریعت کے مسلمہ احکام اور طے شدہ سیاسی نظام سے انحراف کرے اور انسان کی فطری حریت کو سلب کر لے۔

ایسے ظالم و جابر کے سامنے کلمۂ حق کہنا فتنہ نہیں افضل جہاد ہے۔

اگر کلمۂ حق بلند کرنا فتنہ انگیزی ہے تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی آیات کا مفہوم کیا ہے!

ہر شرع سے بے گانہ لوگ

امام حسینؓ نے اپنے پر خطر سفر میں عورتوں، بچوں کو ہمراہ لا کر یہ ثابت کرنا چاہا تھا کہ اس وقت جو لوگ میرے مقابل ہیں، یہ کسی شرع و آئین کے پابند نہیں، شرع اسلام تو کجا، یہ شرع انسانیت سے بھی بے گانہ ہیں۔

جیت، ہار

ضروری نہیں کہ مقتول ہار گیا اور قاتل جیت گیا
بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ مقتول قتل ہو کر جیت جاتا ہے
اور قاتل قتل کر کے ہار جاتا ہے۔
قابیل قتل کر کے ہار گیا،
ہابیل قتل ہو کر جیت گیا۔
کربلا میں بھی یہی ہوا۔

عظمتِ عاشوراٗ

عاشوراٗ ہی تھا، جب فرعون اپنے جاہ وجلال اور شان وشوکت سمیت قلزم کی موجوں میں غرق ہوا۔
اور عاشوراٗ ہی تھا، جب ملوکیت کا سفینہ خونِ ناحق کی لہروں میں ڈوب گیا:

تا قیامت قطعِ استبداد کرد
موجِ خونِ اُو چمن ایجاد کرد

کچھ اوقات اعمال کی قیمت بڑھا دیتے ہیں تو کچھ اعمال اوقات کی عظمت کو چار چاند لگا دیتے ہیں!
عاشوراٗ ایک ایسی ہی تاریخ ہے!

اہلِ عزیمت ہر دور میں کم رہے

امام حسینؓ پر اکثریت کی مخالفت کا الزام عائد کرنے والے جابر سلاطین کے سامنے کلمۂ حق کہنے والوں کے بارے میں کیا کہیں گے، جن کی تعداد ہر دور میں اقلِ قلیل رہی؟
اکثریت ہمیشہ رخصت کی راہ پر چلی یا اقتدار کی ہمنوا رہی۔
اہلِ عزم وعزیمت ہر دور میں کم رہے، لیکن حق کی آبرو اور ملت کی آرزو وہی تھے۔

نسبت کا احترام لازم ہے

ارشاد ربانی ہے:

"یا ایہا الذین آمنوا لاتحلوا شعائر اللہ ولا الشہر الحرام ولا الھدی ولا القلائد......" (المائدہ:۲)

ترجمہ: "ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو اللہ کی نشانیوں کی اور نہ حرمت والے مہینے کی اور نہ ہدی کی اور نہ (اُس کے گلے میں پڑے) ہاروں کی"

اللہ تعالیٰ نے اُس پٹے اور ہار کا احترام بھی لازم کر دیا، جو ہدی کے گلے میں پڑا ہو، کیونکہ اس ہار کا اب تعلق ہے ہدی سے، اور ہدی کی نسبت ہے اللہ کی طرف اور اللہ کا احترام لازم ہے، لہٰذا جو جو چیز اللہ سے خاص نسبت رکھتی ہو، اس کا بھی احترام لازم ہے۔

اب سوچیے! جو رسول اللہ ﷺ اور علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کے گلے کا ہار تھا، اور عارضی نہیں، دائمی ہار تھا، اس کا احترام کیوں کر لازم نہ ہوگا؟!

ایذاءرسول ﷺ باعث لعنت اور سبب عذاب ہے

ارشاد الٰہی ہے: "اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَاباً مُّھِیْناً" (الاحزاب: ۵۷)

ترجمہ: "جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں، اللہ نے دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

صحاح میں مسور بن مخرمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"بنو ہشام بن مغیرہ (ابو جہل کا خاندان) علی بن ابی طالب سے اپنی بیٹی کا نکاح کرنے کی اجازت مانگ رہے ہیں، میں اجازت نہیں دوں گا، پھر اجازت نہیں دوں گا، پھر اجازت نہیں دوں گا، الا یہ کہ ابن ابی طالب چاہے تو میری بیٹی کو طلاق دے دے اور ان کی بیٹی سے نکاح کر لے، فاطمہ تو میرا ایک ٹکڑا ہے، اس کی پریشانی میری پریشانی اور اس کی اذیت میری اذیت ہے" (الصواعق: ۱۹۰)

چنانچہ حضرت علیؓ نے سیدہ فاطمہؓ کی حیات طیبہ میں دوسرا نکاح نہیں کیا۔

غور کیجئے! ایک جائز کام میں رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہؓ کی اذیت گوارا نہیں کی تو کربلا کے مظالم سے سیدہ فاطمہؓ اور خود رسول اللہ ﷺ پر کیا بیتی ہوگی؟

اس آیت اور روایت سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اہل بیتؓ کو ایذا رسول اللہ ﷺ کو ایذا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو ایذا اللہ کو ایذا ہے..... تو جن لوگوں نے اہل بیتؓ کو اذیت پہنچائی اور اب جو لوگ اس ظالمانہ حکومت کو جواز فراہم کرتے ہیں، یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچا کر زندان لعنت میں گرفتار اور عذاب مہین کے حقدار ہو رہے ہیں۔

اس سے بڑا افساد اور کیا ہوگا!

اللہ تعالیٰ دلوں میں مرضِ نفاق پالنے والوں سے فرماتا ہے:

(ترجمہ) ''پس تم سے کیا توقع ہے کہ اگر تم والی بن جاؤ تو ملک میں فساد مچاؤ اور اپنے رشتے ناتے کاٹ ڈالو'' (محمد ﷺ:۲۲)

اور اس خودغرضی اور مفاد پرستی کے جرم کا نتیجہ یہ ہوگا:

(ترجمہ) ''یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی تو ان (کے کانوں) کو بہرا اور آنکھوں کو اندھا کر دیا''۔ (محمد ﷺ:۲۳)

اور ان کی بیماری کا سبب یہ ہے:

(ترجمہ) ''کیا یہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا دلوں پر تالے پڑے ہیں؟'' (محمد ﷺ:۲۴)

سبحان اللہ! قرآن کے عجائب کی انتہا نہیں، یوں لگتا ہے کہ ان آیات میں یزیدی دور کا نقشہ کھینچا گیا ہے:

حکومت ملی تو ملک میں فساد برپا کیا، اپنے والد ماجد حضرت معاویہؓ کی وصیت کو بھی نظر انداز کرتے ہوئے رشتوں کے حقوق بھلا دیے، اس گناہ کے نتیجے میں لعنت پڑی، پھر بہرے، اندھے ہو کر ایک کے بعد دوسرا، دوسرے کے بعد تیسرا جرم کرتے گئے، اور اس سنگدلی کا سبب یہ تھا کہ قرآن میں دھیان نہیں تھا، ورنہ اہل بیتؓ کا مقام پہچانتے اور دلوں پر جاہلی تعصب کے تالے پڑے ہوئے تھے، اس لیے اتنا بڑا پاپ کر گذرے!

آیات مذکورہ بالا کی تفسیر میں ابوالفضل سید محمود آلوسیؒ بغدادی (المتوفی ۱۲۷۰ھ) ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں:

''امام احمد بن حنبل سے ان کے بیٹے عبداللہ نے یزید پر لعنت بھیجنے کے بارے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا:

جس شخص پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہو، اس پر کیسے لعنت نہ کی جائے!

عبداللہ نے کہا: کتاب اللہ تو میں نے بھی پڑھی ہے، مجھے تو اس میں یزید پر لعنت نہیں ملی؟

اس پر امام احمدؒ نے مذکورہ بالا آیات پڑھیں اور فرمایا:

یزید نے جو کرتوت کیے، اِن سے بڑا افساد اور قطع رحمی اور کیا ہوگی!''

(روح المعانی:۲۶/۷۲)

امام حسنؓ اور امام حسینؓ نے اپنا حق وصول کیا

امیر معاویہؓ اپنے دورِ حکومت میں امام حسنؓ اور امام حسینؓ کی خدمت میں ......ایک معاہدے کے تحت، کما فی روایۃ ......عطیات بھیجتے تھے، اور دونوں حضراتؓ قبول فرماتے تھے۔

ناصبی حلقے میں یہ بات تحقیر اور تحریص کے انداز میں لکھی گئی اور یزیدی خطیبوں نے وظیفہ خواری کے عنوان سے اس کا مضحکہ اڑایا۔

حقیقت کچھ اور ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور اہل بیتؓ کا اپنی قربانیوں اور خدمتوں کی وجہ سے اسلامی نظام میں خاص مقام ہے۔ اِس اختصاص کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں اِن حضرات کا وظیفہ مقرر فرمایا:

(ترجمہ) ''اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کو غنیمت ملے کسی چیز سے تو اللہ کے لیے ہے اُس کا خُمس اور رسول کے لیے اور اُس کے قرابت داروں کے لیے'' (الانفال:۴۱)

سیدنا عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں جب صحابہؓ کے وظائف مقرر فرمائے تو بدری صحابہؓ کا وظیفہ سب سے زیادہ رکھا، امام حسنؓ، امام حسینؓ بدری نہیں ہیں، لیکن ان دونوںؓ کا وظیفہ بدری صحابہؓ کے برابر پانچ پانچ ہزار درہم مقرر فرمایا۔

(الحسینؓ حفیداً و شھیداً: ۲۲)

اب کیا عمرؓ کی عدالت پر بھی شک ہے!

اس لیے یہ حضراتؓ امیر معاویہؓ سے اپنا حق لیتے تھے اور اپنا حق لینا نہ صرف جائز بلکہ عین حق ہے۔

ابن کثیرؒ اس سلسلے میں ایک دلچسپ مکالمہ روایت کرتے ہیں:

''ایک دن امیر معاویہؓ نے امام حسنؓ اور امام حسینؓ کی خدمت میں دو لاکھ

پیش کیے اور کہا:

قبول کیجئے، میں ابن ھند ہوں، واللہ اتنا عطیہ آپ کو مجھ سے پہلے کسی نے دیا ہوگا نہ میرے بعد کوئی دے گا!

اس پر امام حسینؓ نے فرمایا:

واللہ! آپ نے اور آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کسی نے ہم سے افضل کسی شخص کو عطیہ دیا بھی نہیں ہوگا!'' (الحسین حفیداً و شھیداً: ۱۹۰)

اور یہ بھی تو دیکھیے یہ قدسی صفات ان عطیات کو کہاں خرچ کرتے تھے؟

اس حوالے سے چند واقعات گذشتہ اوراق میں گذر چکے ہیں، ایک واقعہ اور پڑھیے اور ایمان تازہ کیجئے۔

''ایک دن ایک آدمی امام حسینؓ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا:

فرزند رسول ﷺ! میں ایک درویش ہوں اور عیال دار ہوں، آج رات کے لیے کھانا چاہتا ہوں۔

فرمایا: بیٹھ جاؤ، ہمارا رزق راستے میں ہے، اس کے پہنچنے کا انتظار کرو۔

کچھ دیر نہ گزری تھی کہ امیر معاویہؓ کا بھیجا ہوا ایک آدمی آیا اور پانچ تھیلیاں سرخ دیناروں کی لایا، ہر تھیلی میں ہزار دینار تھے۔

لانے والے نے عرض کیا کہ امیر معاویہؓ نے معذرت کی ہے اور کہا ہے کہ ابھی یہ اپنے خدمت گزاروں پر خرچ کریں، اور انتظام کیا جا رہا ہے۔

امام حسینؓ نے پانچوں تھیلیاں سائل کو اٹھا دیں اور فرمایا:

تمہیں بہت زحمت ہوئی، بہت انتظار کرنا پڑا، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ رقم کی مقدار اس قدر کم ہے تو میں تمہیں اتنی دیر انتظار میں نہ بٹھاتا، ہمیں معاف کر دو کہ ہم اہل آزمائش ہیں، دنیا کی تمام راحتوں سے دور رہ کر، اپنی تمناؤں سے منہ موڑ کر

دوسروں کی ضرورتیں پوری کرنے میں زندگی بسر کر رہے ہیں"۔

(کشف المحجوب، باب ہشتم، اہل بیتؓ)

یہ واقعہ سید محمدؒ مبارک علوی کرمانی المعروف بہ امیر خورد نے بھی سیر الاولیاء: ص ۸۳ پر نقل کیا ہے۔

اللہ اللہ! کیا ٹھکانہ ہے اس سخاوت کا!

صلی اللہ علیہ و آلہ وبارک وسلم

عظمتِ صحابہؓ کا نعرہ

وطن عزیز میں عظمت صحابہؓ کا نعرہ بلند ہوا اور بروقت ہوا، لیکن ہمیشہ کی طرح ناصبی ایک سازش کے تحت اہل حق کی جماعت میں گھس گئے اور عظمت صحابہؓ کے نعرے کو دلوں میں پوشیدہ بغض اہل بیتؓ کے لئے ڈھال بنالیا، یہ لوگ صحابہؓ سے محبت کی آڑ میں یزیدی ظلم وجور کو سند جواز فراہم کرنا چاہتے ہیں۔

سوچنے کی بات ہے کہ کیا امام حسینؓ صحابی نہیں تھے؟

بلکہ انہیں تو نسبت کے ساتھ نسب کی فضیلت، تربیت نبوی کا شرف، اور نبوی دعاؤں اور بشارتوں کا نور بھی حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلفاء راشدینؓ سمیت تمام صحابہؓ آپؓ کی تعظیم وتکریم کرتے تھے،

اب صحابہؓ کی عظمت کا نعرہ لگایا جائے اور جس ہستی کی صحابہؓ بھی تعظیم کرتے ہوں، انہیں مجروح کیا جائے، یہ دل کا مرض ہی تو ہے!

کیا عجب ہے

جو باہر سے آئے اور بہت بعد میں آئے، وہ تو اسلام کا سیاسی نظام سمجھ گئے اور جو لوگ بیت نبوت میں پیدا ہوئے، آغوشِ رحمت میں پلے بڑھے، معلم قدسی ﷺ سے کتاب وحکمت کی تعلیم لی، وہ اسلام کے سیاسی نظام سے نابلد رہے!

نسب اور نسبت

حضرت نوحؑ کا بیٹا کنعان نافرمان اور بدعقیدہ تھا، اس لیے اسے کشتی نوحؑ میں سوار ہونے کی اجازت نہ ملی، نوحؑ نے عرض کیا تو جواب ملا:

''اِنَّهٗ لَیۡسَ مِنۡ اَهۡلِکَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ'' (هود:۴۶)

''وہ تیرے اہل بیت میں داخل ہی نہیں کیونکہ سراپا بدعمل ہے''

معلوم ہوا اصل چیز نسب نہیں نسبت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ بھی کشتی نوحؑ میں سوار ہوئے جو اہل بیت نوحؑ سے نہیں تھے، لیکن نسبت رکھتے تھے۔

اسی طرح جو شخص حسنی یا حسینی ہے، لیکن ناصبی موقف کا ترجمان اور یزیدیت کا نقیب ہے، وہ نسبی تعلق ہونے کے باوجود سفینۂ اہل بیتؓ میں سوار نہ ہو سکے گا، اور جو اس میں سوار نہ ہوا، حدیث نبوی کے مطابق، ہلاک ہوا۔

اور جو لوگ اہل بیتؓ سے محبت رکھتے ہیں، ان کے مشن کے خدمت گزار ہیں، وہ نسبی تعلق نہ ہونے کے باوجود سفینۂ اہل بیتؓ میں سوار ہیں اور جو اس میں سوار ہیں، وہ ہلاکت سے پار ہیں۔

نسبت کی سعادت سے سلمانؓ فارس سے آ کر اہل بیت میں محسوب ہوئے اور ابولہب نسبی تعلق کے باوجود داخلِ نارِ ذات لہب ہوا:

پسرِ نوحؑ بابداں بنشست
خاندانِ نبوتش گم شد
سگِ اصحابِ کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت مردم شد

حسینی اور یزیدی

عین ممکن ہے کہ ایک شخص نسبی تعلق نہ ہونے کے باوجود اپنے حسن عمل کی وجہ سے حسنی، حسینی شمار ہو اور ایک شخص حسنی، حسینی ہوتے ہوئے اپنے ظلم وجور اور اپنے فسق وفجور کی وجہ سے یزیدی قرار پائے۔

بات عمل سے بنتی ہے۔

فکری تضاد

عصر حاضر میں یزیدیت کے نقیب جمہوریت کو حرام کہتے ہیں اور برسر منبر جمہوریت کو ایسی ایسی گالیاں دیتے ہیں کہ منبر ومحراب کی جبیں بھی عرق آلود ہو جاتی ہے۔

لیکن جب امام حسینؓ اور دوسرے اصحابؓ کی بات آتی ہے تو کہتے ہیں کہ صحابہؓ کی اکثریت نے یزید کی بیعت کر لی تھی، لہٰذا اسے تسلیم کرنا چاہیے!

یہ بغض اور ضد نہیں تو اور کیا ہے؟

افراط وتفریط

ایک گروہ نے زیادتی کی، صحابہ کرامؓ کا ذکر چھوڑا اور سب وشتم کیا۔

دوسرے گروہ نے ان کی ضد میں بے وقوفی کی کہ اہل بیتؓ کا تذکرہ چھوڑ دیا۔

تیسرا گروہ ضد میں اور آگے بڑھا اور اہل بیتؓ پر نقد وجرح کرنے لگا۔

افراط وتفریط پر مبنی اس روش کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ عوام الناس اہل بیتؓ کو شیعہ خیال کرتے ہیں اور صحابہؓ کو سنی سمجھتے ہیں!

اس لیے جب تک دونوں طرف دونوںؓ کا ذکر نہیں ہوتا اور احترام ومحبت سے نہیں ہوتا، اعتدال واتفاق پیدا نہیں ہو سکتا۔

بغض اور ضد

کچھ لوگ وہ ہیں جو حب صحابہؓ کے عنوان سے بغض اہل بیتؓ کی بھڑاس نکالتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جنہیں صرف شیعہ دشمنی یزیدی کیمپ میں لے گئی ہے۔

ارشاد گرامی ہے: "وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰی اَنْ لَّاتَعْدِلُوْا، اِعْدِلُوْا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی" (المائدۃ:۸)

(ترجمہ) "اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث عدل کو ہرگز نہ چھوڑو، عدل کرو، یہی تقویٰ سے قریب تر ہے"۔

اس لیے ہم کسی کی کجروی کی وجہ سے اہل بیتؑ کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑ سکتے۔

ہمارا جینا، ہمارا مرنا حب آل محمد ﷺ پر ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ بفضلہ ورحمتہ وکرمہ.

آل محمد ﷺ

آل گھرانے کے مفہوم میں ہو یا ہر تقی ونقی آل میں داخل ہو...... تحقیق گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے...... بہر مفہوم ائمہ اہل بیتؑ آل کا مصداقِ اولین قرار پاتے ہیں۔

مُہر زدہ لوگ

مجھے تعجب ہوتا تھا کہ یہ کیسے سنگدل اور بدبخت لوگ تھے، نماز میں جن پر صلوٰۃ وسلام پڑھا، سلام پھیرتے ہی انہیں قتل کر دیا۔

لیکن جب اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ نماز میں آل محمد ﷺ پر درود پڑھا، پھر خطبے میں آل محمد ﷺ پر درود پڑھا لیکن خطاب آل محمد ﷺ کی تردید میں کیا، تو یہ تعجب جاتا رہا۔

شاید "خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ" (البقرۃ:۷) کی یہ بھی ایک صورت ہے!

اور جب آیت کا پہلا حصہ ان پر صادق ہے تو دوسرا حصہ "وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ" بھی یقیناً ان پر صادق ہوگا!

ایسے مہر زدہ اور مہر باختہ لوگوں کا ایمان بھی لفظی اور نماز بھی لفظی!

جعلی سنی

اہل سنت کے ائمہ اربعہ امام حسینؓ کے موقف کو تسلیم کریں اور ان کی تائید کے لیے اپنی سی کوششیں کریں۔

اہل سنت کی صحاح ستہ میں مناقب اہل بیتؓ پر مستقل باب قائم کیے جائیں۔

اہل سنت کے تمام اولیاء، جن میں عظیم اہل کشف بھی شامل ہیں، امام حسینؓ کے موقف کو برحق قرار دیں۔

لیکن ایک شخص اہل سنت سے نسبت کا دعویٰ رکھتے ہوئے امام حسینؓ کے موقف کو صحیح نہ سمجھے تو وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔

ہائے بدبختی

ہر امت نے اپنے رسول کے اصحاب کو بہترین طبقہ شمار کیا، لیکن اپنے پیغمبر ﷺ کے اصحابؓ کو برا کہنے والے ہمارے اندر پیدا ہوئے۔

احترام والوں نے اپنے پیغمبر کے گدھے کا بھی احترام کیا، لیکن اپنے پیغمبر ﷺ کے گھرانے کو روندنے والے بھی ہمارے ہی اندر پیدا ہوئے۔

اور آہ یہ کیسی بدبختی ہے کہ منبر رسول کے صدقے زندگی گذارنے والے منبر رسول پر بیٹھ کر آل رسول کی تنقیص کریں اور ہماری آنکھیں دیکھیں اور کان سنیں!

صلی اللہ علیہ و آلہ وبارک وسلم

حسینیت حیات ہے

جن لوگوں نے حسینیت کو اپنا اسوۂ حیات قرار دے لیا ہو، وہ کبھی شکست نہیں کھا سکتے، کبھی کسی باطل سے دب نہیں سکتے، انہیں کبھی ختم نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ حسینؓ زندوں کے امام ہیں، جو انہیں مان لیں، وہ بھی زندۂ جاوید ہو جاتے ہیں، حسینی موقف حق ہے اور حق ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔

احترام مدینہ

خلیفۂ ثالث امیر المؤمنین سیدنا عثمانؓ نے اپنی جان قربان کر دی لیکن اپنی ذات کے لیے جیتے جی سرزمین طیبہ پر خون ریزی نہیں ہونے دی۔

یزیدی لشکر نے واقعہ حرّہ میں اسی سرزمین پر صرف اپنے اقتدار کے لیے ہر سفاکی اور ناپاکی روا رکھی اور دعویٰ تھا کہ ہم عثمانی ہیں!

حقیقت میں یہ لوگ صرف دنیا کے بندے اور اقتدار کے غلام تھے۔

اگر میں اُس وقت ہوتا

ایک دینی مدرسے میں سیدنا علیؓ کے دور خلافت کے حوالے سے بات چل نکلی،
ایک عالم نے کہا: دونوں طرف صحابہؓ ہیں، آپ کسی ایک فریق کو کیسے غلط کہہ سکتے ہیں؟
اگر میں اُس وقت ہوتا تو لشکر علیؓ میں ہوتا! میں نے کہا۔

امام ابو حنیفہؒ کا سکوت

امام ابو حنیفہؒ نے یزید کے بارے میں توقف اور سکوت فرمایا۔ اس سے ناصبی یہ استدلال کرتے ہیں کہ یزید کو کچھ نہیں کہنا چاہیے، ورنہ حنفی، حنفی نہیں رہے گا۔

یہ استدلال درست نہیں۔

امام ابو حنیفہؒ نے یزید کی تکفیر میں توقف اور سکوت فرمایا ہے (الصواعق: ۲۲۱) اس کی

تفسیق میں نہیں، آپؒ زندگی بھر امام حسینؓ کے موقف کی تائید کرتے رہے اور اسی جرم کی پاداش میں شہید ہوئے۔

یہ نہیں کہ ناصبی امام حسینؓ کے موقف کو غلط کہتے پھریں اور یزید کے مناقب بیان کریں اور اہلِ حق پر سکوت لازم ہو!

بعض نے امام ابوحنیفہؒ کے سکوت فرمانے کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یزید ایک ناقابلِ ذکر شخصیت ہے شیطان، فرعون کی طرح، بلاضرورت اس کا نام لینے کو بھی جی نہیں چاہتا۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: "روایت میں وارد ہے کہ "فاجر کا فجور بیان کر دو تاکہ لوگ اس سے بچ سکیں، فاسق کا فسق ظاہر کرنے میں غیبت نہیں" (مرقاۃ: ۱۰/۱۳۰)

یزید اور اُس کے ہمنوا اِسی طبقے میں داخل ہیں، ان کے سیاہ کارنامے بیان کر دینے چاہییں، تاکہ امت اِن کے فتنۂ ضلالت سے بچ سکے۔

غیرت یا حماقت

ایک محفل دین ودانش تھی، اس میں ناصبی فکر کے کچھ لوگ بھی موجود تھے۔

میں نے پوچھا: فرض کیجئے اسامہ بن لادن گھیرے میں آجائیں، ان سے گورنر کے سامنے ہتھیار ڈالنے کا مطالبہ کیا جائے وہ کہیں: میں صدر کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے لیے تو تیار ہوں، گورنر کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالوں گا۔

گھیرنے والے گورنر کے سامنے ہی ہتھیار ڈالنے پہ اصرار کرتے ہیں مگر اسامہ مسلسل انکار کرتے ہیں، جنگ شروع ہو جاتی ہے، اسامہ اپنے بیٹوں، بھتیجوں، بھائیوں کو قربان کر دیتے ہیں، خود شہید ہو جاتے ہیں، اعزہ واقارب کو رسوا کیا جاتا ہے، مال ومتاع لوٹ لیا جاتا ہے، اور یہ سانحہ صرف اس وجہ سے پیش آتا ہے کہ اسامہ گورنر کے سامنے ہتھیار پھینکنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں، یہ سوچ غیرت ہے یا حماقت؟

"سراسر حماقت! جب ہتھیار ڈالنے پر آمادہ ہو ہی گئے تو صدر کیا اور گورنر

کیا! گورنر صدر کا نمائندۂ خاص ہی تو ہوتا ہے!"

سب بیک زبان بولے۔

میں نے کہا: اب یہ فلسفہ پڑھیے کہ یزیدیوں نے جب امام حسینؓ کا راستہ روکا اور ابن زیاد کے ہاتھ پر یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا تو سیدنا حسینؓ نے تین باتوں کی پیشکش کی، ان میں سے ایک یہ تھی "تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ اور مجھے یزید کے پاس جانے دو کہ میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ پر رکھ دوں...... لیکن "ابن زیاد کے ہاتھ پر یزید کی بیعت؟ یہ میری موت کے بعد ہی ممکن ہے" سیدنا حسینؓ کا یہ فیصلہ عین حق تھا اور غیرتِ حسینؓ کا یہی تقاضا تھا۔ اس لیے حسینؓ شہیدِ غیرت ہیں"۔

یہ پڑھ کر سب نے سر جھکا لیے۔

ناصبی حلقے کی طرف سے اس قسم کی باتیں دراصل امام حسینؓ کی کردار کشی کی مہم کا حصہ ہیں، یہ لوگ امام حسینؓ کو ایک ضدی اور فہم و فراست سے عاری انسان ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

فاتح کون رہا؟

یزیدی عمال سانحۂ کربلا کے بعد شہداء کے سروں اور اسیروں کو قریہ قریہ گھماتے ہوئے دمشق لے گئے۔ مقصد تھا کہ اہل بیتؓ رسوا ہوں اور عوام پر ہماری ہیبت بیٹھ جائے۔

لیکن ہوا کیا؟

اسیران اہل بیتؓ جہاں جہاں سے گذرے، اپنی عظمت اور کرامت کے نقوش ثبت کرتے گئے۔ اپنی جرأت اور استقامت سے حریت کی روح پھونکتے گئے، خاندانِ رسالت کی مظلومی اور بے کسی نے ظلم و جبر سے نفرت اور ظالموں سے انتقام کا جذبہ پیدا کیا۔

چنانچہ آج تک وہ راہیں محفوظ ہیں، جہاں سے اہل بیتؓ کا قافلہ گذرا تھا، حلب میں وہ پتھر محفوظ ہے جس پر امام حسینؓ کا سر مبارک رکھا گیا اور خونِ مقدس لگ گیا، عجیب بات یہ ہے کہ وہ خون ابھی تک تازہ ہے اور حیاتِ جاوید کی شہادت دے رہا ہے: بل احیاء عند ربھم یرزقون!

دمشق میں آپ کو وہ مقام ملے گا، جہاں شہداء کے سر رکھے گئے۔ وہ ریڑھا بھی جامع مسجد میں دکھائی دے گا، جس پر خواتینؓ نے سفر کیا۔

قدم قدم پر آپ کو اہل بیتؓ سے منسوب مقامات اور مزارت نظر آئیں گے، نہایت دیدہ زیب اور ہمہ وقت آباد، عقیدت مندوں کا ہجوم، آنسوؤں کے نذرانے اور قبولِ دعا کی امیدیں ہر طرف بکھری ہوئی ہیں۔

اموی پایۂ تخت میں اگر کوئی چیز نظر نہیں آتی تو اموی جاہ و جلال ہے، محلات کھنڈرات ہیں، تخت اور دربار نشانِ عبرت ہیں، اموی اور مروانی خاندان کی قبریں تک لوگوں نے اکھیڑ پھینکیں۔

کہتے ہیں یزید کی قبر عبرت کے لیے باقی رکھی گئی ہے، ویرانے میں ہے، لوگ جاتے ہیں اور قبر پر تھوک کر اپنی نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔

جو انجام فرعون کا ہو (یونس:۹۲) یزید کا انجام بھی اس سے کچھ مختلف نہیں۔ اور کیا بعید ہے کہ اموی دور میں اہل بیتؓ کی کردار کشی کی جو سرکاری مہم چلائی گئی تھی، یہ اسی کے انتقام......ربانی انتقام......ہی کی ایک صورت ہو!

اب دیکھیے، سوچیے اور خود فیصلہ کیجئے کہ فاتح کون رہا؟

حسینؓ یا یزید!

عزت اور ذلت

دنیا میں لاکھوں ہوئے جو حسنی، حسینی کہلوا کر معاشرے میں معزز اور شریف قرار پائے، لیکن پوری دنیا میں کوئی ایک آدمی بھی یزیدی کہلوا کر معزز نہ ہوا۔

اس سے اندازہ کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے حسنؓ اور حسینؓ کو کتنی عزت و شرافت عطا فرمائی ہے!

اور کتنی روسیاہی یزید کی قسمت میں آئی ہے!

صراط مستقیم

ہم نماز میں التزام سے دعا کرتے ہیں:

"اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ، صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ"

یہ دعا کرتے ہوئے جب ہم اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ پر پہنچتے ہیں تو بے اختیار اپنے آقا و مولا ﷺ، ابوبکر و عمر، عثمان و علی اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کا تصور ذہن میں آتا ہے کہ یا اللہ مجھے ان حضرات کی راہ پر چلا، کبھی ذہن میں یہ نہیں آتا کہ مجھے

یزید اور یزیدی ٹولے کی راہ پر چلا۔

یہ ہر مسلمان کے دل کی وہ آواز ہے جو متعین کرتی ہے کہ نیک کردار کون ہیں اور بد کردار کون؟

جو یزید اور اس کے ہمنواؤں کو اور اس کے اقدامات کو درست سمجھتے ہیں، انہیں چاہیے کہ یہ دعا کرتے ہوئے یزید کا تصور کیا کریں!

حُبّ اور بغض

کسی زمانے میں کہا جاتا تھا: ''یہ بات حب علیؓ میں نہیں، بغضِ معاویہؓ میں ہے''۔

اب معاملہ برعکس ہے۔

اب دلوں میں بغض علیؓ اور بغض اہل بیتؓ ہوتا ہے، جسے حب معاویہؓ یا حب صحابہؓ کے پردے میں تسکین دی جاتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا علیؓ اور اہل بیت صحابہ نہیں تھے؟ اگر صحابہؓ سے خطا نہیں ہو سکتی تو اہل بیتؓ، جو فرمان نبوی کے مطابق کبھی قرآن سے جدا نہیں ہوں گے، سے کیسے خطا ہو سکتی ہے؟

اس لیے خلافت سے لے کر کربلا اور پھر ظہور مہدیؑ تک اہل بیتؓ کا موقف ہی افضل اور اسلم ہے۔

جن حضرات کرامؓ نے اختلاف کیا، ان کے موقف کی تاویل کی جائے گی۔

خیال رہے کہ ایک موقف کی ترجیح اگر دوسرے موقف کی توہین ہے، تو یہ وہ توہین ہے، جن سے ہماری دینی کتب لبریز ہیں، اور یہ وہ گستاخی ہے جو صدیوں سے ہمارے دینی مدارس میں بیانِ مسالک کے ضمن میں شب و روز کی جا رہی ہے!

بس اللہ تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائے!

ہمارے سیاسی رہنما

قرآن و سنت ہمارے لیے دستور العمل ہیں، لیکن تعمیل کی تمام صورتیں رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں پیش آئیں نہ آ سکتی تھیں...... غالباً اِسی لیے رسول اللہ ﷺ نے خلفاء راشدینؓ اور اہل بیتؓ کو ہمارے لیے نمونۂ عمل قرار دیا...... چنانچہ اب قیامت تک امت کے سیاسی نظام کے لیے خلافت راشدہ کے دور کو اور اہل بیتؓ کے فکر و عمل کو اپنا سیاسی رہنما مانا جائے گا۔

حالات کے اختلاف کے ساتھ ان حضراتؓ سے کیسے رہنمائی حاصل کی جائے؟ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

☆ شریعت سے بغاوت ہو جائے تو ایسے فتنے کو فرو کرنے کے لیے سیدنا ابو بکرؓ کا عزم و استقلال ہمارا رہنما ہے۔

☆ نظام مملکت کے استحکام کے لیے سیدنا عمرؓ کے انصاف اور احتساب سے رہنمائی لی جائے گی۔

☆ مفسدین شورش برپا کر رہے ہوں، خلیفہ برحق کی ناحق مخالفت پر تلے ہوئے ہوں تو سیدنا عثمانؓ ہمیں ہمت عطا فرماتے ہیں۔

☆ اپنے ہم عصروں کے ساتھ تعاون علی البرّو التقوی کی اور ناحق کشاکش کے دور میں منہاجِ نبوت کے مطابق خلافت کی روشن مثال سیدنا علیؓ ہیں۔

☆ طاقت اور قوت کے باوجود امت کے بہترین مفاد میں اپنے اقتدار کی قربانی کا حوصلہ سیدنا حسنؓ سے ملتا ہے۔

☆ جابر سلطان مسلط ہو جائے، حق اور باطل میں التباس ہونے لگے، حلال و حرام کا فرق مٹنے لگے تو دس محرم کو میدان کربلا میں سیدنا حسینؓ ہمیں اسلامی نظام بچانے کا طریقہ تعلیم فرماتے ہیں۔

یہی حالات ہیں، جو سیاسی نظام میں امت کو پیش آ سکتے ہیں تو معلوم ہوا کہ قیامت تک یہی حضراتؓ ہمارے سیاسی رہنما بھی ہیں۔

کلام آخر

ہمارا المیہ بلکہ بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ ہم ہمیشہ قوت اور دولت کے سامنے جھک جاتے ہیں۔

مسلم ابن عقیلؓ کے ہاتھ پر ہزاروں نے بیعت کی، لیکن سلام پھیر کر دیکھا تو ایک بھی نہیں تھا۔

اور جس کے گھر میں پناہ لی، اُس نے بھی بیچ دیا۔

امام حسینؓ کوفہ سے بالکل قریب کربلا میں جامِ شہادت نوش کر رہے تھے، ہم کوفہ میں بیٹھے افسوس تو کر رہے تھے لیکن نصرت کے لیے کوئی نہیں اٹھا۔

آج بھی ہم امام حسینؓ کی عظمت و جرأت کو سلام تو کرتے ہیں...... وہ بھی شاید اس لیے کہ اہلِ زمانہ نے اُن کی عظمت کو تسلیم کر لیا ہے اور اُن کے آنے کا کوئی خطرہ نہیں!...... لیکن حسینؓ کے نقش قدم پر نہیں چلتے۔

ہم آہ و فغان کی آوازیں تو بلند کرتے ہیں، لیکن کلمۂ عدل کی آواز بلند نہیں ہوتی۔

شہیدوں کی داستانوں سے خون تو گرماتے ہیں لیکن شہادتِ حق کے لیے نہیں اٹھتے۔

آج بھی ہم بیعت تو مسلمؓ کے ہاتھ پر کرتے ہیں،
عقیدت حسینؓ سے رکھتے ہیں،
لیکن ساتھ یزید کا دیتے ہیں۔
ہم یزید کو پلید کہتے ہیں، لیکن گذشتہ یزید کو،
یزید حاضر سے ہم سمجھوتہ کر لیتے ہیں۔
وہی عراق کی سرزمین ہے، عالمی یزید اس پر حملہ آور ہے،

وہ ہر اصول کو بالائے طاق رکھ کر نجف اشرف اور کربلا معلیٰ میں دندنا رہا ہے۔
جنتی روضوں پر میزائل اور گولے برسا رہا ہے۔
ابو غریب جیل میں ہمارے بھائیوں، بہنوں سے جو سلوک ہوا، انسانیت اس پر ماتم کر رہی ہے۔

افغانستان ابھی تک دہک رہا ہے
فلسطین جل جل کے سکڑ رہا ہے،
کشمیر خونِ شہدا سے لالہ زار ہو رہا ہے

لیکن امت خاموش تماشائی ہے یا بیان بازی سے لطف اندوز ہو رہی ہے۔
مسلم ابن عقیلؓ کی طرح پوری دنیا میں مسلم ابن محمد ﷺ آج بھی بے سہارا ہے
اپنے ہی اُسے رسوا کر رہے ہیں
اسے پکڑ پکڑ کر کافروں کو دے رہے ہیں
اور ڈالرز لے رہے ہیں۔
آج بھی دل حسینؓ کے ساتھ ہیں اور تلواریں یزید کے ساتھ!
میرا خیال ہے کہ امام حسینؓ اگر آج تشریف لے آئیں اور عالمی یزید کے مقابل کھڑے ہوں تو ان کے ساتھ شہید ہونے والے ۷۲ ہی نکلیں گے!
بلکہ شاید اس سے بھی کم!
اور ہم
امام حسینؓ کو شہید کروا کے ایک مرتبہ پھر ان کے ماتم میں مصروف ہو جائیں گے!
(۷ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ/۲۷ مئی ۲۰۰۴ء، جمعرات)

مصادر

۱ قرآن مجید
۲ انجیل برناباس، ترجمہ اردو از مولوی محمد حلیم انصاری، کشمیر بک ڈپو، اوکاڑہ
۳ کتاب مقدس، اردو، بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور
۴ الصواعق المحرقۃ فی الرد علی اھل البدع والزندقۃ
احمد بن حجرؒ الہیتمی المکی (۸۹۹ھ-۹۷۴ھ) مکتبۃ الحقیقۃ، استانبول
۵ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح علی بن سلطان محمد القاریؒ (۱۰۱۴ھ)
۶ ریاض الصالحین، ابوزکریا یحییٰ بن شرف النوویؒ، اسلامی اکادمی، اردو بازار لاہور
۷ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، السید محمود آلوسیؒ بغدادی (۱۲۷۰ھ)
۸ تفسیر عثمانی، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ
۹ سیرۃ المصطفیٰ ﷺ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مکتبہ عثمانیہ، جامعہ اشرفیہ، لاہور
۱۰ الطبقات الکبریٰ، محمد ابن سعد بن منیع البصری الزھری، دار صادر، بیروت
۱۱ صحیح مسلم مع شرح النووی مطبع مجتبائی، دہلی
۱۲ فتح الملھم شرح صحیح مسلم، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ
۱۳ تذکرہ غوثیہ، مولانا شاہ گل حسنؒ، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
۱۴ تاریخ الرسل والملوک، ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، دارالمعارف، قاہرہ، مصر
۱۵ فی منزل الوحی، محمد حسین ھیکل، قاہرہ
۱۶ معارف القرآن، مولانا مفتی محمد شفیعؒ، ادارۃ المعارف، کراچی
۱۷ سیرۃ النعمان، علامہ شبلی نعمانیؒ، مدینہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ، کراچی
۱۸ تاریخ بغداد، حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیبؒ البغدادی
۱۹ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، مولانا تقی الدین ندوی، مجلس نشریات اسلام، کراچی

۲۰ تجلیات ربانی تلخیص وترجمہ مکتوبات امام ربانیؒ، مولانا نسیم احمد فریدیؒ امروہوی کتب خانہ الفرقان، لکھنو
۲۱ مقامات مظہری، حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ، اردو سائنس بورڈ، لاہور
۲۲ احکام عالمگیری، حمید الدین خان، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲ کلب روڈ، لاہور
۲۳ صحبتے با اہل دل، سید ابوالحسن علی ندویؒ، مجلس نشریات اسلام، کراچی
۲۴ کشف المحجوب، حضرت سید علی ہجویریؒ، ترجمہ فضل الدین گوہر، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
۲۵ ماہنامہ ''قومی زبان'' دسمبر ۱۹۸۲ء، انجمن ترقی اردو، کراچی
۲۶ دوستی کا سفر، اثر چوہان، ملت پبلی کیشنز، اسلام آباد
۲۷ حیاۃ الحیوان الکبریٰ، کمال الدین محمد بن موسیٰ الدمیریؒ، مکتبہ مصطفیٰ البابی، مصر
۲۸ تجرید البخاری، حسین بن مبارک زبیدیؒ، ملک دین محمد اینڈ سنز، لاہور
۲۹ فیوض الحرمین، شاہ ولی اللہ، ترجمہ پروفیسر محمد سرور، سندھ ساگر اکادمی، لاہور
۳۰ ارمغان شاہ ولی اللہؒ، ترتیب پروفیسر محمد سرور، سندھ ساگر اکادمی، لاہور
۳۱ انوار انوری، مولانا محمد انوریؒ، لائل پور سے طبع ہوئی، ۱۹۶۸ء
۳۲ درّ السحابہ فی مناقب القرابۃ والصحابہ، محمد بن علی الشوکانیؒ، دار الفکر، دمشق
۳۳ مناقب علی والحسنین وامھما فاطمۃ الزہراءؓ، عبدالمعطی امین قلعجی مکتبہ سید احمد شہیدؒ لاہور
۳۴ الجامع الصحیح، امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ، قدیمی کتب خانہ، کراچی
۳۵ سنن ابن ماجہ، محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینیؒ، قدیمی کتب خانہ، کراچی
۳۶ بزم صوفیہ، سید صباح الدین عبدالرحمٰنؒ نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد
۳۷ الحسینؓ حفیداً وشہیداً، عرفان بن سلیم العشاحسونۃ الدمشقی، المکتبۃ العصریہ، صیدا، بیروت
۳۸ الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانیؒ، احمد بن عبدالرحمٰن

البنا الشهير بالساعاتی، بیروت
۳۹ دروس الحدیث، صوفی عبد الحمید سواتی، مکتبہ دروس القرآن، فاروق گنج، گوجرانوالا
۴۰ شمائل ترمذی، محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ترمذیؒ، نور محمد اصح المطابع، کراچی
۴۱ الحسنؓ والحسینؓ، محمد رضا، المکتبۃ العصریہ، صیدا، بیروت
۴۲ سیر الاولیاء، امیر خوردؒ، ترجمہ اعجاز الحق قدوسی، اردو سائنس بورڈ اپر مال، لاہور
۴۳ جلاء الافہام فی الصلوٰۃ والسلام علی خیر الانام ﷺ ابن قیم الجوزیہؒ، مکتبہ المؤید، ریاض
۴۴ المستدرک للحاکمؒ، دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد دکن
۴۵ کلیات اقبالؒ، اردو، فارسی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، اردو بازار، لاہور
۴۶ تاریخ اسلام، مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی، مکتبہ الفیصل، اردو بازار، لاہور
۴۷ تاریخ الخلفاء (مترجمہ) جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطیؒ، نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی
۴۸ خطبات حکیم الاسلامؒ، ترتیب: محمد ادریس ہوشیار پوری، کتب خانہ مجیدیہ، ملتان
۴۹ ماہ نامہ ''الحسن'' ستمبر ۲۰۰۳ء، شمارہ: ۷، جلد: ۱۸، جامعہ اشرفیہ، لاہور
۵۰ معجم مفردات الفاظ القرآن، علامہ راغب اصفہانیؒ
۵۱ الامامۃ والسیاسۃ، ابو محمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ الدینوریؒ، مکتبہ مصطفیٰ البابی، مصر
۵۲ سیرۃ النبی ﷺ، شبلی نعمانیؒ نیشنل بک فاؤنڈیشن، پاکستان
۵۳ المرتضیٰؓ، سید ابوالحسن علی ندویؒ، مکتبہ سید احمد شہیدؒ، لاہور
۵۴ الکامل فی التاریخ، عزالدین ابی الحسن علی ابن محمد بن عبدالکریم الجزری، المعروف بابن الاثیر المکتبۃ الاسلامیۃ، طہران
۵۵ ہفت روزہ ''خدام الدین'' لاہور، امام انقلابؒ نمبر
۵۶ حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ
۵۷ تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ

۵۸ تحقیق واثبات شہادت امام حسینؓ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تحریک خدام اہل سنت، کرم آباد، وحدت روڈ، لاہور

۵۹ سواطع الالہام، مجموعۂ کلام سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مکتبہ نادیۃ الادب الاسلامی، کچہری روڈ، ملتان

۶۰ یاد یار مہربان آید ہے، عبدالستار نجم، جھنگ ادبی اکادمی، جھنگ

۶۱ معارف الحدیث، مولانا محمد منظور نعمانیؒ، عمر فاروق اکیڈمی، لاہور

۶۲ سنن نسائی، احمد بن شعیب نسائیؒ، عمر فاروق اکیڈمی، لاہور

۶۳ نصب الرایہ لاحادیث الھدایہ، حافظ عبداللہ بن یوسف زیلعیؒ، المجلس العلمی، ڈابھیل، سورت، الھند

۶۴ تحدیث نعمت، مولانا محمد منظور نعمانیؒ، کتب خانہ الفرقان، لکھنو

۶۵ ماہ نامہ ''اردو ڈائجسٹ'' الطاف حسن قریشی، سمن آباد، لاہور

۶۶ علیؓ و حسینؓ، قاضی اطہر مبارک پوری، مکتبہ سید احمد شہیدؒ، لاہور

۶۷ تاریخ دعوت وعزیمت، سید ابوالحسن علی ندویؒ مجلس نشریات اسلام، کراچی

۶۸ تہذیب سیرت ابن ہشامؒ، عبدالسلام ہارونؒ، دار البحوث العلمیہ، کویت

۶۹ دیوان الفیض، تحقیق وتقدیم، ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، المجمع العربی، پاکستان

۷۰ اکابر کا مسلک ومشرب، مولانا عزیز الرحمٰن، مکتبہ خانقاہ اقبالیہ، ٹیکسلا

۷۱ الحیاۃ بعد المماۃ، فضل حسین بہاری، المکتبۃ الاثریہ، سانگلا ہل، شیخوپورہ

۷۲ البدایۃ والنھایۃ فی التاریخ، عماد الدین ابی الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیرؒ قرشی دمشقی، مطبعۃ السعادۃ، مصر

۷۳ سوانح حیات مولانا محمد یوسفؒ کاندھلوی

۷۴ الفقہ الحنفی وادلتہ، الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی......ادارۃ القرآن، کراچی

۷۵ جوامع الکلم، ملفوظات حضرت خواجہ گیسو درازؒ......نفیس اکیڈمی، کراچی

ہلالِ محرم نے رُخ سے نقاب سرکائی تو اس کے چہرے پر اسلام کے نشانِ عزت و غیرت عمر فاروقؓ کے خون کی سرخی نظر آئی، پھر ہر شب یہ ہلال یزیدی جور و جفا اور اہل بیتؓ کے خونِ ناروا سے خونیں قبا ہوتا گیا، یہاں تک کہ شبِ عاشورآئی تو فرزندِ رسولؐ، جگر گوشۂ بتولؓ کے مقدس لہو میں ڈوب کر اس شان سے طلوع ہوا کہ اس کی سرخروئی سے عالمِ اسلام سرخرو نظر آنے لگا!

''شہادت حسینؓ'' کے حوادث و معارف پر غور کرتے ہوئے طائرِ خیال ''شہادت گاہِ حسینؓ'' پر پرواز کرنے لگا، اس دوران میں اُس نے قرنوں کا سفر کیا اور بہت سے مناظر اپنے دامن میں سمیٹے۔

آیئے! آپ بھی میرے شریکِ سفر ہو جایئے!

تاریخ اسلام میں کربلا کا مقام

اللہ جل شانہ نے انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر اتارا اور ''لا الہ الا اللہ'' کا اعلان و اظہار اس کا فرض منصبی قرار دیا۔ خدا کے پہلے گھر کی بنیادیں اسی عقیدۂ توحید پر اٹھائی گئی تھیں، لیکن صدیاں بیتیں کہ حرم کے در و دیوار کلمۂ طیبہ سننے کو ترس رہے تھے، یکا یک رحمتِ باری جوش میں آئی اور سرزمین مکہ پر ''لا الــہ الا اللہ'' کا نعرۂ حق ''مــحــمــد رسول اللہ'' کی زبان سے بلند ہوا، کفر کے ایوان میں کھلبلی تو مچی لیکن نظامِ خلافت کا قیام سرزمین مدینہ کا مقدر بنا۔

کاروانِ خلافت رواں دواں تھا کہ ملوکیت نے شب خون مارا اور امت کو

صراط مستقیم سے بھٹکانے کی کوشش کی، حکمت الٰہی کارفرما ہوئی اور سرزمینِ کربلا پر نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون سے خلافت کی حدود کا تعین کیا گیا، خون کی لکیروں کا یہ تعین و تشخص اتنا پختہ اور اتنا گہرا تھا کہ زمانہ ہزار کوششوں کے باوجود اب تک اسے مٹا سکا ہے اور نہ قیامت تک مٹا سکے گا۔

اس تفصیل سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ دین اسلام اور نظام خلافت کی تاریخ میں مکہ اور مدینہ کے بعد اگر کسی شہر کو مذہبی اور سیاسی اہمیت حاصل ہے تو وہ کربلا ہے۔

کربلا کا محلِ وقوع

کربلا موجودہ عراق کا ایک اہم تاریخی شہر ہے۔ یہ بغداد کے جنوب مغرب میں 105 کلومیٹر دور 44,01 ڈگری طول بلد پر شرقاً اور 32,37 ڈگری عرض بلد پر شمالاً واقع ہے۔ طبیعی اعتبار سے یہ عراق کی ریتلی (Sandy) رسوبی (Sedimentary) اور چٹانی سرزمین کا سنگم ہے۔

کربلا کی عمرانی تاریخ

کربلا کی تاریخ عہد بابلی تک پہنچتی ہے۔ بعض مؤرخین کی رائے یہ ہے کہ کربلا "لابالا کو باس" یعنی فرات قدیم کے شہروں میں سے ہے۔ 'ماریا' 'عمورا' 'صفورا' 'نواویس' اس کے قدیم نام ہیں، اور یہ نام اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ یہ شہر عبادت وریاضت کا مرکز رہا۔

کربلا کے اردگرد پائے جانے والے مقابر اوران سے ملنی والی ٹھیکریاں عہد مسیحی سے بھی پہلے کی ہیں۔ کربلا سے چند میل کے فاصلے پر "حرؒ بن یزید ریاحی" کے مزار سے کچھ دور 'قرطہ' اور کمالیہ میں متعدد ٹیلے اور کھنڈرات ہیں۔ کلیدار نے 'مدینۃ

الحسینؓ' میں چوالیس ٹیلوں کے نام دیے ہیں۔ ان ٹیلوں کے نیچے آشوری، بابلی، ساسانی، اموی اور غزنوی عہد کی تہذیبیں دفن ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اصل کربلا یہاں واقع تھا۔ آجکل انہیں 'ظہیرہ' اور 'عرقوب' کے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ ان ٹیلوں اور کھنڈرات سے کربلا کی قدامت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کربلا نے آہستہ آہستہ ترقی کی ہے۔ کلدانی، عرب، تنوخ، لخم اور مناذرہ کے عہد میں کربلا ایک متمدن اور ترقی یافتہ شہر تھا۔ اس عہد میں دارالحکومت 'حیرہ' تھا اور کربلا 'حیرہ' اور 'عین التمر' کے درمیان مشہور تجارتی مرکز تھا۔ شہر کی مرکزیت کی وجہ سے بہت سے عرب قبائل یہاں آباد ہوئے، اس میں قبیلہ بنو تمیم کی شاخیں 'بنو دارم' اور 'ایاذ' اور قبیلہ بنو اسد کی شاخیں 'بنو عامر' اور 'بنو غاضرہ' زیادہ مشہور ہیں۔

کربلا میں بسنے والوں کی معیشت کا زیادہ تر انحصار زراعت پر تھا۔ اس لیے کہ یہاں کی زمین زرخیز اور سرسبز و شاداب تھی، پانی وافر تھا، کیونکہ اس کے اطراف میں جابجا قدرتی چشمے جاری تھے۔ علاوہ ازیں قدیم دریائے فرات سے نکالی ہوئی ''نہر علقمی'' اس میں سے ہو کر گزرتی تھی۔ اس نہر کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ شاہ بابل بخت نصر نے اسے فرات کے غربی علاقے ''ھیت'' سے نکالا تھا اور کویت تک پہنچایا تھا۔

لیکن کہتے ہیں: کمال کے بعد زوال ہوتا ہے۔ کربلا کے کمال پر بھی زوال آیا اور مرورِ زمانہ کے ساتھ یہ شہر غیر آباد ہوتا چلا گیا...... عین ممکن ہے کہ تجارتی مراکز اور تجارتی راستہ بدلنے سے یہاں کے باسی بھی نقل مکانی کر گئے ہوں اور رفتہ رفتہ بھرا پُرا شہر ویرانے میں بدل گیا ہو...... چنانچہ پہلی صدی ہجری کے پہلے ساٹھ سالوں میں کربلا ایک غیر اہم اور غیر آباد علاقہ دکھائی دیتا ہے۔

کربلا کی جدید تاریخ 2 محرم الحرام 61ھ کو امام حسینؓ کے یہاں خیمہ زن ہونے سے شروع ہوتی ہے۔

کربلا کی جغرافیائی اور عسکری (Strategy) اہمیت کو سامنے رکھیے تو پڑاؤ کے لیے اس سرزمین کا انتخاب آپؓ کی فراست کی شہادت دیتا ہے۔ لیکن قضا و قدر کے معاملے عجیب ہوتے ہیں، 10 محرم 61ھ کو اسی سرزمین پر آپؓ جام شہادت نوش کرتے ہیں اور یوں کربلا کو اپنی دائمی منزل ٹھہرا کر اسے شہرت دوام عطا فرماتے ہیں۔ امام حسینؓ کے مرقد مطہر کی وجہ سے کربلا کو پھر اہمیت حاصل ہوگئی۔ زائرین کی آمد و رفت کا آغاز ہوا اور لوگ از سر نو یہاں آباد ہونے لگے۔ ابن الکارزونی کے اندازے کے مطابق ساتویں صدی ہجری میں یہاں گھروں کی تعداد تقریباً ایک ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ آٹھویں صدی ہجری طلوع ہونے کے ساتھ کربلا میں ایک نہایت اہم ترقی رونما ہوئی، جس نے اس شہر کو حیاتِ نو بخشی۔ ترقی یہ ہوئی کہ 702ھ میں غازان خان ایلخانی نے یہاں ایک نہر پہنچانے کا حکم دیا، جو فرات سے کھود کر یہاں تک پہنچائی گئی۔ یہی نہر بعد میں نہر حسینی کے نام سے معروف ہوئی۔

پھر 767ھ میں سلطان اویس الجلائری نے ایک قدرتی برساتی جھیل ''الحائر'' کی تعمیر نو کا حکم دیا، اس تعمیر کی تکمیل اس کے دونوں بیٹوں نے کی۔

زندگی پانی سے ہے۔ پانی آسانی سے فراہم ہونے لگا تو آبادی بھی تیزی سے بڑھنے لگی اور زندگی کی رونقیں نظر آنے لگیں۔ چنانچہ آئندہ دو تین صدیوں میں کربلا ایک شاد، آباد شہر میں تبدیل ہوگیا۔

آبادی بڑھی، رونق ہوئی تو حکمرانوں کی رال ٹپکنے لگی، دسویں، گیارھویں صدی ہجری میں عثمانیوں اور ایرانیوں کے درمیان عراق پر قبضے کے لیے شدید کشمکش جاری رہی۔ یہاں تک کہ سلطان سلیمان قانونی کے عہد میں عراق سلطنت عثمانیہ میں شامل کرلیا گیا۔

پھر نادر شاہ نے بغداد کا تین مرتبہ محاصرہ کیا اور شاہ عباس صفوی نے بغداد پر قبضہ کرلیا۔ 1032ھ میں بغداد پر قبضہ مکمل ہوتے ہی شاہ عباس نے کربلا اور نجف پر تسلط حاصل کرنے کے لیے چڑھائی کر دی اور ان دونوں شہروں کو ایرانی حکومت میں شامل کرلیا۔

یہ تو تھی کربلا کے عہد ماضی کی مختصر تاریخ اور اب

عہد موجود کا کربلا

اس وقت کربلا جمہوریہ عراق میں اسی نام کے صوبے کا صدر مقام ہے اور اہم تاریخی شہر ہے۔ پورا شہر سرسبز و شاداب اور صاف شفاف ہے، عمارتیں حسین، سڑکیں بہترین، بازار کھلے کھلے اور دکانیں بھری بھری ہیں، آبادی ڈیڑھ لاکھ سے متجاوز ہے، مضافات میں گھنے باغات ہیں، جو انواع و اقسام کے پھلوں سے لدے پھندے رہتے ہیں۔ کربلا سے بغداد تک بہت اچھی سڑک بنی ہوئی ہے اور سفر کے لیے اعلیٰ درجے کی بسیں اور ٹیکسیاں دستیاب ہیں، کرایے نہایت مناسب ہیں، دو طلائی گنبد اور چار سنہری مینار کئی میل دور سے زائرین کا استقبال کرتے دکھائی دیتے ہیں!

کربلا کی مقامی عوامی مصنوعات نہایت اعلیٰ پایہ کی ہیں۔ یہاں پلاسٹک اور چینی کے رنگین اور منقش برتن تیار ہوتے ہیں، پیتل کی نفیس اور دیدہ زیب الواح پر خطاطی کا فن بہت ترقی پر ہے۔ اسی طرح بہترین عبائیں، عمدہ قالین، خوبصورت تسبیحیں اور کڑھائی شدہ لباس بھی بلند معیار پر تیار ہوتے ہیں اور عالمی منڈیوں میں جگہ پاتے ہیں۔

امام حسینؓ اور حضرت عباسؓ کے روضے شب و روز ذکر و تلاوت اور نماز و دعا سے معمور رہتے ہیں اور زائرین اپنے دامن دل میں یہاں سے روحانی سکون اور ذہنی آسودگی کی دولت سمیٹ کر رخصت ہوتے ہیں۔ اس طرح آج کا کربلا روحانی اور مادی دونوں اعتبار سے عالم اسلام میں اہم مقام رکھتا ہے۔

کربلا کی اہم عمارات اور تاریخی مقامات

(۱) روضۂ امامؑ کی تاریخ

ابتدا میں امام حسینؓ کی قبر مبارک ایک نشیب میں تھی، جس کے گرد کچھ اونچے ٹیلے تھے، اسی لیے اس مقام کو شروع شروع میں 'الحائر' کہا گیا۔

65ھ میں ابو اسحاق مختار بن ابی عبیدؓ الثقفی نے بنوامیہ کے خلاف بغاوت کی اور اسی زمانے میں مزار امامؑ پر ایک چھوٹی سی عمارت بنوائی، جس کا ایک دروازہ مشرق کی طرف تھا اور ایک مغرب کی جانب۔ ایک مسجد بھی تعمیر ہوئی، اس سے پہلے وہاں بیری کا ایک درخت تھا، جسے باقی رکھا گیا، اس عمارت اور درخت کو ہارون الرشید نے ختم کر دیا، مامون نے اپنے دور میں دوبارہ یہ عمارت بنوائی لیکن متوکل نے اسے گرادیا، پھر المنتصر باللہ نے نئے سرے سے روضہ بنوایا اور راستے میں نشانِ راہ نصب کیے۔ اس کے بعد ہر دور میں شاہوں اور نیاز مندوں نے روضے کی تعمیر وتوسیع، آرائش وزیبائش اور زائرین کی خدمت وسہولت میں دلچسپی لی۔

726ھ/ 1326ء میں مشہور سیاح ابن بطوطہ یہاں زیارت کے لیے حاضر ہوا، اس کا بیان ہے:

''یہ چھوٹا سا شہر کھجور کے باغوں سے گھرا ہوا ہے، فرات کا پانی زمین سیراب کرتا ہے، وسط شہر میں روضہ ہے، اس میں ایک بہت بڑا مدرسہ اور اہل عرفان کی نشست گاہ (زاویہ) ہے، جہاں مہمانوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے، روضے کے دروازے پر حاجب و دربان ہیں، جن کی اجازت کے بغیر اندر جانا ممکن نہیں، آستانۂ مقدس کا دروازہ چاندی کا ہے، ضریح مبارک پر سونے اور چاندی کی قندیلیں آویزاں ہیں، اور دروازوں پر ریشم کے پردے ہیں۔'' (تحفۃ النظار، بحوالہ دائرۃ المعارف، مقالہ: کربلا)

18 ذوالحجہ 1216ھ/ 1802ء میں نجدیوں نے کربلا پر حملہ کیا، شہر میں قتل وغارت گری کے علاوہ روضے لوٹ لیے اور تمام اسباب لے گئے۔

مزاج کی ہم آہنگی دیکھیے، یزیدیوں نے اہل بیتؓ کو لوٹا تو نجدیوں نے ان کے مزارات پر دھاوا بولا، دونوں طبقے اہلِ حرمت کی بے حرمتی سے تسکین پاتے ہیں، فالی اللہ المشتکی!

اس نقصانِ عظیم کی تلافی فتح علی شاہ قاچار نے کی، امام حسینؓ اور حضرت عباسؓ کے روضوں کے گنبدوں پر سونا چڑھوایا، میناروں کی طلاکاری ہوئی، حرم میں توسیع ہوئی، اوقاف قائم ہوئے۔ اس کے بعد سے اب تک یہ مقدس مزارات مسلسل دیکھ بھال کی وجہ سے محفوظ ہیں اور عقیدت ومحبت کی فراوانی نے انہیں فن تعمیر وتزئین کا اعلیٰ نمونہ بنادیا ہے۔

تکوینی مصلحت

مدینہ طیبہ کا قیام اور جوار نبوی ہر مؤمن کی تمنا رہی ہے لیکن پہلے حضرت علیؓ نے اور پھر امام حسینؓ نے مدینہ طیبہ سے سکونت ترک کی...... اس میں یہ تکوینی مصلحت سمجھ آتی ہے کہ یہ حضراتؓ خلافت کی علامت ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مدینہ طیبہ سے ایسے خطے میں منتقل کیا جہاں اسے معلوم تھا کہ احترام باقی رہے گا۔ چنانچہ ان پاکیزہ شخصیات کے آثار ومقابر ہر نسل کو مقدس جدوجہد کی یاد دلاتے رہے ہیں، امریکی تسلط کے بعد آج بھی عراقی مجاہدین کو مزاحمت کا حوصلہ اور قربانی کا ولولہ انہی آثار سے حاصل ہو رہا ہے:

جب کوئی فتنہ زمانے میں نیا اٹھتا ہے
وہ اشارے سے بتا دیتے ہیں تربت میری

مدینہ طیبہ میں رہتے تو آج جنت البقیع میں دوسرے صحابہ کرامؓ کے ساتھ ان کے آثار بھی مٹا دیے جاتے، اور رفتہ رفتہ جذبہ حرّیت کے یہ سرچشمے بند ہو جاتے۔

ایک قلندر مزار امامؓ پر

حضرت سید غوث علی شاہ قلندر پانی پتیؒ (1804 - 1880) ایک نامور بزرگ گذرے ہیں، آپ نے کسب فیض کے لیے خوب سیاحت بھی کی، ''تذکرہ غوثیہ'' آپ کے حالات وملفوظات کا ایک دلچسپ تذکرہ ہے، اس میں آپ اپنی

سیاحت کربلا کا حال بیان فرماتے ہیں:

''کوفہ سے چل کر واپس کربلائے معلیٰ پہنچے، سب بزرگوں کے مزارات متبرکہ کی زیارت کی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا مزار شریف دہرا ہے۔ ایک تہ خانے میں، دوسرا اس کے اوپر ہے اور وہی زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ تہ خانے میں جانے کی عام اجازت نہیں۔ ہم کو نرک اپنے ساتھ لے گیا۔ شمع کافوری روشن تھی، خوشبو سے دماغ معطر ہوا جاتا تھا، ہم نے وہاں کے سوا کسی مزار پر شمع کافوری روشن نہیں دیکھی۔ اس وقت تک ایک خیمہ بھی اُس مقام پر نصب ہے، جہاں امام حسین علیہ السلام نے اہل بیتؓ کے لیے خیمہ قائم کیا تھا۔ اس جگہ نہایت حسرت و بیکسی برستی ہے، کیسا ہی سنگدل کیوں نہ ہو، وہاں دل موم ہی ہو جاتا ہے اور خود بخود جی بھر آتا ہے، طبیعت میں بے قراری پیدا ہوتی ہے۔

اور وہاں ایک عجیب بات یہ دیکھی کہ مسجد ایک اور امام کئی، یعنی ایک مسجد میں کئی امام اور ہر امام کے مقابل ایک لڑکا بیٹھا ہوا تکبیر کے وقت اللہ اکبر کہتا رہتا ہے، ہم نے دریافت کیا تو کہنے لگے کہ کسی کو کسی امام پر اعتقاد ہے کسی کو کسی پر، اسی واسطے ایک امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، جس کو جس پر اعتقاد ہے، وہ اُس کے پیچھے نماز پڑھتا ہے، اس لیے بہت امام ہو جاتے ہیں، اور امام کے لیے یہ شرط ہے کہ معصوم ہو، بچوں کے علاوہ معصوم ملنا غیر ممکن ہے، اور بچوں پر نماز فرض نہیں، اس لیے امام کے سامنے بیٹھ کر تکبیر کہتا رہتا ہے''۔ (تذکرۂ غوثیہ ص:۱۰۷)

(۲) حصن الأخیضر

یہ قلعہ کربلا سے 50 کلومیٹر جنوب مغرب میں صحرا میں واقع ہے۔ شرق اوسط میں یہ قلعہ اپنی رفعت، وسعت اور عجیب و غریب طرز تعمیر کی وجہ سے آثار اسلامیہ کا ایک خوبصورت اور حسین نمونہ ہے۔

یہ قلعہ حلب کو بصرہ سے اور صحرائے شام کو نجد کی پہاڑیوں سے ملانے والی

شاہراہ پر واقع ہے۔ بندرگاہ بصرہ کی وساطت سے بحرابیض اور بحر ہند کے درمیان سفر کے لیے یہی شاہراہ استعمال کی جاتی تھی، شاہراہ صالح اور نہر سویز سے پہلے یہی اہم ترین شاہراہ تھی، اس لیے یہ قلعہ عسکری نقطہ نظر سے بے حد اہمیت رکھتا تھا۔

یہ قلعہ کب تعمیر ہوا؟

اس بارے میں ایک رائے یہ ہے یہ عہد عباسی میں ابوجعفر منصور کے دور میں تعمیر ہوا۔

علامہ شکری آلوسیؒ کی رائے یہ ہے کہ "اخیضر" "اکیدر" کا محرف ہے اور اکیدر قبیلہ کندہ کے امیر کا نام ہے، جو اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان ہوا تھا، غالب گمان یہ ہے کہ یہ قلعہ اُسی کا بنا کردہ ہے۔

لیکن مشہور محقق 'موزیل' کا کہنا یہ ہے کہ 'الاخیضر' معروف تاریخی شخصیت 'اسماعیل بن یوسف الاخیضر' کالقب ہے، جو چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں یمامہ کی جانب سے کوفے کا حاکم تھا۔ قرین قیاس یہ ہے کہ اسی نے اپنے مسکن کے طور پر یہ قلعہ تعمیر کروایا ہوگا۔

مشہور سیاح ڈاکٹر مصطفیٰ جواد کی رائے یہ ہے کہ قلعہ اخیضر عہد ساسانی کی تعمیر ہے، کیونکہ اس کا طرز تعمیر عربی طرز تعمیر سے بالکل جداگانہ ہے۔

اس قلعے کی بیرونی دیوار مربع شکل میں تعمیر کی گئی ہے اور ہر جانب دیوار کا طول 170 میٹر ہے۔ اندرونی محل مستطیل ہے اور متعدد آرام گاہوں اور ضروری سہولتوں سے مزین ہے، قلعے کے اندر ایک بڑا دروازہ ہے، جس کے اوپر مربع شکل کا طاق بنا ہوا ہے، دروازے کی غربی جانب مسجد ہے، قلعے کی دیواروں پر چاروں طرف برجیوں کا ایک طویل سلسلہ ہے، جن میں سے چاروں کونوں کے برج اور شرقی و غربی سمت کے درمیانی برج قابل دید ہیں۔

(۳) عین التمر

کربلا کے جنوب مغرب میں 67 کلومیٹر کے فاصلے پر عین التمر نامی کھجوروں کا ایک بَن واقع ہے۔ اس بَن کے درمیان سبزہ پوش پہاڑیاں تھیں، پہاڑیوں کے دامن میں صاف شفاف پانی کے چشمے رواں رہتے تھے، اور انہیں عبور کرنے کے لیے چھوٹے چھوٹے پُل بنے ہوئے تھے۔ کھجوروں کے ایک جھنڈ میں گندھک (Sulpher) کے چشمے تھے، جو تمام سال بہتے رہتے تھے اور ماحول کی مناسبت سے ان کے نام رکھے گئے تھے، عین التمر بَن میں 19 سے زیادہ چشمے پائے جاتے تھے۔ اسی طرح منطقۂ رحالیہ سے ''شغاثا'' کے درمیان پچاس سے زیادہ چھوٹے بڑے چشمے موجود تھے، لیکن اب یہ سب بند پڑے ہیں، انہیں ''عیونِ بربویل'' کہا جاتا ہے۔ آج بھی اگر ان چشموں کی اصلاح اور صفائی ہو تو معدنی پانی کے فوارے ابلنے لگیں۔

(۴) رزازہ جھیل

یہ جھیل کربلا سے مغرب میں 11 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، یہ ایک وسیع وعریض جھیل ہے اور اس کا پانی دریائے فرات سے آتا ہے۔ جھیل کے حسن و دلکشی اور وسعت وندرت کی وجہ سے یہاں ملکی اور غیر ملکی سیاحوں کا ہجوم لگا رہتا ہے، جو مناظر فطرت سے اپنا دل بہلاتے اور قدرت کی فیاضی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

کربلا کی وجہ تسمیہ

لسانیات واثریات کے ماہرین کربلا کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف آراء رکھتے ہیں۔ ان میں سے چند وجوہ ہدیۂ قارئین ہیں:۔

(۱) ''کربلا'' لغت بابلی کا لفظ ہے۔ اہل بابل سرزمین دجلہ وفرات کے مختلف شہروں اور قصبوں میں آباد تھے، جن کے نام یہ ہیں: نینویٰ، غاضریہ، کربلہ (کربلاء

یا عقر بابل) نواویس اور حائر، ان شہروں اور قریوں کو وہ مجموعی طور پر 'کور بابل' سے موسوم کرتے تھے۔ اصل میں کور کا معنی ہے عمامے کا ایک چکر، پھیر، اونٹ کے کجاوے کو بھی کور کہا جاتا ہے۔ لہٰذا وہ علاقائی حد اور پٹی جو ایک خاص رقبے اور قوم کو اپنے اندر سمیٹ لے، اسے کورۃ کہا جاتا ہے۔ آج بھی عربی میں کُورَۃ صوبے اور ضلع کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (الفرائد الدریہ، القاموس الفرید)۔

کیا عجب ہے کہ ہمارے ہاں اکوڑہ اور اکاڑہ اسی کی بگڑی ہوئی شکل ہو!......

خیال رہے کہ یہ علاقے بھی قدیم تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ اردو ڈائجسٹ سیاحتِ پاکستان نمبر ص: ۱۹۸ پر ہے: ''ست گھرا اکاڑہ سے صرف ۲۰ منٹ کی مسافت پر واقع تاریخی اہمیت کا گاؤں ہے۔ یہاں سے ملنے والے سکے اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ علاقہ کشان دور حکومت میں بھی آباد تھا۔ کشان دوسری صدی عیسوی میں دریائے آمو (افغانستان) سے دریائے گنگا تک حکومت کرتے رہے''۔

اکاڑہ سے کچھ ہی مسافت پر ساہیوال کے قریب ہڑپہ واقع ہے۔ ''موئن جو دڑو کے بعد وادی سندھ کی قدیم تہذیب کا دوسرا بڑا مرکز...... جب سکندر اعظم نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اس نے ہڑپہ کو بھی تاخت و تاراج کیا تھا، ملہی اور کاٹھیا قبائل نے مل کر سکندر کی فوج کا مقابلہ کیا، لیکن وہ یونانی فوج کے بے پناہ ساز و سامان کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔

رگ وید کی قدیم منتروں میں اس کا نام 'ہری روپا' لکھا ہے، زمانے کی چال نے ہری روپا کو بعد میں ہڑپہ بنا دیا...... ہڑپہ کی تہذیب وادیٔ دجلہ و فرات اور وادیٔ نیل کی تہذیب کے ساتھ ساتھ ڈھائی ہزار سال قبل مسیح میں اپنے شباب پر تھی''۔

(ماہ نامہ ''اردو ڈائجسٹ'' سیاحت پاکستان نمبر: ص ۱۸۵)

تہذیب اور دور کے اشتراک کے ساتھ اسماء کا اشتراک بعید از قیاس نہیں۔

بہر کیف کور بابل کا معنی ہوا صوبۂ بابل، صوبۂ بابل کے ان قریوں کے آثار آج بھی سُدّۃ الھندیہ، (ہندی دروازہ) کے قریب پائے جاتے ہیں۔

بابلی زبان میں 'کربلہ' کا معنی ہے قرب الالہ، یعنی معبود قریب ہوا، ہو سکتا ہے کہ کربلا میں ان کی عبادت گاہ ہو، جس کی مناسبت سے وہ اس قریے کو کربلہ کہنے لگے ہوں، پھر رفتہ رفتہ یہ لفظ کربلاء بن گیا ہو۔

(۲) کربلاء کا لفظ دو آشوری لفظوں: 'کرب' اور 'ایل' یا 'ایلو' سے مرکب ہے اور اس کا معنی ہے 'حرم اللہ' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں آشوریوں کی کوئی عبادت گاہ تھی، جس کی وجہ سے اس کا یہ نام رکھا گیا۔ خیال رہے کہ سریانی زبان میں بھی ایل، اللہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے اسرائیل، جبرائیل.

(۳) کربلاء ماخوذ ہے کربلۃ سے، اس کا معنی ہے: رخاوۃ فی الموضع، یعنی جگہ کی نرمی، تو ممکن ہے کہ سنگریزوں اور جھاڑیوں سے خالی ہونے کی وجہ سے اس کا یہ نام پڑ گیا ہو۔

(۴) یاقوت الحموی لکھتے ہیں: "الکربلۃ رخاوۃ فی القدمین" یعنی کربلہ قدموں کی نرمی کو کہتے ہیں۔ عربی محاورہ ہے: جاء یمشی مکربلا، یعنی وہ نرم پاؤں چلتے ہوئے آیا۔

گندم کو جب چھان پھٹک لیا جائے تو کہا جاتا ہے: کُربِلَتِ الحِنطَۃُ

ایک شاعر گندم کی تعریف میں کہتا ہے:

یحملن حمراء رسوباً للثقل

قدغربلت و کربلت من القصل

''وہ عورتیں ایسی عمدہ اور بھاری گندم اٹھائے ہوئی ہیں، جو چھانی پھٹکی اور بھوسے سے صاف کی ہوئی ہے''۔

تو ممکن ہے کہ سرزمین کربلا کا نرمی، کشادگی اور کنکروں سے صاف ہونے کی بنا پر یہ نام رکھا گیا ہو۔

(۵) کربلاء کا لفظ کربل سے مشتق ہے، کربل ایک کڑوی جنگلی بوٹی کا نام ہے، جو کربلا میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ شاعر ابو وجزہ السعدی ہودج کے رنگ بہ رنگ منظر کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

وثـأمِـرُ کَـربـلٍ، وعـمـیـمُ دِفُـلیٰ
عـلـیھـا و الـنّـدیٰ سَبِط یـمـور،

ترجمہ: ''پھل دار کربل بوٹی اور دِفلی کے ڈھیر اُس پر لدے ہیں اور شبنم آلود تازہ چارا تیزی سے لہرا رہا ہے''۔

(دِفلی: ایک پودا جس پر سرخ گلاب کی طرح پھول لگتے ہیں)

(۶) 'لسان العرب' میں ہے: ''کـرب الأمر کروباً'' یعنی ''معاملہ قریب آ پہنچا''۔ عبدالقیس بن خفاف البرجمی کا شعر ہے:

ابـنـیّ ان ابـاک کـارب یـومـه
فـاذا دعـیـت الـی الـمکارم فاعجل

''میرے بیٹے! تیرا باپ اپنے یوم اجل سے قریب آ پہنچا ہے، لہٰذا تجھے جب بزرگانہ کاموں کی دعوت دی جائے تو جلدی کرنا۔''

'ابن مقبل' اپنی اونٹنی کی تعریف میں کہتا ہے:

فـبـعـثـتـهـا تـقـص الـمـقـاصـر بـعـدمـا
کـربـت حـیـاة الـنـار لـلـمـتـنـور

''میں نے اونٹنی کو اٹھایا، وہ درختوں کی جڑوں کو توڑ رہی تھی، جبکہ آگ کی زندگی روشنی کے طلبگار کے قریب ہو چکی تھی'' (یعنی شام کے وقت جب چراغ جلنے کا وقت قریب آ پہنچا تھا، میں نے اونٹنی کو اٹھایا)۔

ان اشعار میں 'کرب' دنا (قریب ہونا) کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔
'لاء' کے بارے میں احتمال ہے کہ یہ 'لواء' (پرچم) کی بگڑی صورت ہو، پرچم عزت وعظمت کا نشان ہوتا ہے، تو گویا کربلاء کا معنی ہے: وہ مقام جہاں عزت وعظمت طلبگار سے قریب آ پہنچتی ہے۔

(۷) 'کربلا' اصل میں 'کاربیلا' تھا، آرامی اور آستوری میں اس کا معنی ہے: ملانے والا، تو ہوسکتا ہے کہ چٹانی اور ریتلی زمین کے سنگم پر واقع ہونے کی وجہ سے اسے کاربیلا کہنے لگے ہوں جو کثرت استعمال سے کربلا بن گیا۔

نیز آرامی اور آستوری زبان میں 'کربلاتو' (Karbalatu) اوڑھنی اور سر چھپانے والے کپڑے کو بھی کہتے ہیں۔

(۸) عراق کے مختلف قریوں کے نام میں "کر" پایا جاتا ہے، جیسے کرکوک، کرخ، وغیرہ، 'بائبل' میں دریائے فرات کے کنارے 'کرکمیس' کا ذکر ہے، جہاں شاہ بابل بنوکدرضر نے شاہ مصر فرعون نکوہ کی فوج کو شکست دی تھی (یرمیاہ:۴۶، ۲)

توفیق وہبی کے نزدیک آشوری میں 'کر' اور 'کار' کا معنی ہے قلعہ یا چاردیواری سے گھرا ہوا قریہ، 'بلاء'، ممکن ہے آشوری زبان میں ٹیلے کو کہتے ہوں کہ بعض کے خیال میں مشرق سے جنوب تک پھیلے ہوئے ٹیلوں کی مناسبت سے اسے کربلاء کہتے ہیں۔

(اور کیا بعید ہے کہ بلاء آشوری میں اسی مفہوم میں استعمال ہوتا ہو، جس مفہوم میں ہمارے ہاں، بیلا، استعمال ہوتا ہے یعنی دریا کے کنارے کا علاقہ، اوپر ساتویں وجہ 'کاربیلا' میں تو صریحاً 'بیلا' لفظ استعمال ہوا ہے!)

اس تفصیل کی روشنی میں کربلاء کا مطلب ہے **قلعۂ بلاء یا قلعہ بیلا، قریۂ بلاء یا قریۂ بیلا.**

بہرکیف وجۂ تسمیہ کوئی سی ہو، ان وجوہ کی کثرت اور وقت کربلا کی قدامت اور روحانی عظمت کی خبر دے رہی ہے!

مصادر

۱۔ عبدالحسین الکلید ار آل طعمۃ :بغیۃ النبلاء فی تاریخ کربلاء :مطبعۃ الارشاد، بغداد۔
۲۔ سلمان ہادی آل طعمۃ تراث کربلاء، مطبعۃ الآداب، النجف
۳۔ محافظۃ کربلا بین التراث والمعاصرۃ، مطبعۃ الجمھوریۃ، بغداد
۴۔ دلیل العتبات المقدسۃ، دارالجمھوریۃ۔ بغداد
۵۔ رسالہ ''الاخیضر'' عباس علوان الصالح، مطبعۃ الثقافۃ، بغداد
۶۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ، مقالہ ''کربلا'' پنجاب یونیورسٹی، لاہور
۷۔ کتاب مقدس، بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور
۸۔ ماہنامہ ''اردو ڈائجسٹ'' لاہور، سیاحتِ پاکستان نمبر۔ اپریل ۲۰۰۲ء
۹۔ تذکرۂ غوثیہ، مولانا شاہ گل حسنؒ، دارالاشاعت، کراچی

حضرت ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری حفظہ اللہ

(سابق وزیر مذہبی امور، صوبہ پنجاب)

''حضرت حافظ صاحب نے انتہائی عقیدت اور اخلاص کے ساتھ جس طرح سیدنا امام حسینؓ کی شخصیت اور واقعۂ کربلا کے اسرار کو استدلال اور تحقیق کے ساتھ بیان فرمایا ہے، اس طرح پہلے کم ہی کسی صاحب علم نے کام کیا ہوگا۔ اس کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حافظ صاحب کو نہ صرف علم و تحقیق کی دولت بخشی ہے بلکہ حسن اعتقاد، حسن بیان اور حسن اخلاص کی نعمت سے بھی مالا مال فرمایا ہے یہ کتاب واقعی بہت بڑا علمی و تحقیقی کارنامہ ہے۔''

حضرت مولانا حافظ محمد سعد اللہ حفظہ اللہ

(ایڈیٹر مجلّہ ''منہاج'' دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور)

(محترم حافظ صاحب نے بڑی دقت نظر کے ساتھ کتاب پڑھی اور ''تاثرات'' کے عنوان سے مبسوط تبصرہ تحریر فرمایا۔ خصوصی شکریے کے ساتھ چند جملے نقل کر رہا ہوں۔)

''واقعۂ کربلا تاریخ اسلام کا ایک رنگین اور نہایت حزین باب ہے، لیکن یہی باب ہمیں خیر و شر اور حق و باطل کی معرفت بھی عطا کرتا ہے اور اسی میدان سے ہمیں جرأت و استقامت اور حق کی خاطر سرفروشی کا اسوۂ حسنہ بھی فراہم ہوتا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ کچھ لوگ خود بھٹکے ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی بھٹکا رہے ہیں۔

زیر نظر کتاب میں ہمارے فاضل اور مخلص دوست جناب حافظ ظفر اللہ شفیق نے بڑی بالغ نظری اور باریک بینی سے اس بارے میں صراط مستقیم واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کتاب میں موضوع کی مناسبت سے کئی ضمنی مباحث کے ساتھ درج ذیل مضامین پر بطور خاص بڑے شرح و بسط اور استدلال سے روشنی ڈالی گئی ہے:

۱) واقعۂ کربلا کے اسرار و معارف
۲) سانحۂ کربلا کے بارے میں تمام شبہات کا اطمینان بخش جواب
۳) اہل بیتؓ اور واقعۂ کربلا سے متعلق بعض علمی اور معرکۃ الآرا مباحث کا تجزیہ
۴) تاریخ کربلا

مجموعی طور پر یہ کتاب اپنے مباحث، سہل الفہم اسلوب، شستہ وشائستہ انداز تحریر اور بلند پایہ استدلال واستنباط کی خوبیوں سے آراستہ ہونے کی بنا پر اردو ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔''

جناب سید سلمان گیلانی حفظہ اللہ (لاہور)

''حافظ ظفر اللہ شفیق نے زیر نظر کتاب لکھ کر ایک بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے، اس موضوع کے بارے میں ایک مدت سے ایسی کتاب کا انتظار تھا جو اہل السنۃ والجماعۃ کے صحیح موقف کو روایت اور درایت کے ساتھ واضح کرے، اور اس میں ادب کی چاشنی کے ساتھ عوامی شعور کی رعایت بھی ہو، یہ کتاب ان تمام خوبیوں کی حامل ہے۔ میں نے والد گرامی محترم سید امین گیلانی کو پوری کتاب دو نشستوں میں سنادی، اباجی نے بھی بہت سراہا اور بہت دعائیں دیں۔

جناب پروفیسر ممتاز احمد تاجی، اعزازی مدیر ہفت روزہ ''خدام الدین'' لاہور

''اس موضوع پر ایسی مفصل، مدلل اور مکمل کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ''

ماہ نامہ ''الحق'' دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (نومبر ۲۰۰۵ء/شوال ۱۴۲۶ھ)

''زیر تبصرہ کتاب کے موضوع پر ہر زمانے میں مختلف زبانوں میں ضخیم اور مختصر کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور یہ سلسلہ جاری رہے گا لیکن المیہ یہ ہے کہ ان میں بیشتر کتابیں افراط وتفریط سے خالی نہیں، ضرورت تھی کہ اس موضوع پر ایک ایسی مفصل کتاب لکھی جائے، جو جادۂ حق سے ہٹی ہوئی نہ ہو، تاکہ اس واقعہ کی خوب تنقیح وتوضیح ہو جائے۔ ہمارے محترم اور مہربان اور شفیق دوست مولانا حافظ ظفر اللہ شفیق نے اس ضرورت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے انتہائی سلجھے ہوئے انداز میں لاجواب کتاب لکھی ہے اور اس پر وہ صد مبارک باد کے مستحق ہیں۔ کتاب ظاہری اور معنوی خوبیوں سے آراستہ وپیراستہ ہے اور یقیناً ہر لائبریری کے لیے باعث زینت ہوگی۔،،

ماہ نامہ ''الخیر'' جامعہ خیر المدارس، ملتان (اپریل ۲۰۰۵ء/ربیع الاول ۱۴۲۶ھ)

''برادر مکرم مولانا حافظ ظفر اللہ شفیق صاحب نے جس موضوع پر قلم اٹھایا ہے، وہ نزاکت ولطافت میں پل صراط کی مانند ہے، جس سے عقیدہ وعمل میں پختہ اور جادۂ حق پر مستقیم

لوگ ہی نجات پائیں گے۔ بلاشبہ حافظ صاحب نے اپنے طرز فکر، انداز استدلال اور محتاط قلم سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ محبت اہل بیتؓ سرمایہ اہل سنت ہے اہل السنۃ والجماعۃ تمام اصحابؓ کی توقیر و تعظیم کے ساتھ اہل بیتؓ سے دل و جان سے محبت و عقیدت رکھتے ہیں۔ فاضل مؤلف نے کتاب کو تین ابواب پر تقسیم کیا ہے۔

(۱) واقعۂ کربلا (۲) اسرار کربلا (۳) تاریخ کربلا۔ ان ابواب میں انہوں نے بہت سی فکری اور تاریخی اغلاط کی نشاندہی فرمائی ہے۔ امام عالی مقامؓ اور واقعۂ کربلا کو قرآن و حدیث اور تاریخ و دانش کی روشنی میں سمجھنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے ''الخیر'' کے صفحات اجازت دیتے تو مفصل تبصرہ کیا جاتا، تاہم اتنی گزارش ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں اہل بیتؓ عظام کے متعلق کچھ شبہات یا مغالطات ہیں وہ خالی الذہن ہو کر ایک مرتبہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں، انشاءاللہ شبہات کے اندھیرے چھٹ جائیں گے''۔

محترم ڈاکٹر انور سدید (سنڈے میگزین ۳، اپریل ۲۰۰۵ء نوائے وقت لاہور)

''واقعۂ کربلا تاریخ اسلام کا ایک ایسا دلفگار اور خونچکاں واقعہ ہے جس کے خون کے دھاروں سے حق و صداقت کی تاریخ لکھی گئی اور ملت اسلامیہ کے لیے فلاح کی راہ متعین کر دی گئی، اسلام کو زندہ رکھنے کا لائحہ عمل مرتب کر دیا گیا۔ اگرچہ یزیدیت کو اہل دنیا نے تھوڑے عرصے کی منفعت کیلئے قبول کیا، لیکن ہر زمانے میں امام حسینؓ کی شہادت عظمیٰ کو ہی دوام و قبول حاصل ہوا جس کی تقلید کو ایمانیات کا حصہ شمار کیا گیا۔ حافظ ظفر اللہ شفیق صاحب نے، جن کا تعلق ایک علمی اور دینی گھرانے سے ہے، زیر نظر کتاب ''امام حسینؓ اور واقعۂ کربلا'' تالیف فرمائی ہے اور اس کی ترتیب و تدوین کیلئے قرآن حکیم' حدیث نبوی اور تاریخ کے علاوہ ماضی بعید و قریب کی دانش سے بھی روشنی حاصل کی ہے، انہوں نے اولاً کربلا کے اسرار و معارف کا بسیط جائزہ لیا اور پھر ان شبہات کے ازالے کی سعی کی جو بعض لوگ دانستہ پھیلاتے رہتے ہیں، کتاب کا مرکزی موضوع تو سیدنا امام حسینؓ اور واقعہ کربلا ہے لیکن حافظ ظفر اللہ شفیق نے اس واقعے کے تمام گرد و پیش' ظہور اسلام اور تبلیغ حق کے داعیان کرام کا تذکرہ بھی معنی خیز انداز میں کر دیا ہے، اس لحاظ سے یہ کتاب موضوعات کا سمندر ہے اور اس کا مطالعہ قلب و نظر کو روشنی اور ایمان کو استحکام عطا کرتا ہے حافظ ظفر اللہ شفیق صاحب کے اسلوب میں تخلیقی رعنائی ہے اور وہ مشکل اور متنازعہ مسائل کو شبنمی انداز میں پیش کرتے ہیں۔''

''میں نہایت مسرت کے ساتھ اس کتاب کی تصدیق وتائید کرتا ہوں۔ اہل حق کا موقف سمجھنے کے لیے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔''

حضرت سید نفیس الحسینی

''کیا عرض کروں دوران مطالعہ میں کیا کیفیت ہوتی ہے۔ ماشاء اللہ احقاق حق خوب ہوا ہے۔''

حضرت مولانا ظفر احمد قادریؒ

''جی چاہا وہ ہاتھ چوم لوں جن سے مودت والفت میں ڈوبی ہوئی ایسی کتاب لکھی گئی۔''

حضرت ڈاکٹر عبدالمقیم

''مجھے کسی ہدیے سے اتنی مسرت نہیں ہوئی جتنی اس کتاب کے ہدیے سے ہوئی۔ واللہ میرے پاس الفاظ نہیں کہ اپنی قلبی مسرت کا اظہار کرسکوں۔''

حضرت مولانا طارق جمیل

اوّل سے آخر تک ایک ایک لفظ پڑھا اور بامعان نظر پڑھا، دل نے گواہی دی کہ ناصبیت کے زہر کا تریاق یہ کتاب ہے مجھے اس کتاب پر اعتماد ہے''۔

حضرت مولانا عبدالمجید

''دل کی گہرائی سے آرزو ہے کہ میری ذرّیت کا ہر فرد، عورت ہو یا مرد، اس کتاب کا گہرا مطالعہ کرے''۔

ڈاکٹر مفتی ضیاء الحبیب صابری

''یہ کتاب واقعی بہت بڑا علمی اور تحقیقی کارنامہ ہے۔''

ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری

''اپنی خوبیوں کی بنا پر یہ کتاب اردو ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔''

مولانا حافظ محمد سعد اللہ

''انتہائی سلجھے ہوئے انداز میں ایک لاجواب کتاب۔''

ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک

''جن دلوں میں اہل بیت عظامؓ کے متعلق کچھ شبہات ہیں، وہ خالی الذہن ہو کر ایک مرتبہ اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں۔''

ماہنامہ ''الخیر'' ملتان

''یہ کتاب موضوعات کا سمندر ہے اور اس کا مطالعہ قلب ونظر کو روشنی اور ایمان کو استحکام عطا کرتا ہے۔''

ڈاکٹر انور سدید، سنڈے میگزین، نوائے وقت، لاہور